مضامین شرر - تاریخی و جغرافی

(حصۂ دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسیحیت کے مبتدعہ فرقے

(۱)

ہم عیسائیون کے چند مبتدعہ فرقون کا حال بیان کرتے ہین جو اُسی قدیم زمانے مین نکلے - اور اکثر اوقات پولوس کے پیروون پر بھی غالب آ گئے - اسی امر کے ظاہر کرنے سے پتہ چل سکے گا کہ کیسے کیسے بیہودہ اور حماقت کے خیالات کا اثر عیسویت پر پڑتا رہا ہے -

ناصرین کی عداوت اور اُنکی راستبازی و حق پسندی کے مٹانے کے لیے پولوس ہی کے معتقد کیا کم تھے کہ یکایک ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جسکی بنیاد خاص ناصرین کی عداوت اور یونان و مصر کے فلسفے کی آمیزش سے پڑی - یہ ناسٹک فرقہ کہلاتا تھا - ان لوگون نے توراۃ کی حقیقت سے قطعاً انکار کر دیا - اور کہنے لگے شریعت موسوی کبھی سچی تھی ہی نہین - پیدایش عالم کے چھلے ہفتے - آدم و حوّا اور اُنکے جنت سے نکالے جانے کو اُنھون نے لغو کہانیان بتایا - اور ناصرین کو الزام دینے لگے کہ یہودیت نے ہمیشہ دنیا مین ظلم کیے - موسیٰ نے مخلوق الٰہی کو قتل کیا - اور دیگر مظالم مین مبتلا ہوے - داؤد و سلیمان نے حرم سرائین بھرین - لہٰذا تمام انبیاے سلف (معاذ اللہ) دنیا پرست اور ظالم تھے - صرف اکیلے مسیح ہین جو حق کو لے کے دنیا مین آئے - ان باتون کے ساتھ اُنھون نے فلسفۂ یونان کے بہت سے مسائل اور زردشتیون کے بعض اصول بھی تسلیم کر کے جزو دین بنا لیے - اُنھون نے اعتدال سے اسی قدر تجاوز نہین کیا بلکہ قدم آگے

کے قائل ہو گئے؛ع۔ اور خدا کو بھی ویسا خالق کل اور قادر مطلق نہ رکھا جیسا کہ تمام انبیاے بنی اسرائیل کی تعلیمات سے ظاہر ہوا تھا۔ ان لوگون کے خیالات نہایت ہی گہرے اور نازک مسائل فلسفۂ الٰہی اور پُرانے اصول تصوف سے لیے گئے تھے۔ ہم اُنکے چند خیالات اس موقع پر بتاتے ہین۔ جن سے معلوم ہوجائے گا کہ اپنے عقائد کے دقیق کرنے اور مسائل روحانی کے شاندار بنانے کے لیے اُنھون نے کس قدر دقیقہ سنجی اور نازک خیالی سے کام لیا ہے۔ تخلیق عالم کے مسئلے مین وہ لکھتے ہین؛ع۔

"ہستی کا ایک ہی ازلی منبع کُلی اور غیر محدود خدا ابدی عمق اور ابدی سکوت ہے جو زمانہ اور حدوث حیز سے اُدھر اپنی بے کُنہ ذات کی تنہائی مین ہمیشہ رہتا ہے۔ اُسی سے سارا عالم وجود مین آیا۔ پیدایش کے طریقے سے نہین بلکہ خروج کے طریقے سے تمام دنیاؤن کی ہستی سے پیشتر اُسکی ابدی گہرائیون سے ایک بڑے سلسلے مین غیر فانی وجود نکلے۔ جو ایک ہی حقیقی و ابدی نور کی کرنین ہین۔ اُن مین سے ہر ایک اپنے ابدی باپ کی الٰہی زندگی مین شریک ہے۔ مگر سب بلحاظ سلسلۂ پیدایش اپنے اصلی مرکز سے قریب و بعید ہونے کے مطابق کم و بیش زندگی رکھتے ہین۔ یہ مختلف وجود جو دل۔ عقل۔ قوت۔ سچائی اور زندگی وغیرہ کے ایسے مختلف نامون سے یاد کیے جاتے ہین دراصل خدا کی صفتون اور قدرتون کی تمثیلی شکلین ہین۔ ان سب سے مل کر روشنی اور زندگی کی روحون کا وہ نورانی چراغ بنا ہے جسے ابدی باپ ہمیشہ اپنی غیر قابل بیان اور فرحت بخش حضوری سے روشن رکھتا ہے۔ یہ وہ حقیقی دنیا ہے جس کا یہ دنیا ایک تاریک اور خیالی سایہ ہے"۔

جبکہ دنیا اس قسم کے پیچیدہ اور بہت بلند اور گہرے روحانی خیالات کی دیوانی ہو رہی تھی اس فرقے کے علما اور مقتداؤن نے ایسی شوکت الفاظ اور فکر انسانی کو نہایت ہی بلند مقام پر لے جانے والی تقریرون سے لوگون کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ مسیحی مورخون کا دعوے ہے کہ اُنکے عقائد بہت ہی پیچیدہ اور بعید از ادراک تھے۔ مگر ہم اُمید کرتے ہین کہ یہ پیچیدگیان وحدت فی التثلیث اور تثلیث فی الوحدۃ کے مسئلے سے زیادہ پیچیدہ نہ ہون گی۔ جن دنون ناسٹک لوگون کا دور دورہ تھا ناصری مسیحی اور

ع گبن۔ ع تاریخ کلیساے مسیحی مصنفۂ ڈی کن۔

پولوس کے پیرو دونون اُنکے سامنے دبے ہوے تھے - اس لیے کہ بت پرستون اور روم ویونان ومصر کے فلسفیون نے اس مذہب کو فوراً قبول کرلیا - اور وہ یہودی بھی اُنھین روحانی عقائد کے گرویدہ ہوگئے جن کے دماغون مین افلاطون کے فلسفۂ الٰہی نے ایک خاص قسم کا ایچ پیچ پیدا کر رکھا تھا - خود عیسائی مورخون کا بیان ہے کہ اس فرقے کے لوگ اس عہد مین سب سے زیادہ شایستہ - خلیق - ذی علم - اور صاحب دولت وعزت تھے - اور اُن کا اثر بھی سلطنت دورِ دنیا پر بہت زیادہ تھا

ناسٹک اصول کا ظہور شام ومصر سے شروع ہوا - اور بڑھتے بڑھتے یہ لوگ روم ویونان مین جا پہونچے - اور بعض اوقات اُنکے داعی اور مشنری پھرتے پھراتے مغربی ممالک یورپ کے دور دراز مقامات مین دورہ کر کے اپنے اصول کی تبلیغ واشاعت کرنے لگے - موجودہ اناجیل کی جگہ یہ لوگ متعدد تاریخون کو اپنا دستورالعمل قرار دیتے تھے - جن مین حضرت مسیح اور حوارئین کے حالات - اُنکے ملفوظات اور اُنکی باہمی صحبتون کے تذکرے لکھے تھے -

جب یہ فرقہ زیادہ پھیلا تو اس مین بھی مختلف عقائد اور متضاد اصول پیدا ہونے لگے - آخر یہان تک تجزیہ ہوا کہ اُس ایک فرقے کے اندر پچاس سے زیادہ گروہ موجود تھے - جنمین سے ہر ایک کے لیے جداگانہ کلیسا خاص بشپ اور خاص جماعتِ رہبان تھی - اور اسی طرح ہر گروہ اپنے مخصوص اولیا اور مخصوص شہدا رکھتا تھا ان فلسفیانہ مذہبی گروہون کا ظہور دوسری صدی سے شروع ہوا - تیسری صدی مین یہ لوگ ہر جگہ اور ہر ملک مین سرسبز وکامیاب ہوتے رہے - اور چوتھی صدی مین جب ناصری فرقہ فنا ہوا تو اُسی وقت ان لوگون کا بھی استیصال کردیا گیا[عـہ]

ناسٹک فرقے کے چند خاص گروہون کا تذکرہ اس موقع پر لطف سے خالی نہ ہوگا اس کا پہلا بانی شمعون نام ایک شخص تھا جو اگرچہ ارضِ یہودا کے شہر شومرون یا سماریہ کا رہنے والا تھا مگر مجوسی بتایا جاتا ہے - اس نے طلسم اور نیرنجات مین کافی دستگاہ پیدا کرکے ۳۵ ق ہ (۵۸۶ع) مین فلپوس حواری کے ہاتھ سے مسیحیت کا بپتسمہ لیا - پھر مختلف مقامات کا سفر کرکے ناصریون اور پولوسیون کے عقائد دریافت کیے - اور خود اپنے

عـہ گبن عـہ ان تمام فرقون کے حالات عموماً ڈی گلن کی تاریخ کلیسا سے لیے گئے ہین -

تئین خدا کا مظہر بتانے لگا۔ مگر جن اصول کو اُس نے پیش کیا وہ ناسٹک فرقون کے دیگر خیالات کے مقابلے مین ناقص کہے جاتے ہین۔ اس لیے کہ فلسفیانہ مسیحیت کا یہ پہلا اور غیر مکمل نقش تھا۔

اسکے بعد نقولس نام ایک یہودی الاصل شخص پیدا ہوا۔ جو انطاکیہ مین سکونت پذیر تھا۔ اُس نے یہ نہایت ہی خطرناک اصول ظاہر کیا کہ" انسان کو اپنے جسم پر مالک متصرف ہونے کے لیے ضرور ہے کہ انتہا درجے کی شہوت پرستیون مین منہمک و مستغرق ہو جائے۔ یہ ایسا مذہب تھا جس مین کسی قسم کی بدمعاشی و بدکاری ممنوع نہ ہو سکتی تھی شاید مسیحی لوگ اس قسم کا کوئی فرقہ اپنے اور مجوسیون کے سوا کسی دوسرے مذہب مین نہ بتا سکین گے۔ یہ دونون فرقے پہلی صدی عیسوی کے نصف اخیر مین پیدا ہوے تھے۔

ایک فرقہ وہ ہے جو بسیلڈیز نام ایک شخص سے شروع ہوا۔ اسکے پیرو اپنے اعتقاد مین دو قدیم وجود مانتے تھے۔ اور مسیح کی نسبت کہتے تھے کہ آپ خاکی جسم سے مبرا و منزہ تھے۔ نقولس کے معتقدون کی طرح یہ لوگ بھی بدچلن اور بداخلاق تھے۔ جب رومیون کی طرف سے مسیحیون پر ظلم ہونا شروع ہوا تو اُنھون نے دین عیسوی سے تقیۃً انکار کر دیا۔ اور اپنی اس کمزوری کو یہ اصول پیش کر کے مٹایا کہ" نا خدا ترس ظالمون کے سامنے اپنے عقیدۂ حق کو ظاہر کرنا گویا سُورون کے سامنے موتی پھینکنا ہے"۔ طلسم و سحر کی طرف انکی بھی بڑی توجہ تھی۔

انھین فرقون مین ایک ولن ٹائن فرقہ ہے۔ یہ مذہب مذکورہ فرقون سے زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ اس نے انجیل کے ظاہری معنی چھوڑ دیے۔ اور بعض صوفیۂ اسلام کی طرح ہر آیت اور ہر لفظ کے دوسرے معنی بتانے لگا۔ مثلاً انجیل یوحنا کے چوتھے باب مین" سمریا کی عورت" سے دانائی کی نجات"۔ یعقوب کے کنوئین کا پانی" کا مطلب یہودی مذہب" اور اُسکے خاوند" کو روحانی دولہا" اور اُسکے پہلے خاوندون" سے ہیولا یا شیطان کی بادشاہت" مراد لی۔ یہ لوگ انجیل کے تاریخی واقعات کی اصلیت کے نہین قایل تھے۔ اور عہدنامۂ قدیم کو خدا کا مخلوق ہی نہین مانتے تھے۔ جادو ان کا بھی چلتا تھا۔ اور زیادہ تر حسین و مالدار عورتون پر چلتا تھا۔

ایک فریق مارشن کے معتقدون کا تھا۔ جس نے نئی انجیل مرتب کی۔ توراۃ کی حقیت کو مٹایا۔ اور دعوے کیا کہ خدا نے دنیا کو ہزار سال تک بالکل بھلا دیا تھا۔ یہان تک کہ حضرت مسیح یکایک ظاہر ہو گئے۔ یہ لوگ ترک لذات کرتے۔ نکاح۔ گوشت اور شراب سے محترز تھے۔ اس فرقے پر قسطنطین نے اگرچہ بڑے بڑے ظلم کیے مگر اس کا وجود دسوین صدی عیسوی تک پایا جاتا ہے۔

سب سے عجیب و غریب فرقہ "اوفی ٹیون" کا ہے۔ یہ فرقہ بت پرستون کے اصول سے نکلا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسکے پیرو سانپ کی پرستش کرتے تھے۔ یہ الزام عام اس سے کہ جھوٹا ہو یا سچا مگر اس مین شک نہین کہ سانپ کو یہ لوگ بہت بڑا مظہر کامل تسلیم کرتے تھے جس کی ابتدا آدم و حوا اور سانپ کے قصے سے ہی تھی۔ پھر حضرت موسیٰ کے عصا کے سانپ ہو جانے۔ اسکے بعد جنگل مین حضرت موسیٰ نے پیتل کے سانپ سے لوگون کو جو اچھا کیا تھا۔ ان تمام واقعات سے فائدہ اُٹھا کے انھون نے سانپ کو حقیقی معرفت کا

---

۵ یہ واقعہ چونکہ قرآن پاک مین نہین لہذا مسلمانون کی تاریخ مین بھی کم ملتا ہے۔ مگر یہود و نصاریٰ مین بہت مشہور ہے اسلیے کہ توراۃ و انجیل دونون مین موجود ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل وادیِ تیہ مین پریشان ہوے تو انھون نے خدا کی ناشکری کی اور جناب موسیٰ کو الزام دینے لگے کہ تم نے ہمین مصر سے کیون نکالا۔ اسکی سزا مین خدا نے ایسے سانپ اُنپر مسلط کیے جنکے مُنھون سے شعلے نکلتے تھے۔ یہ سانپ بنی اسرائیل مین کثرت سے پیدا ہو گئے اور بہت سے یہودی اُنکے کاٹنے سے ضائع ہوے۔ یہ حالت دیکھی تو سب پریشان ہو کے حضرت موسیٰ کے پاس آئے۔ عذر خواہی کی اور ندامت کے ساتھ اپنی ناشکری کا اقرار کر کے توبہ کینے لگے۔ حضرت موسیٰ نے دعا کی اور درگاہِ خداوندی سے حکم ہوا کہ ایک ویسا ہی سانپ بناؤ اور اُسے کسی نیزے کی نوک پر لگا کے زمین پر نصب کر دو۔ جس کسی کو سانپ کاٹے اسکی نظر جیسے ہی اِس سانپ پر پڑے گی اچھا ہو جائے گا۔ جناب موسیٰ نے ایک برنجی سانپ بنوا کے تیر پر قائم کیا۔ اور اُسکی برکت سے بنی اسرائیل اُن کو ستانی سانپوں کی مضرت سے محفوظ ہو گئے (عہد عتیق۔ سفر گنتی۔ باب (۲) اسی کے حوالے پر حضرت مسیح نے بھی فرمایا تھا کہ جس طرح موسیٰ نے ایک سانپ کو صحرا مین بلند کیا تھا اُسی طرح ضرور ہے کہ انسان کا فرزند بھی بلند کیا جائے (انجیل یوحنا۔ باب ۳۔ آیت ۱۴) حضرت مسیح کے اس اشارے نے عیسائیون مین بھی اس واقعہ کو بڑا اہم اور گویا شانِ مسیحیت کا پہلا نمونہ بنا دیا۔ اور غالباً اسی خیال سے اس نئے فرقہ نے سانپ کو خداشناسی کا

سب سے پہلے عملی نشان قرار دیا تھا۔

نشان قرار دیا تھا - یہ لوگ مصنوعی سانپون کا استعمال بازوبند اور تعویذون کی طرح
کرتے تھے - اور اُسے باپ (خدا) اور مادّے کا درمیانی واسطہ قرار دیتے کہتے تھے کہ
سانپ ہی عالم علوی کی کیفیتین عالم سفلی مین اور عالم سفلی کی عالم بالا مین لیجاتا ہے -
اس فرقے کی بھی تین تقسیمین ہو گئی تھین - جن مین سے ایک فرقہ قائنی یعنے
قابیلی کہلاتا تھا - اسکے پیرو اپنے آپ کو حضرت آدم کے گنہگار بیٹے قابیل کی
طرف منسوب کرتے - اور اُسی کو اپنا پہلا مقتدا قرار دیتے تھے - ان لوگون نے یہ
عجیب عقیدہ پیدا کیا تھا کہ قابیل سے لے کے آخر تک جتنے بدکار اور بدنام لوگ
ہوے تھے اُن لوگون کو شہیدون اور ولیون کی عزت دے دی - دعویٰ کرتے
تھے کہ مسیح کے شاگردون مین سے یہودا اسخریوطی ہی (جس نے آپ کو دغا دیکے
دشمنون کے ہاتھ مین گرفتار کرا دیا) علم حقیقی کے راز کو سمجھا تھا - باقی سب نالایق تھے
ان لوگون کے عقیدے کے رو سے کامل علم کے لیے ضرور تھا کہ انسان تمام گناہون کا
اچھی طرح تجربہ کرے اور اُن تمام بدکاریون مین مبتلا ہو جن کا نام لیتے بھی ہمین
شرم آتی ہے -

انھین ناسٹک فرقون مین سے اُن لوگون کے مقلد بھی تھے - جنھون نے زرتشتیون
کی پیروی کی - اور یزدان و اہرمن کو پوری طرح تسلیم کر لیا - ان مین زہد و نفس کشی کی
بڑی شدت اور سختی تھی -

ایک ناسٹک فرقہ کارپاکریٹس نام ایک اسکندریہ کے رہنے والے نے نکالا -
اس نے حضرت مسیح کو بالکل اُسی درجے پر رکھا جس درجے پر خود اسکے نزدیک نامی
بت پرست فلسفی تھے - ان لوگون کا دعوے تھے کہ دنیا کو فرشتون نے پیدا کیا ہے -
جناب مسیح کو یوسف کا بیٹا اور دیگر انسانون کے مثل مگر آپ کی روح کو پاک و صاف
بتاتے - یہ لوگ جادو کے بڑے معتقد تھے اور ناپاک روحون اور جنات و شیاطین سے
مرادین مانگا کرتے - ان لوگون کی زندگی بھی عموماً شہوت پرستی مین گذرتی تھی - اور
یہی پہلا فرقہ ہے جس نے حضرت مسیح کی تصویرین بنا کے معبدون مین رکھین اور ان
تصویرون کے ثبوت مین یہ مصنوعی سند پیش کی کہ یہ پانٹیوس پائلٹ (رومی گورنر ارض
یہودا جسکے حکم سے جناب مسیح مصلوب ہوے) کی بنوائی ہوئی اصل تصویر سے لی گئی ہین -

کارپاکرٹیس کا بیٹا اپی فینتز اگرچہ ۱۷ ہی برس کی عمر مین مرگیا۔ مگر ایجادِ مذہب مین اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اُس نے اس تھوڑی ہی عمر مین اپنے نام کا نیا فرقہ پیدا کر دیا۔ جس کے پیرو اُسکی قبر کو بے تکلف پوجتے تھے۔ مگر شاید ۱۷ ہی سال مین اُس کے بلوغ نے نہایت کمال کا رتبہ حاصل کر لیا تھا کہ مزوکؑ کے اس اصول کو اُس نے اپنے معتقدین کا جزوِ ایمان بنا دیا کہ "سارا مال اور ساری عورتین کسی خاص شخص کی مِلک نہین۔ لہذا اُنپر سب کو یکسان تصرف کا حق حاصل ہے"

انھین مبتدع فرقون مین تاشیانی کے معتقد بھی بتائے جاتے ہین۔ اگرچہ اُس نے کوئی نئی بات نہین ایجاد کی۔ سچ پوچھیے تو اس نے خداشناسی کو زیادہ ترقی دلائی۔ ہان اتنی بے اعتدالی البتہ ہوگئی تھی کہ نکاح کو بھی شہوت پرستی کا ایک شمہ تصور کیا۔ اُس نے اپنے پیروون سے شراب کا استعمال چھڑا دیا تھا۔ دعوتون اور خاصتہً عشاءِ ربّانی مین وہ لوگ شراب کی جگہ پانی استعمال کرتے۔ اور اسی وجہ سے شراب پینے والے عیسائیون نے اُنھین "پانی والے" کا لقب دے دیا۔

ہرموجیس نام قرطاجنہ (کارتھیج) کے ایک مصورنے بدی اور تخلیق کا ایک نیا اصول بتا کے دعوے کیا کہ مسیح آسمان پر چڑھتے وقت جسم کو سورج مین چھوڑ گئے تھے۔ دراصل یہ اصول صرف اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ دینِ عیسوی قدیم رومی یونانی اصنام پرستی سے گونہ موانست پیدا کرے۔ جو پٹیر یعنی سورج دیوتا کی پرستش زور وشور سے ہو رہی تھی۔ اس مسیحی فرقے کے اس خاص اصول نے سورج کی پرستش عیسویت کے ساتھ بھی جائز کر دینا چاہی تھیؑ۔

ع۔ مزدک ایران کا ایک شہوت پرست فلسفی تھا۔ جسکو زرتشتی مذہب والے شیطان کا ایک مجسم نمونہ تصور کرتے ہین۔ اس نے یہ اصول جاری کیا کہ مال اور عورتین سوا خدا کے کسی خاص شخص کی مِلک نہین قرار دیجا سکتین۔ لہذا سب پر ہر شخص کو یکسان طریقے سے تصرف کا حق حاصل ہے۔ تمام ایرانی اس مذہب کے پابند ہو گئے تھے۔ خود بادشاہ نے یہ عقیدہ قبول کر کے ملک مین جاری کیا اور عموماً مزے اُڑائے جانے لگے۔ نوشیروان عادل نے تخت نشین ہوتے ہی مزدک اور اُسکے پیروؤن کو قتل کر دیا۔ اور اس مذہب کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینکدیا۔ ع۵ تاریخ دین عیسوی مصنفہ ل مین

ڈوسیٹی فرقے کی خاص تعلیم یہ تھی کہ مسیح کا جسم گوشت اور خون کا نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ نے دراصل نہ کسی قسم کی تکلیف پائی نہ مرے اور نہ پھر اُٹھے یعنی موت کے بعد زندہ نہین ہوے بلکہ مصلوبیت اور دفن وغیرہ کی قسم کے سبب باتین عمل مین آگئین۔ مگر آپ جیسے تھے ویسے ہی رہے۔

ناسٹک کے سب فرقون سے زیادہ قوی اور زبردست مانیکی یا عربی ترکیب سے کہا جائے کہ مانوی فرقہ تھا۔ اس کا بانی مانی نام ایک ایرانی نژاد اور مجوسی الاصل شخص تھا[عـه]۔ یہ وہی مانی ہے جو مصوری کا بہت بڑا اُستاد خیال کیا جاتا ہے۔ اور فارسی و اُردو شاعری مین بھی مشہور ہے۔ شاید ہمارے یہان پڑھے لکھے لوگون مین کم ہونگے جو مانی و بہزاد کے نام سے نہ واقف ہون[عـه]۔ مانی تیسری صدی عیسوی کا بڑا نامور ایرانی فلسفی۔ دقیقہ رس نجومی۔ اور مشہور مصور تھا۔ اصل مین بات

عـه مسیحی کلیسا کی تاریخ۔ مصنفہ ڈی گمن۔

عـه ہمارے یہان مانی کے متعلق عجب عجب قصے مشہور ہین۔ غیاث اللغات مین لکھا ہے کہ مانی ایک رومی نژاد شخص تھا جس نے اپنے کمال مصوری کو اپنا معجزہ قرار دیکے دعوائے نبوت کیا۔ خیر یہانتک غنیمت ہے گو رومی نژاد ہونا غلط ہے۔ مگر مولانا نظامی سکندر نامہ مین لکھتے ہین کہ مانی نے نقاشان چین کا شہرہ سُن کے چین کا سفر کیا۔ چینیون کو جب اُسکی روانگی کا حال معلوم ہوا تو انھون نے ایک کنوئین کی تہ مین (جو اُسکے راستے مین پڑتا تھا) ایک آئینہ بنا دیا تاکہ پانی کا دھوکا دے۔ مانی اس فریب مین آگیا۔ کنوئین مین ڈول ڈالا اور ڈول کی ٹھیس سے شیشہ ٹوٹ گیا تو اُسے بڑی ندامت ہوئی کہ چینیون کی چالاکی سے مجھے بڑا دھوکا ہوگیا۔ اس ندامت کے مٹانے کے لیے اُسنے شیشے کی جگہ اُس کنوئین کی تہ مین ایک مرا اور سڑا ہوا کتا بنا دیا جسپر کیڑے بلبلاتے نظر آتے تھے۔ مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ پھر کسی کو دھوکا نہ ہو۔ جب نقاشان چین سے مقابلہ ہوا تو ایک مکان مین آمنے سامنے کی دیوارون مین سے ایک مانی کو اور ایک چین کے مصورون کو دی گئی کہ اپنا اپنا کمال دکھائین۔ درمیان مین ایک دیوار اُٹھا دی گئی اور کہا گیا کہ جب دونون کی نقاشی ختم ہو جائے گی تو اس دیوار کو گرا کے باہم مقابلہ کیا جائیگا۔ چینیون نے بڑی زینت سے بڑے بڑے کمالات مصوری دکھائے۔ مگر مانی نے اپنی دیوار کو صرف گھونٹ گھونٹ کے آئینہ بنا دیا اور جب بیچ کی دیوار گرائی گئی تو چینیون کی تصویر کا عکس مانی کی دیوار پر پڑا اور بعینہ ویسی ہی تصویرین اُدھر بھی نظر آئین لیکن ان واقعات کی کہانیون سے زیادہ وقعت نہین معلوم ہوتی

یہ تھی کہ مشرق مین دین عیسوی کو کسی طرح کامیابی نہین حاصل ہوتی تھی - زرتشتی مذاہب نے میسوبیت کو ایسا روکا کہ مغرب مین تو وہ بحر اعظم مغرب تک جا پہونچا مگر مشرق مین دریاے فرات و دجلہ سے آگے نہ بڑھنے پاتا تھا -

آرمینیہ ایران و روم کا سرحدی صوبہ پہلے پولیٹکل تغیرات اور بڑی بڑی سازشون کا مرکز بنا ہوا تھا - اب وہ مذہبی انقلابات کا دنگل بن گیا - یہان کا فرمان روا ایک عیسوی واعظ کی تلقین سے عیسائی ہو گیا تھا - مگر جب ایران کے شاہی خاندان نے اُسے قتل کر کے پہلی آتش پرستی قائم کی تو قدیم شاہی خاندان کے ایک لڑکے اور ایک لڑکی خسرودخت کی کوشش سے پھر دین عیسوی اس ملک مین آیا - اور اگرچہ ابتدا بھی بڑے بڑے ظلم عیسائیون پر ہوے مگر مسیحیت کا قدم اس ملک مین جم گیا -

(۲)

اسی حالت کو دیکھ کے مانی نے کوشش کی کہ ایک ایسا نیا مذہب قائم کر دے جو مشرقی و مغربی دونون مذہبون سے مل کے بنا ہو - اس نے اپنی ذاتی لیاقت کی وجہ سے ایرانی شہنشاہ شاپور اول کے دربار مین عزت حاصل کی - لیکن جب دیکھا کہ وہان کے کاہن اور مقتدایان ملت زرتشتی اُسکی عداوت پر آمادہ ہین اور مذہبی امور مین دخل دہی کو بادشاہ بھی نہین پسند کرتا - تو شاہی دربار کو چھوڑ کے مشرق کی طرف چلا گیا - پہلے ترکستان مین گیا - پھر ہندوستان اور چین کی حقیقت دریافت کی - ترکستان مین پہونچ کے اُس نے ایک گھاٹی مین خلوت اختیار کی - جہان ایک چشمہ جاری تھا اور کھانے کا سامان بھی موجود تھا - کامل ایک سال تک اسی مین بیٹھ کے اپنی کتاب ارتنگ تیار کی جسکو ایک آسمانی کتاب کی شان سے لے کے باہر آیا - اور حضرت موسیٰ کی طرح لوگون سے کہا مین خدا کے پاس گیا تھا - اور یہ احکام خداوندی تمھارے لیے لایا ہون - دیگر تمام آسمانی کتابون کے خلاف اسکی کتاب مین نہایت ہی اعلیٰ درجے کی تصویرین بنی ہوئی تھین - اور جو اُس زمانے کے لحاظ سے اتنی بڑی چالاکیدستی کا ثبوت دیتی تھین کہ انسانی قوت سے بالا اور بہت ہی زبردست معجزہ تصور کی گئین عـه الغرض ایک مدت کے بعد پیغمبر مرسل اور صاحب کتاب نبی بن کے وہ ایران مین واپس

عـه تاریخ دین عیسوی مصنفہ ملر مین -

آیا۔ اور بہت سے لوگون کو اپنا معتقد بنا لیا۔ مجوسیون سے اُس سے بڑے بڑے مناظرے ہوے۔ ہرمز بن شاپور کے عہد مین وہ اپنے اس طولانی سفر سے واپس آیا تھا۔ جس نے اُس کی بڑی قدر و منزلت کی اور علاقۂ بابل مین ارابیون نام ایک قلعہ اُسے رہنے کو دیا۔ اس قلعہ مین بیٹھکے مانی نے اپنے نئے دین کی اشاعت شروع کی۔ اپنے بارہ حواری قرار دیے۔ اور انکو تبلیغ شریعت مانوی پر مامور کیا۔ مگر چندہی روز بعد متعصب مقتدایان دین زرتشتی نے نئے شہریار ایران بہرام کے دربار مین اُس کی شکایت کی۔ بہرام اپنے مذہبی بزرگون کے اُبھارنے سے اس قدر برہم ہوا کہ اُس کے حکم سے ۲۹۳ق محمد (۲۷۰ع) کے قریب زمانے مین مانی اپنے قلعے سے گرفتار کرکے لایا گیا۔ زندہ کھال کھینچ کے اُس مین بھُس بھروایا گیا۔ اور کھال کا یہ پُتلا مدت تک شہر شاپور کے پھاٹک پر رکھا رہا۔

مانی کا مذہب اگرچہ مسیحیت کی ایک شاخ بن کے نمودار ہوا مگر اصل مین وہ دنیا کے تمام مذہبون سے مرکب تھا۔ وہ وحدت وجود کا قائل تھا۔ تخلیق کی نسبت کچھ نئے ہی خیالات ظاہر کیے تھے۔ اصلی بنا دو خداؤن یعنی یزدان و اہرمن کے ماننے پر قائم تھی اسی طرح نور و ظلمت کی اصطلاح بھی کثرت سے استعمال کی گئی تھی۔ اخلاقی اصول بالکل بُدھ مذہب کے اخلاقی فلسفے سے لیے گئے تھے۔ یہودی مذہب بالکل ترک کر دیا گیا تھا۔ اور کہنا چاہیے کہ ایران کے یزدان و اہرمن چین و ہند کے اخلاقی فلسفے کو عیسائیت کا جامہ پہنا دیا گیا تھا۔ کتاب عہد عتیق شیطانی الہام کا نمونہ بتائی گئی اور چند جعلی انجیلون کے ساتھ مانی کی تحریرین اس فرقے کا دستور العمل بنین۔ مانی نے انجیل سے یہ فائدہ بھی اُٹھایا کہ اپنے تئین موعودہ فارقلیط بتا کے اپنے خاتم الانبیا ہونے کا دعوے کیا۔

اس مانوی فرقے نے عیسائی دنیا مین اس قدر ترقی کی کہ پولوس کے پیرودون کے مقابلے مین مستقل اور زوردار مذہب بن گیا۔ اور رومی کلیسیا کا سب سے زیادہ قوی حریف تھا۔ مانوی لوگ اپنی توحید پر نازان تھے اور اپنے مخالف عیسائیون کو بُت پرست بتاتے تھے۔ اس فرقے نے یہان تک ترقی کی کہ رومی کلیسیا کے پورے مذہبی انتظامات

ع۔ مسیحی کلیسیا کی تاریخ مصنفہ ڈی گلن ع۔ تاریخ دین عیسوی مصنفہ ملمین۔

اس مین بھی جاری ہو گئے۔ بارہ بڑے مذہبی عہدے دار رسول و حواری کے نام سے اُن کے نیچے ۷۲ بشپ۔ اور پھر اُنکے ماتحت پریسبٹر اور ڈیکن تھے جو سفر کرنے والے داعی قرار دیے گئے۔ یہ فرقہ تیرھوین صدی عیسوی تک قائم رہا۔ اور اسپر روم کے عیسائی شہنشاہون اور پوپون نے بڑے بڑے ظلم کیے۔ اور فتوحات اسلام نے بھی اسے بڑا ضرر پہونچایا۔ع

دین عیسوی کی یون تو اُسی زمانے مین صدہا شاخین ہو گئی تھین۔ اور ایک ایک جزئی مسئلے نے ایک جدید فرقہ پیدا کیا تھا۔ مگر ہم اس موقع پر ایک اور فرقے کے حالات لکھنا ضروری خیال کرتے ہین۔ جسنے بہت کچھ ترقی حاصل کی تھی۔ اور ناسٹک فرقون کے علاوہ ایک مستقل مذہب بتایا جاتا ہے۔ یہ مذہب مانٹنزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلیے کہ مانٹوس نام ایک شخص کی طرف منسوب ہے۔ جس نے ایشیاے کوچک کے علاقۂ فروگیہ مین ایک گاؤن سے خروج کرکے اپنے مذہب کو افریقیہ اور قرطاجنہ تک پہونچا دیا۔ مانٹوس کے ساتھ دو لائق اور موثر شکل و شمائل کی عورتین بھی تھین جو نبیہ بتائی جاتی تھین۔ ان تینون نے تبلیغ دین کے لیے سفر شروع کیا اور دعویٰ کیا کہ روح القدس اور حضرت مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی کا زمانہ فروگیہ کے گاؤن پیوزا سے شروع ہونے والا ہے۔ وہان نیا یروشلیم اُترے گا اور ساری دنیا اُس کے سامنے سر جھکائے گی۔ جن عقائد کو ان پیغمبرون یعنی مانٹوس اور اسکے دوست عورتون نے جو اپنے آپ کو فارقلیط کا مظہر و مصدر کہتا تھا دنیا کے سامنے پیش کیا یہ تھے کہ "نفس کشی ہر شخص پر فرض ہے۔ بشپون اور راہبون کی حکومت دین کے خلاف ہے۔ ریاضت کے لیے کسی کی تخصیص نہین۔ ہر مرد اور عورت کو راہب اور کاہن ہونا چاہیے" ان عقائد کے ساتھ یہ بھی دعویٰ تھا کہ سلسلۂ نبوت بدستور جاری ہے۔ چنانچہ اپنے کئی مردون اور عورتون کو پیمبر بتاتے تھے۔ ان کی یہ عملی کوشش تھی کہ یہودیون اور ناصرین کی طرح شرعی قیود کو روز بروز بڑھاتے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک توبہ غیر مقبول تھی۔ ازدواج کی نسبت کہتے تھے کہ ایک بُرائی ہے جس سے انسان کو چارہ نہین۔ اور نکاح ثانی کو زنا خیال کرتے تھے۔ مسیح کی بادشاہی کا

ع۔ مسیحی کلیسیا کی تاریخ مصنفہ ڈی گلن۔

مسئلہ پہلے پہل انھین لوگون سے شروع ہوا۔ انکے بعد عیسویت مین اور بھی ایسے فرقے پیدا ہوے جنھون نے اسی ہزار سالہ بادشاہی کو اہم مسئلہ ایمانی قرار دیا۔ اور اُس مین دقیقہ سنجیان کین۔

مانٹنوس اور اُس کی دلربا ساتھ دینے والیون کا مذہب بڑی تیزی سے بڑھا اور اطراف عالم مین پھیلنے لگا۔ تھوڑے ہی دنون مین اس سرعت سے کامیاب ہوا کہ ایشیا سے یورپ مین پہونچا۔ روم مین اسکے حامی پیدا ہوے۔ اور شمالی افریقہ مین اس کا قدم مضبوطی سے جم گیا۔ خود رومی کلیسا اور پولوس کا بنایا ہوا دین بھی اس نئے فرقے کو بڑھتے دیکھ کے گھبرا اُٹھا تھا۔ مگر رومی کلیسا کی حکومت اور قسطنطین کے جانشینون نے اس کو دنیا سے مٹا دیا۔ عیسوی حکومت اور رہبانیت کے مظالم نے ۵۳۰ء قوم (۵۳۰ء) مین مانٹنوس کے مذہب کی پابندی کو شاہی جرم قرار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ چھٹی صدی عیسوی مین یا یون کہا جائے کہ اُسی صدی عیسوی مین جب مین ہمارے رسول مقبول صلعم پیدا ہوے۔ اس مسیحی فرقے کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ ابتدائی زمانے کے فرقے بہت قوت کے ساتھ پھیل گئے تھے اور ممکن نہ تھا کہ آج دنیا مین موجود نہ ہوتے۔ لیکن جس طرح دولت روم کے عیسائی حکومت ہو جانے سے قدیم بت پرستی مٹائی گئی اُسی طرح ان فرقون کا بھی استیصال کیا گیا۔ درحقیقت ان فرقون نے رومی کلیسا کو بجاے ضرر کے اور فائدہ پہونچایا۔ ہر عیسائی فرقے کے بانی نے مختلف جماعتون اور مذہبون سے اپنے پیرو فراہم کیے تھے۔ ان پیروون نے جب اپنے قدیمی مذہب کو چھوڑ دیا تھا تو پھر حکومت کے زور سے ان کو پولوس کا مرید و معتقد بنا لینا زیادہ دشوار نہ تھا۔ پولوس کا دین ابتدائی تبلیغ کے وقت اگرچہ محض خیالاتی ہی خیالات پر حاوی تھا اور ہر امر کی پوری پوری آزادی دیتا تھا مگر ان آسانیون کے ساتھ بھی بت پرستی کو معدوم نہ کر سکا تھا۔ یہ صرف مذہبی حکومت اور راہبانہ خون ریزی کی برکت تھی جس نے بت پرستی ہی کو نہین بلکہ اُن قدیم مسیحی فرقون کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

نفطہ یا گریک فائر

دنیا میں بارود اور توپ بندوق کی ایجاد سے پہلے لوگوں کو آتش باری اور آتش فشانی کا ایک اور طریقہ معلوم ہو گیا تھا جسکے ذریعے سے دشمنوں پر آگ برسا دی جاتی تھی۔ عہد مسیحیت کے رومیوں اور یونانیوں کو یہ نسخہ معلوم ہو گیا تھا۔ اور اکثر محصور قلعوں سے محاصرہ کرنے والوں پر وہ نہایت ہی خوفناک آتش باری کر دیا کرتے تھے اس آگ کا نام ان لوگوں میں "آتش یونان" "آتش بحری" یا "آتش سیال" تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ کے عہد میں پہلے پہل جب عربوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا تو محصورین نے اسی آتش سیال کے ذریعے سے عربوں پر سخت آتش باری کر کے اُنھیں پسپا کر دیا تھا۔ اور اسی آتش فشانی سے مقام قای زیقوس کے قریب عیسائیوں نے عربوں کے ایک بیڑے کو جلا ڈالا۔

وہ ایک مرکب چیز تھی۔ جو لاکھ۔ رال۔ گندھک اور دیگر مشتعل اجزا کو ترکیب دے کے بنائی جاتی تھی۔ اسے "قالینیقوس" نام ایک مسیحی کیمیاگر نے شہنشاہ قسطنطینیہ قسطنطین پوگوناطوس کے عہد میں ایجاد کیا تھا۔ اس شہنشاہ کا عہد سنہ ۶۶۸ء مطابق سنہ ۴۸ھ سے شروع ہوا تھا جبکہ دمشق میں سریر خلافت اسلامی پر حضرت معاویہ رونق افروز تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسکی ایجاد اُس زمانے میں ہوئی جب عربوں نے پہلے پہل قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ اور اسی ضرورت سے ہوئی۔ لیکن اُسکے بعد پھر پتہ نہیں لگتا کہ عیسائیوں نے اس سے زیادہ کام لیا ہو۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آتش سیال کے نسخے کو بھی بھول گئے تھے۔ کیونکہ حروب صلیبیہ میں جب یورپ کی تمام قوموں اور سلطنتوں نے حملہ آوری کا کوئی ذریعہ نہیں اُٹھا رکھا تھا وہ اس آتش سیال سے بالکل ناواقف تھے۔ اور صرف قصہ کہانی کے طور پر اُنھیں اگلے زمانے کی "آتش یونان" کا نام یاد رہ گیا تھا۔

پھر جب ارض شام اور بیت المقدس میں مسلمانوں کے قلعوں سے ان پر آتش باری ہونے لگی تو بہت ہی گھبرا اُٹھے۔ اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر اُنھیں نظر نہیں آتی تھی۔ بڑے بڑے نائٹ اور شورما اس آگ کی پچکاریوں

اور ہانڈیون کو دور سے آتے دیکھ کے بھاگ گئے۔ کونے کونے مین چھپتے۔ اور گھبرا گھبرا کے سجدے مین گر کے پناہ مانگنے لگتے تھے۔ عکہ کے محاصرے مین جب قلعہ کی فصیل پر سے مسلمانون نے آگ برسانا شروع کی تو مدت کے بعد مسیحیون نے بگنا تھ جی کی رتھ کی طرح کے چار دو منزلے سہ منزلے چوبی برج بنوائے اور اُن پر اوپر سے نیچے تک مٹی وغیرہ کی کہگل کر دی تاکہ آگ سے مشتعل نہ ہو سکین۔ اور مسلمانون کی آتش سیال اُنپر موثر نہ ہو۔ لیکن عکہ ہی مین کوئی مسلمان ہوشمند موجود تھا۔ اس نے ایک ایسا عرق ایجاد کیا جو آگ سے مشتعل ہونے کے لیے زمین کا کام دے پھر آگ کی پچکاری پڑتے ہی بھڑک اُٹھے۔ چنانچہ اُس نے پچکاریون سے اُس عرق کو پھینک پھینک کے چارون بُرج بھگو دیے۔ جسے ایک فعل عبث تصور کر کے صلیبی پہلے تو قہقہے لگاتے رہے۔ لیکن برجون کے بھگو لینے کے بعد اُس نے جیسے ہی آتش سیال کی پچکاریان ماریں چارون بُرج یک بہ یک مشتعل ہو گئے۔ جتنے لوگ اُنپر چڑھے ہوے تھے جل مرے۔ اور وہ برج بھی جل کے خاک ہو گئے۔

مسلمانون مین اس آتش باری کا پتہ جناب معاویہ کے تھوڑے ہی زمانہ بعد سے چلتا ہے۔ ۷۱۰ء مطابق ۸۹ھ مین محمد قاسم نے جب سندھ پر حملہ کیا ہے تو عرب لڑائیون مین کثرت سے آتش باری کرتے تھے۔ یہان تک کہ سمجھتے تھے کہ عربون کے سوا کوئی اس فن کو جانتا ہی نہین۔ لیکن اس کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ ان دنون عرب اُسی نسخے کے ذریعے سے آتش باری کرتے تھے جو قسطنطنیہ مین ایجاد ہوا تھا یا اُن کا نسخہ دوسرا تھا۔

مسلمانون مین اس کا موجد ابن ناجس بتایا جاتا ہے۔ جس نے اسے خود ایجاد کر کے اُس کا نام "نفط" قرار دیا۔ ابن ناجس کا اصلی نسخہ کسی کو نہین معلوم ہے لیکن مسلمانون مین صلیبی لڑائیون کے زمانے مین جو آتش باری "نفطے" کے ذریعے سے کیجاتی تھی اُسکو آتش یونان کے پُرانے نسخے سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ بلکہ وہ روغن نفط کو جو بغداد کے قریب ملک عراق مین زمین سے بکثرت نکلتا تھا زیادہ قوی کر کے پچکاریون مین بھر بھر کے مارا کرتے تھے۔ یہ آتشین روغن جو آب "مٹی کے تیل" اور "پیٹرولیم" کے نام سے ساری دنیا مین پھیل گیا ہے۔ لوگون کو قدیم الایام سے معلوم تھا۔ اسکندر اعظم

جب بابل میں پہونچا ہے تو اُسے ایرانی شہر اقباطنہ کے قریب اور میڈیا کی سرحد پر اس روغن کا حال معلوم ہوا - جس کی نسبت تمام علمائے طبیعیین کا بیان تھا کہ بہ آسانی شعلہ پکڑ لیتا ہے اور سوا راکھ - سرکے - اور پیشاب کے کسی چیز سے نہیں بجھتا۔ سکندر کے سامنے اُس کی آزمایش بھی کی گئی - اُسکی مشعلوں کی ایک قطار میں آگ دیگئی - اور وہ بہت دیر تک مشتعل رہیں اور کسی طرح نہ بجھائی جا سکیں - اسکے بعد ایک مسخرے کے بدن میں یہ تیل ملا گیا اور اُس میں بھی آگ لگائی گئی - آگ کے مشتعل ہوتے ہی وہ بدحواس ناچنے اور اُچھلنے لگا - ہزار کوشش کی گئی کسی طرح آگ نہ بجھتی تھی - اور بڑی مشکلوں سے اُس غریب کی جان بچائی گئی -

لیکن باوجود اس کا پتہ لگ جانے کے قدیم الایام میں کبھی اس روغن سے لڑائی میں کام نہیں لیا گیا تھا - لڑائی میں کام لینے کی ایجاد کا سہرا ابن ماجس ہی کے سر ہے - ابن ماجس کا ٹھیک زمانہ تو ہمیں معلوم نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ عبد الملک کے مدتوں بعد ہوا ہے - جس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی پہلی صدی میں عرب جس ذریعے سے جہازوں میں آتش باری کرتے تھے وہ یونان والوں ہی کا نسخہ تھا - جسے اُنھوں نے اپنے ترقی کے دَور میں یونانیوں سے حاصل کرکے اپنا کر لیا - یہانتک کہ یونانی تو اُسے بھول گئے مگر عرب اُس سے کام لے رہے تھے -

پھر اسکے بعد جب ابن ماجس نے روغن نفط کو ایجاد کیا اور وہ بغیر زحمت کے کثرت سے دستیاب ہونے لگا تو اُنھوں نے پرانی "آتش یونان" کو چھوڑ کے اسی نفطے سے کام لینا شروع کیا - جسے کبھی زوردار پچکاریوں میں بھر کے قریب کے دشمنوں پر آتش باری کرتے۔ اور کبھی ہانڈیوں اور کُپّوں میں بھر کے بڑی بڑی منجنیقوں کے ذریعے سے پھینکتے جو گرتے ہی پھٹتے - اور جہاں گرتے وہاں آگ لگ جاتی -

درحقیقت عربوں کی یہ پچھلی آتش باری نہ "آتش یونان" نہ "بحر آتشین" اور نہ "آتش سیال" تھی لغوی حیثیت سے ممکن ہے کہ ان میں سے بعض نام اسپر منطبق ہو جائیں مگر اصل میں یہ وہ مسیحیوں کی "آتش یونان" ہرگز نہ تھی - لیکن چونکہ یورپ میں "گریک فائر" کا نام بہت متعارف تھا اس لیے وہ عموماً عربوں کی آتش باری کو بھی "گریک فائر" کہنے لگے -

پہلے یونانی موجد قانیچوس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے صرف تانبے کی پچکاریاں اور پھینکنے کی کلیں ایجاد کی تھیں ۔ اصل نسخہ لوگوں کو پہلے سے معلوم تھا ۔ لیکن یونانی مسیحی ابتدائً سمجھتے تھے کہ ہمارے سوا کوئی اُسے نہیں جانتا ۔ اور اسکے چھپانے کی بیجد کوشش کرتے ۔ مگر مسلمانوں نے اُن سے سیکھ ہی لیا ۔ اور یونانیوں کی بہ نسبت اس سے زیادہ کام لینے لگے ۔

ایک ہندو دربار مین مسلمان ایلچی

(۱)

۱۲ ۔ شعبان ۸۱۶ھ کو "مولانا کمال الدین عبدالرزاق ابن جلال الدین اسحاق" نام ایک بزرگ سمرقند مین پیدا ہوے تھے جن کے والد سلطان شاہ رُخ مرزا ابن امیر تیمور کے دربار مین قاضی اور امام تھے ۔ ۸۴۱ھ مین پدر بزرگوار نے سفر آخرت کیا تو خود شاہی دربار مین جگہ پائی ۔ چنانچہ سلطان مذکور نے اپنے آخر عہد یعنی ۸۴۵ھ مین انھین اپنا ایلچی بناکے جنوبی ہند مین بھیجا تھا ۔ اپنے اس سفر کا حال مولانائے ممدوح نے اپنی تاریخ "مطلع السعدین و مجمع البحرین" مین ذرا تفصیل سے لکھا ہے ۔ جس مین بہت سے دلچسپ واقعات ہین ۔ تاریخ مذکور کے اس حصے کو مسٹر ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند مین بعینہٖ ترجمہ کرکے داخل کرلیا ہے جس سے اخذ کرکے ہم مختصراً دلگداز مین شایع کرتے ہین ۔ دراصل وہ کالی کٹ کے راجہ ساموری کے پاس بھیجے گئے تھے ۔ مگر حسن اتفاق سے اُنھین بیجانگر مین جانے کا بھی موقع مل گیا ۔

بیجانگر کی سلطنت اُن دنون جنوبی ہند مین بڑی زبردست اور آن بان کی سلطنت تھی ۔ گلبرگہ کے بھمنیون کے زمانے مین اُس سے اور بھمنیون سے اکثر معرکہ آرائیان ہوئین اور بھمنیون کا اُسپر کوئی زور نہین چل سکا ۔ بھمنیون کے زوال سلطنت کے بعد جب جنوبی ہند مین تین مسلمان سلطنتین قائم ہوئین ۔ عادل شاہیون کی سلطنت بیجاپور مین ۔ نظام شاہیون کی احمدنگر مین اور قطب شاہیون کی گولکنڈہ مین ۔ تو ان تینون سلطنتون نے باہم اتحاد کرکے اُس ہندو سلطنت کو ایسا تباہ کیا کہ پھر نہ سنبھل سکی ۔ اور بیجانگر کے کھنڈر اُن تینون اتحادیون کی یادگار مین آج تک عبرت روزگار ہین ۔ لیکن

اسی ہندو سلطنت کے عروج کے زمانے مین علامۂ عبد الرزاق شاہ رُخ مرزا کے سفیر بن کے بیجا نگر گئے تھے۔

وہ کہتے ہین مین ۵ ۔ شوال کو کرمان سے چلا اور ماہ مذکور کے وسط مین بحر عمان کے کنارے بندرگاہ ہرمز مین پہونچا جو جیرون کہلاتا ہے۔ وہان کے والیِ ملک فخر الدین توران شاہ نے میری بڑی خاطر کی۔ ایک کشتی بھیج کے مجھے شہر ہرمز مین بُلوایا۔ رہنے کو مکان دیا اور تمام سامان دعوت و ضیافت مہیا کر دیا۔ شہر ہرمز بےمثل و بے نظیر ساحلی شہر اور تجارت کی عظیم الشان منڈی ہے۔ مصر۔ شام۔ روم آذربایجان۔ عراقین۔ فارس۔ خراسان۔ ماوراء النہر۔ ترکستان۔ دشت قپچاق ملک قلماق۔ اور نیز تمام مشرقی ممالک چین۔ ماچین۔ اور خان بالق کے سوداگر یہان جمع رہتے ہین۔ اور تمام ممالک ارض کا نادر اور قیمتی مال اپنے ساتھ لاتے اور لیجاتے ہین۔ مال کا بہت اچھا مبادلہ ہو جاتا ہے۔ قیمت کا دسوان حصہ سرکاری محصول کے طور پر اُنھین سلطنت کی نذر کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے شہر خوب رونق پر ہے اور ہر مذہب کے مقتدا اور صاحبان علم بھی جمع ہو گئے ہین۔ اور چونکہ یہان بہت ہی امن قائم ہے اس لیے عام لوگون مین اس شہر کا نام "دار الامان" مشہور ہو گیا ہے۔ اور باہمی میل جول نے عراقیون کی شائستگی اور ہندیون کی فروتنی کو ملا کے ایک نیا خوشگوار مزاج پیدا کر دیا ہے۔

دو مہینے مین یہان پڑا رہا۔ اور جب موسم موافق ہوا تو گھوڑون اور سامان کو مختلف جہازون مین لدوا کے روانہ ہوا۔ جہاز کے چلتے ہی میری یہ حالت ہو گئی کہ تین دن تک بیدم پڑا رہا۔ بس فقط سانس چلنے سے معلوم ہوتا تھا کہ مین زندہ ہون۔ جب ہوش مین آیا تو معلوم ہوا کہ خراب موسم آ گیا۔ اور ایسی حالت مین سفر کرنا زندگی سے ہاتھ دھونا ہے۔ چنانچہ تمام ہمسفرون نے دوسرے والے کے اور ناخدا کو سمجھا بجھا کے سقط مین جہاز ٹھہرا دیے۔ اور اسباب اُتار لیا۔ اور مین قریات نام ایک مقام مین جو سقط سے قریب تھا جا کے ٹھہرا۔ مگر اس بلا کی گرمی تھی کہ ماہ محرم ۸۴۶ھ ہجری مین میرے بڑے بھائی اور ہمراہی سب یہان بیمار پڑ گئے۔ دو مہینے وہین پڑے رہے (چنانچہ اسی جگہ مولانا کے بھائی مولانا عفیف الدین عبد الوہا

نے سفر آخرت کیا) اثنائے قیام مین سنا کہ شہر قلابات کے قریب ایک اور مقام کی آب و ہوا بہت معتدل ہے۔ باوجود ناتوانی کے کشتی پر بیٹھ کے وہان گیا۔ مگر جاتے ہی اور زیادہ بیمار ہو گیا۔

آخر بلا انتظار صحت ہندوستان کا سفر کر دیا۔ اور اٹھارہ شبانہ روز کی شناوری کے بعد جبکہ صحت عود کر آئی تھی مین جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ مین پہونچا۔ کالی کٹ پوری طرح امن و امان کی جگہ ہے۔ اور ہرمز کی طرح یہان بھی ملکون ملکون کے تجار کا مجمع رہتا ہے۔ اور حبشہ سے زیر باد اور تنجاور وغیرہ کا نہایت ہی نادر و بیش بہا مال آتا ہے۔ مکہ معظمہ اور ارض حجاز سے بھی جہازون کے آنے کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہ کافرون کا شہر ہے۔ لہذا اسکے فتح کرنے کا ہمین حق حاصل ہے۔ متعدد مسلمان بھی یہان رہتے ہین جنھون نے یہان دو عالیشان مسجدین تعمیر کر لی ہین جن مین جمعے کے دن نماز کو جمع ہوا کرتے ہین۔ اُن کا ایک قاضی بھی ہے اور علی العموم سب شافعی مذہب ہین۔ اس شہر مین حفاظت کا ایسا اچھا انتظام ہے۔ اور ایسی عدالت جاری ہے کہ دولتمند سوداگر کثرت سے مال تجارت لاکے یہان اُتارتے اور سڑکون اور بازارون مین لاکے رکھ دیتے ہین۔ اور بغیر اسکے کہ کسی کے سپرد کر دین چھوڑ کے چلے جاتے اور مدتون غائب رہتے ہین مگر ممکن کیا کہ کوئی ادنی چیز بھی غائب ہو جائے۔ عہدہ داران کرورگیری اُسے اپنی حفاظت مین لے کے اُس پر پہرہ مقرر کر دیتے ہین۔ اگر وہ فروخت ہو گیا تو اڑھائی روپیہ فی سیکڑا کے حساب سے محصول لے لیتے ہین ورنہ وہ کسی قسم کا تعرض نہین کرتے اور مال کو مال والے کے حوالے کر دیتے ہین۔ دیگر بندرگاہون مین معمول ہے کہ اگر کوئی اور جہاز جو وہان کے لیے نہ آیا ہو بہک کے یا طوفان کے تھپیڑون سے بہ کے وہان پہونچ جائے تو لوٹ لیا جاتا ہے۔ لیکن کالی کٹ مین چاہے کوئی جہاز ہو اور کہین کا ہو اسی طرح حفاظت سے رکھا جاتا ہے جس طرح اور جہاز رکھے جاتے ہین۔

الغرض مین کالی کٹ مین پہونچا تو مجھے یہان ایک عجیب قسم کی خلقت نظر آئی۔ انسانون کی ایسی صورتین نظر سے گذرین جیسی کہ ان آنکھون نے کبھی نہین دیکھی تھین۔ عجیب الخلقت لوگ جنھین نہ انسان کہ سکتے ہین نہ دیو زاد کہ سکتے ہین۔ خواب

مین بھی نظر آئین تو آدمی چونک پڑے اور برسون تک دل ہول کھاتا رہے۔ مین تو ماہ رُخ حسینون کا شیدا ہون۔ کسی کالی عورت پر میرا دل نہین آسکتا۔ یہان کے سیہ فام لوگ تقریباً ننگے سڑکون پر مارے مارے پھرتے ہین۔ صرف ایک دھوتی باندھے رہتے ہین جو ناف سے لے کے گھٹنون کے اوپر تک رہتی ہے۔ اُنکے ایک ہاتھ مین ایک سندھی خنجر (کھُجالی) ہوتا ہے اور دوسرے مین بیل کی کھال کی ڈھال۔ راجہ اور فقیر سب کی یہی وضع ہے۔ مگر مسلمان لوگ اہل عرب کے مثل قیمتی کپڑے پہنتے اور مختلف قسم کے تکلفات کا اظہار کرتے ہین۔

یہان پہونچتے ہی مین بہت سے ہندو مسلمانون سے ملا۔ ایک اچھے مکان مین ٹھہرا گیا۔ اور تیسرے دن لوگ مجھے راجہ کے دربار مین لے گئے۔ دوسرے ہندوؤن کی طرح وہ بھی مجھے ننگا نظر آیا۔ اس مقام کے لوگ راجہ کو "ساموری" کہتے ہین۔ اور جب وہ مرجاتا ہے تو اس کا جانشین اُس کا بھانجا یعنی بہن کا بیٹا ہوتا ہے (بیٹے کو ورثہ نہین ملتا) اسلحہ کے ذریعے سے سلطنت حاصل کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہین کرتا۔ یہان کفار کی مختلف ذاتین اور قومین ہین مگر سب بت پرست ہین۔ اور ہر قوم و ذات کا طور طریق اور رسم و رواج بھی جدا ہے۔ انھین مین ایک قوم ایسی ہے جس مین ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہین جو مختلف طبقون اور حرفون کے لوگ ہوتے ہین۔ اور عورت کی صحبت کے لیے شب و روز کے گھنٹون کو بانٹ لیا کرتے ہین۔ عورت کے پاس جب تک اُس کا ایک شوہر اپنے معینہ و مقررہ وقت مین رہتا ہے دوسرا شوہر نہین جا سکتا۔ خود ساموری (راجہ) بھی اسی قوم کا ہے (یہ نائر قوم کا حال ہے جو مدراس سے لے کے انتہائی جنوب تک آج بھی کثرت سے موجود ہے۔ اور اس زمانے مین بھی اس قوم کا یہی حال ہے)

اس زمانے مین سلطان شاہ رُخ کی شہرت تھی۔ اتفاقاً جونپور کے سلطان ابراہیم شرقی نے سلطان بنگالہ کی قلمرو مین تاخت و تاراج شروع کردی۔ سلطان بنگالہ نے اسکی شکایت ایلچی بھیج کے سلطان شاہ رخ سے دربار عجم مین کی۔ سلطان شاہ رُخ نے شیخ الاسلام خواجہ کریم الدین ابو المکارم جامی کو ایک خط دے کے جونپور بھیجا اور لکھا کہ "تم بنگالہ کی قلمرو پر تاخت و تاراج کرنے سے باز آؤ ورنہ برا ہوگا اور اسکے ذمے

تم ہو گئے۔ یہ ایسا زبردست حکم تھا کہ سنتے ہی ابراہیم شرقی اپنی دست بُردے باز آ گیا۔ سلطان شاہ رُخ کا جو سفیر بنگالے گیا تھا وہ واپسی کے وقت موسم کی مجبوری سے دو چار دون کے لیے کالی کٹ مین ٹھیر گیا۔ جس سے راجہ ساموری کو یہ قصہ اور اسکے ساتھ سلطان شاہ رخ کی عظمت معلوم ہوئی۔ چنانچہ سلطان مذکور کے خوش کرنے کے لیے راجہ کالی کٹ نے ایک قابل ومعزز مسلمان کو اپنے دربار کا خاص ایلچی بنا کے بہت سے نادر ہدیون اور نذرانون کے ساتھ سلطانی سفیر کے ہمراہ ہی اُسکے دربار مین بھیجا۔ اُسی سفارت کا جواب دینے اور معاوضہ کرنے کے لیے سلطان شاہ رُخ نے مولانا عبدالرزاق کو کالی کٹ بھیجا تھا۔ چنانچہ اُنھون نے راجہ کے دربار مین حاضر ہو کے سلطانی ہدایا جن مین گھوڑے۔ زنانی صدریان اور شلوکے۔ زربفت کے تھان۔ ٹوپیان وغیرہ تھین پیش کر دیے۔ سلطان نے ساموری کو جو خط مولانا کے ہاتھ بھیجا تھا اُس مین لکھا تھا "تم لکھتے ہو کہ ہماری دانائی اور نصیحت پر عمل کر کے ہماری خوشنودی حاصل کروگے تو مین نصیحت کرتا ہون کہ تم دین اسلام قبول کر لو تاکہ تمھارے تاریک دل سے بیدینی کی ظلمت دُور ہو جائے۔ اور نور ایمان کی شعاعین تمھارے سینے مین چمک اُٹھین گی"۔

غالبًا اسی تحریر کی وجہ سے ساموری نے مولانا کی سفارت کی زیادہ قدر نہین کی اور نہ اُن کی طرف جوش سے متوجہ ہوا۔ چنانچہ وہ برخاستہ خاطری کے ساتھ دربار سے واپس آئے۔ اور کہتے ہین کہ آخر جمادی الاُخریٰ سے ابتدائے ذیحجہ تک مین شہر مین مضطر و پریشان پڑا رہا۔ جو زمانہ کہ ہوم و آلام کا تھا۔ وسط ذیحجہ مین مین نے ایک رات خواب مین دیکھا کہ سلطان شاہ رُخ آئے ہین اور کہتے ہین "اب زیادہ پریشان نہ ہو" ساتھ ہی آنکھ کھُل گئی۔ اور مین کسی غیر مترقبہ فلاح کا منتظر ہو گیا۔ صبح کو ایک قابل شخص کے پاس گیا کہ اس خواب کی تعبیر پوچھون۔ ناگہان ایک شخص نے آکے کہا کہ راجۂ بیجا نگر نے جس کی سلطنت بڑی زبردست اور قلمرو نہایت وسیع ہے اپنے قاصد کے ہاتھ ساموری کے پاس ایک خط بھیجا ہے اور خواہش کی ہے کہ "تمھارے پاس خاقان سعید شاہ رُخ خان کا جو ایلچی آیا ہے اُسے فورًا میرے پاس روانہ کرو"۔ ساموری گو کہ راجۂ بیجا نگر کا ماتحت نہین ہے مگر ہمیشہ اُس سے ڈرتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ راجۂ مذکور

کی قلمرو مین کالی کٹ کی ایسی ایسی تین سو بندرگاہین ہین - وہ اندرونی ملک مین بھی قلمرو تین مہینے کی راہ تک پھیلی ہوئی ہے -

کالی کٹ سے شہر کائل تک جو کہ سراندیپ کے عین محاذی واقع ہے تمام ساحلی مقامات صوبۂ ملیبار مین شمار کیے جاتے ہین - یہان سے جو جہاز مکۂ معظمہ کو جایا کرتے ہین - اُن مین عموماً مرچ لدی ہوتی ہے - اہل کالی کٹ بڑے جہازران ہین - اور [illegible] سمندر چھین [illegible] کے لقب سے یاد کیے جاتے ہین - اسی سبب دریائی لوٹیرے کالی کٹ کے جہازون سے کبھی تعرض نہین کرتے - اور کالی کٹ مین ہر چیز دستیاب ہو جاتی ہے سوا اسکے کہ تم گاے کو نہین ذبح کر سکتے ہو - گاے کی یہ لوگ نہایت تعظیم کرتے ہین اور اپنی پیشانیون پر اُسکے گوبر کی راکھ کا ٹیکا دیتے ہین -

یہان سے علامۂ ممدوح اپنے سفر بیجانگر کا حال بیان کرتے ہین - فرماتے ہین کہ "مین کالی کٹ سے چلا اور بندرگاہ بندانہ کو طے کر کے شہر منگلور پہونچا - جو سمندر کے کنارے اور سلطنت بیجانگر کی سرحد ہے - منگلور مین دو تین دن قیام کر کے مین نے خشکی کا سفر شروع کیا - اور منگلور سے تین فرسنگ پر ایک ایسا عالیشان مندر دیکھا جس کی نظیر سے ساری دنیا خالی ہے - یہ دس گز لمبا اور دس گز چوڑا اور تقریباً پانچ گز اونچا ہے - نیچے سے اوپر تک سارا شوالہ ایک ڈھال پیتل کا ہے اور سونے کا ڈلا معلوم ہوتا ہے - چار زینے قائم کر کے اُن پر دیوتا کی مورت قائم کی گئی ہے جو پوری سونے کی ہے - انسان کی وضع پر بنائی گئی ہے - اور آنکھون کی جگہ دو لعل ایسی خوبی و نزاکت سے جڑے گئے ہین کہ ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے ہماری ہی طرف دیکھ رہی ہے -

اس مندر کی زیارت کر کے مین آگے بڑھا - ہر روز شام کو کسی شہر یا گانون مین منزل کرتا جو خوب آباد نظر آتا - اور صبح کو آگے کی راہ لیتا - درمیان مین ایک عظیم الشان پہاڑ اور گھنا جنگل پڑا - (یہ یقیناً مغربی گھاٹ ہے) جس کو قطع کر کے مین شہر بدرور (موجودہ بدنور) پہونچا - جسکے مکانات قصر و ایوان معلوم ہوتے ہین - اور جہان کی عورتین حسن و جمال مین گویا جنت کی حورین ہین - بدرور مین ایک عظیم الشان مندر ہے جو اس قدر بلند ہے کہ اُسے تم کئی فرسنگ کے فاصلے سے دیکھ سکتے ہو - اس مندر کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ شہر کے بیچون بیچ مین دس بیگہ زمین کا ایک مسطح تختہ چھوٹا ہوا ہے جس مین

چمن بندی ہے۔ وہ اس کثرت سے پھول لگے ہین کہ گویا باغ کھلا ہوا ہے۔ اس چمن کے عین وسط مین ایک قد آدم اونچا چبوترہ ہے جو اس خوبی و نفاست سے تعمیر کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا ایک ڈال پتھر کا ہے اور کہین جوڑ نہین۔ اس چبوترے کے بیچ مین ایک بلند عمارت ہے جس پر نیلے رنگ کا گنبد ہے۔ اس مین اوپر سے نیچے تک مورتون کی تین قطارین پتھر مین کھدی ہوئی ہین۔ سنگ تراشی مین کوئی انسانی کمال نہین باقی رہنے پایا ہے۔ اور چین و فرنگ کی نقاشی کا کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا گیا ہے۔ اس عمارت مین چار چھتین ہین۔ جن کا طول ۳۰ گز عرض ۲۰ گز اور بلندی ۵۰ گز کے قریب ہے۔ اس مندر مین شب و روز گانا بجانا اور ناچ ہوتا ہے اور لنگر جاری رہتا ہے۔ شہر مین جتنے لوگ رہتے ہین سب کو اس مندر سے وظیفہ اور روزینہ ملتا ہے۔ اس لیے کہ لوگ یہان دور دور سے آ کے قیمتی نذرانے چڑھاتے ہین۔

دو تین روز یہان قیام کر کے مین آگے بڑھا۔ اور ذی الحجہ کے ختم ہوتے بیجانگر پہونچ گیا۔ میرے آنے کی خبر سنتے ہی راجہ نے استقبال کے لیے ایک باڈی گارڈ بھیجا۔ یہ لوگ مجھے شان و شوکت اور عزت و احترام کے ساتھ شہر مین لے گئے۔ اور ایک اچھے اور آرام دہ مکان مین ٹھہرایا۔ یہان مین نے آ کے دیکھا تو مجھے نہایت ہی بڑا اور بہت آباد شہر نظر آیا۔ اور مین ایک ایسے راجہ کے دربار مین باریاب تھا جسکی عظمت و سلطنت دونون اعلیٰ درجے کی ہین۔ اسکی قلمرو سراندیپ سے حدود گلبرگہ تک اور بنگالہ سے ملیبار تک پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی مسافت ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ ہے۔ ملک کا زیادہ حصہ مزروعہ اور زرخیز ہے۔ اور تقریباً ۳۰۰۔ اچھے ساحلی شہر اسکے زیر علم ہین۔ ایک ہزار سے زیادہ ہاتھی راجہ کے فیل خانے مین ہین۔ اور گیارہ لاکھ فوج ہے۔ سارے ہندوستان مین کوئی راجہ اس کا ہم پایہ نہین۔ راجہ کے دربار مین برہمنون کی سب سے زیادہ قدر و منزلت ہوتی ہے۔ کتاب کلیلہ و دمنہ جس سے بہتر کوئی کتاب فارسی مین نہین غالباً اسی سرزمین کے عقلا کی لکھی ہوئی ہے۔

بیجانگر کا سا شہر دنیا مین نہ دیکھا گیا ہے اور نہ سنا گیا ہے۔ اس کی سات شہر پناہین ہین۔ بیرونی شہر پناہ کے گرداگرد تقریباً ۵۰ گز کا میدان چھوٹا ہوا ہے۔ جس مین قد آدم اونچی سلین اور چٹانین ایسی پیوستگی کے ساتھ گڑی ہوئی کھڑی ہین اور ایک دوسرے

کے متصل قائم کر دی گئی ہین کہ حریف کے پیدل ہون یا سوار کیسے ہی جانباز و جری ہون آسانی کے ساتھ دیوار شہر تک نہین پہونچ سکتے۔

اسکے بعد مولانا نے بیجانگر کو ہرات کے مشابہ بتا کے اُسکی ہر شہر پناہ اور اُسکے ہر حصے کو ہرات کی کسی قلعہ بندی یا کسی محلے سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہتے ہین کہ ساتوین حصار کے اندر راجہ کا محل ہے۔ بیرونی دیوار کے شمالی پھاٹک سے جنوبی پھاٹک تک پورے دو فرسنگ (ساڑھے سات میل) کی مسافت ہے۔ اور اتنی ہی مسافت مشرقی اور مغربی پھاٹکون کے درمیان ہے۔ پہلے دوسرے اور تیسرے حصارون کے درمیان مزروعہ کھیت۔ باغ۔ اور مکانات ہین۔ تیسرے حصار سے ساتوین تک دوکانین۔ بازار۔ اور نہایت گھنی آبادی ہے۔ راجہ کے محل کے قریب چار بازار ہین جو ایک دوسرے کے مقابل اور محاذی ہین۔ انھین مین سے جو بازار شمال کی جانب ہے اُس مین راجہ کا قصر ہے۔ ہر بازار کے سرے پر ایک بلند محراب دار دروازہ ہے اور اسی سے مل کے دوکانون کے آگے آگے دونون جانب عالیشان برآمدہ چلا گیا ہے۔ مگر راجہ کا محل شہر کی تمام عمارتون سے بلند اور زیادہ شاندار ہے۔ شہر کی دیوارین مربع نہین بلکہ گول دائرے کی وضع مین ہین۔ جو پتھر اور چونے سے بڑی مضبوطی کے ساتھ تعمیر کی گئی ہین۔ بازار بہت چوڑے اور لمبے ہین۔ اُنکی چوڑان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پھول والے اپنی دوکانون کے سامنے اونچے اونچے میز رکھ کے پھولون کا انبار لگاتے ہین۔ مگر باوجود اسکے کہ دونون جانب اس قسم کی میزین قائم ہین۔ بخوبی خرید و فروخت ہوتی ہے اور لوگ آسانی سے گذرتے ہین۔ مہکنے والے خوشبودار تازے پھول یہان ہمیشہ اور ہر وقت کثرت سے مل سکتے ہین۔ اور ضروریات زندگی کے لیے وہ اس قدر لازمی ہین کہ گویا بغیر اُنکے جینا دشوار ہے۔ ہر قسم کے مال اور سامان کی دُکانین ایک ہی جگہ اور قریب قریب ہین۔ اور جوہری سب طرح کے جواہرات علانیہ دُکانون مین رکھ کے فروخت کرتے ہین۔

اس دلفریب اور خوشنما حصۂ شہر مین جہان راجہ کا محل ہے بہت سے چشمے اور نہرین جاری ہین جو بڑی لطافت و صناعی کے ساتھ پتھرون کی جڑائی سے اور اُن پر خوب گھٹائی کر کے بنائی گئی ہین۔ راجہ کے محل کے داہنی جانب ”دیوان خانہ“ یعنے

وزیر کا دفتر ہے جو بہت بڑی عمارت ہے۔ اور ستونوں کی کثرت سے "چہل ستون" کہے جانے کے قابل ہے۔ اُسکے آگے ایک بلند برآمدہ ہے جو ۳۰ گز لمبا اور ۶ گز چوڑا ہے اور اُسکی کرسی قدآدم بلند ہے۔ اس مین محافظ خانہ ہے۔ یعنی دفتر کی مثلین جمع ہین۔ اور محرر بیٹھے کام کر رہے ہین۔

ان لوگون مین تحریرین دو قسم کی ہوتی ہین۔ ایک تو ناریل کے پتون پر جو دو گز لمبے اور دو اُنگل چوڑے ہوتے ہین۔ اور لوہے کی نوکدار سلائی سے اُن پر کھود کے لکھا جاتا ہے۔ روشنائی کی ضرورت نہین۔ مگر یہ تحریر تھوڑے ہی دنون مین ضایع ہو جاتی ہے۔ دوسرا انداز تحریر یہ ہے کہ کسی چیز پر کالک پھیر کے اُسکی زمین سیاہ کر لیجاتی ہے اور اُسپر پتھر کے قلم سے سفید حرفون مین لکھتے ہین۔ یہ طرز کتابت دیرپا بھی ہے اور پسند بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔

اُس ستونون والے دیوان خانے کے درمیان ایک بلند چبوترے پر ایک خواجہ سرا بیٹھا رہتا ہے جو "وناٹک" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تمام نظم و نسق کا افسر اعلیٰ وہی ہے۔ اور اُسکے چبوترے کے نیچے بہت سے گُرز بردار اپنے گرز تانے کھڑے رہتے ہین۔ جو کوئی شخص کسی غرض یا فریاد کے لیے آتا ہے وہ اُن گرز برداروں کی صفون سے گذر کے کوئی معمولی قسم کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ پھر زمین پر سر رکھ کے ادب سے زمین بوس ہوتا ہے۔ اور اُسکے بعد اُٹھ کے وہ اپنی غرض بیان کرتا ہے۔ جس پر غور کر کے وناٹک حسب قوانین مروجہ احکام جاری کرتا ہے۔ اور پھر اُن احکام کے اجرا مین کوئی قوت مزاحم نہین ہو سکتی۔ وناٹک جب یہان سے اُٹھ کے جاتا ہے تو لوگ اُسکے آگے کئی رنگین چھتر لے کے چلتے ہین۔ تُرہیان پھنکتی ہین۔ اور بھاٹ لوگ دونون جانب سے نغمۂ دعا سُناتے جاتے ہین۔

وناٹک کو جب راجہ سے ملنا ہوتا ہے تو اُسے قصر شاہی کے سات پھاٹک طے کرنا ہوتے ہین۔ جن پر شاہی پہرہ رہتا ہے۔ ہر ہر پھاٹک پر ایک ایک چھتر چھوٹ جاتا ہے۔ یہان تک کہ جب وہ ساتوین پھاٹک سے آگے بڑھتا ہے تو کوئی چھتر باقی نہین رہتا۔ وناٹک کا مکان راجہ کے محل کے پچھواڑے ہے۔ راجہ کے محل کے بائین جانب ٹکسال ہے جہان بہت قسم کے سونے کے سکے تیار ہوتے ہین۔ جن مین مناسب

سے کھوٹ ملا یا جاتا ہے - ان سکون مین سے ایک "وراہا" کہلاتا ہے جس کا وزن ایک مثقال کا ہے - دوسرا "پرتاب" کہلاتا ہے - جو قیمت مین آدھے وراہا کے برابر ہوتا ہے - تیسرا "فنام" کہلاتا ہے جو پرتاب کا دسوان حصہ ہے یعنی دس فناموں کا ایک پرتاب ہوتا ہے - فنام کا چلن بہت زیادہ ہے - ایک خالص چاندی کا سکہ بھی کثرت سے بنتا اور بہت مروج ہے جو "تار" کہلاتا ہے - چھ "تار" کا ایک فنام ہوتا ہے - اُس سے کم تانبے کا سکہ "جیتل" ہے - تین جیتلون کا ایک تار ہوتا ہے -

یہان کا معمول یہ ہے کہ تمام مالکان اراضی و کاشتکار ایک مقررہ وقت پر سرکاری مالگزاری لا کے یہین ٹکسال مین داخل کرتے ہین - اور جس کسی کو سرکار سے کچھ ملنا ہوتا ہے اُسے محاسب سے ایک پروانہ ٹکسال کے نام سے مل جاتا ہے جہان سے وہ رقم وصول کر لیتا ہے - سپاہیون کو ہر چوتھے مہینے تنخواہ ملتی ہے -

ملک اس قدر گھنا آباد ہے کہ آبادی کی تعداد کے متعلق کوئی رائے نہین قائم کی جا سکتی - راجہ کے خزانے مین کمرے اور تہ خانے خالص سونے کی سلون سے بھرے ہوے ہین - اور تمام اہل ملک کیا اعلیٰ اور کیا ادنیٰ حتیٰ کہ معمولی درجے کے بازاری لوگ بھی جواہرات اور سونے کا زیور کانون - گلے - بازوؤن - کلائیون اور انگلیون مین پہنے رہتے ہین -

دفتر وزارت کے محاذی فیل خانہ ہے - ملک مین راجہ کے بہت سے ہاتھی ہین - شہر کے پہلے اور دوسرے حصار کے فیمابین اور نیز آبادی کے شمالی و مغربی رُخون پر ہاتھیون کی تعلیم و پرورش کا محکمہ ہے جہان ہاتھیون کے چھوٹے بچے لا کے رکھے اور سدھائے جاتے ہین - راجہ کا ایک سفید ہاتھی ہے جو نہایت ہی بڑا ہے - اور اُسکی جلد مین جا بجا ۲۰ کے قریب رنگین دھبے ہین - یہ ہاتھی ہر صبح کو راجہ کے سامنے لایا جاتا ہے - اس لیے کہ یہان صبح صبح اُس کو دیکھنا نہایت ہی مبارک ہے - ہاتھیون کو دن بھر مین دو بار غذا دی جاتی ہے - اور پختہ مکانون مین رہتے ہین جن کی چھتین بہت ہی مضبوط ہوتی ہین - جو زنجیرین اُن کی گردن اور پیٹھ پر ہوتی ہین - وہ چھت کے شہتیر مین اٹکا دی جاتی ہین - اور اگلے دونون پاؤن مین بھی زنجیرین پڑی

رہتی ہین - اگر ایسی بندش نہ کی جائے تو وہ چھوٹ جائین

ہاتھیون کے پکڑنے کا یہ طریقہ ہے کہ جنگل مین جس راستے سے جنگلی ہاتھی پانی پینے کو جاتے ہین اُس راستے مین لوگ گڑھے کھود کے پھونس وغیرہ سے پاٹ دیتے ہین - جہان کسی ہاتھی کا پاؤن کسی گڑھے پر پڑ گیا - وہ اُسکے اندر جا پڑتا ہے اور پھر نہین نکلنے پاتا - دو تین دن تک تو کوئی اُس گڑھے کے قریب نہین جاتا - پھر ایک شخص جاکے اُسے نیزے سے دو چار کوچے دیتا اور مارتا ہے - ساتھ ہی ایک اور شخص نمودار ہوتا ہے جو اُس پہلے شخص سے نیزہ چھین کے پھینکدیتا اور اُسے مار کے بھگا دیتا ہے - پھر کھلانے کے لیے کوئی چیز چمکار کے ہاتھی کے سامنے ڈال کے چلا آتا ہے - یہی کارروائی روز ہوتی ہے - یعنی پہلے ایک شخص آکے ہاتھی کو مارتا پھر دوسرا اُسے بچاتا اور کھلاتا ہے - یہان تک کہ ہاتھی اُسے اپنا بچانے والا اور دوست سمجھ کے اُس سے مانوس ہو جاتا ہے - تب وہ قریب جاکے اُسے سہلاتا پیار کرتا اور اظہار محبت کرتا ہے - اور آخر پوری طرح مانوس بنانے کے بعد اُسے زنجیرین پنھاتا اور گڑھے مین سے نکال لاتا ہے -

ہندوستان کے راجہ ہاتھیون کے شکار کے شوق مین دو ایک مہینے جاکے جنگل مین رہتے ہین - اور جب کچھ ہاتھی ہاتھ آجاتے ہین تو بڑی خوشیان مناتے ہین - بعض اوقات ہاتھیون سے یہ کام بھی لیا جاتا ہے کہ مجرم اُنکے ذریعے سے قتل کرائے جاتے ہین - سراندیپ سے اکثر سوداگر ہاتھیون کو دُور دُور کے ملکون مین لیجا کے اُنکی بلندی کے مطابق زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہین -

ٹکسال کے مقابل کوتوال شہر کا دفتر ہے - اور کہا جاتا ہے کہ اسکے متعلق بارہ ہزار پولیس کے جوان ہین جن کی تنخواہ کا حساب بارہ ہزار فنام یومیہ پڑتا ہے - یہ رقم شہر کے چکلون اور کنچنیون کے ٹکس سے پوری کی جاتی ہے - اس موقع پر مولانا عبدالرزاق لکھتے ہین کہ ان بازاری عورتون کے مکانون کی شان و شوکت اور ان دلربا نازنینون کا حسن و جمال - اُنکے ناز و انداز - اور اُنکی دلبری کی چالین دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہین بیان نہین ہو سکتین اور بہتر یہی ہے کہ اس بارے مین خموشی اختیار کر لی جائے -

لیکن اس بھاگنے پر بھی مولانا سے رہا نہ گیا اور فرماتے ہین "تاہم اتنا بیان کر دینا

ضروری ہے ۔ ٹکسال کے عقب مین ایک قسم کا بازار ہے جو ۳۰۰ گز لمبا اور ۲۰ گز چوڑا ہے دونون جانب مکانات ہین اور اُن مکانون کے آگے جو زمین چھوٹی ہے اُس مین کرسیون یا بنچون کے عوض پتھر کے خوشنا چبوترے بنے ہین ۔ دونون جانب کے مکانون کے تُوکار پر شیرون ۔ چیتون اور دیگر حیوانون کی تصویرین بنی رہتی ہین ۔ظہر کے بعد ان مکانون مین سے ہرایک دروازے پر جو خوب ہی آراستہ ہوتے ہین کرسیان بچھا دی جاتی ہین ۔ اور اُن پر بازاری حسین عورتین آکے ناز و انداز سے بیٹھ جاتی ہین ۔ اُن کا لباس بہت بھاری اور قیمتی ہوتا ہے ۔ موتیون اور جواہرات کا زیور پہنے ہوتی ہین ۔ اور ہرایک کے سامنے دو یا ایک لونڈیان بھی کھڑی رہتی ہین ۔ جو لوگون کو عیش وعشرت اور لطف ومسرت کے لیے اپنی طرف بُلاتی ہین ۔ راہگیر انکو دیکھتے ہوے گذرتے ہین اور جسے پسند کرتے ہین اُسکے پاس جاتے ہین ۔ اب وہ بازاری عورتین تو اُس شخص کی دلداری مین مصروف ہو جاتی ہین اور اُنکے نوکرون کا یہ کام ہوتا ہے کہ یہان جو کچھ مال واسباب ہے اُس کی حفاظت کرین ۔ اگر کوئی چیز بھی گئی تو برطرف کردیے جاتے ہین ۔

شہر کی ساتوین شہرپناہون کے اندر ایسی بہت سی رنڈیان ہین جن کے محصول سے پولیس کی تنخواہ دی جاتی ہے ۔ پولیس والون کا یہ کام ہے کہ ساتون حصارون کے اندر جو کچھ واقعات پیش آئین یا جو حادثے ہون اُن سے بخوبی آگاہ رہین ۔ جو چیز کھو جائے یا چوری جائے اُسے ڈھونڈھ کے برآمد کرین ۔ اور اگر برآمد نہ کرسکے تو اُنپر جرمانہ کیا جاتا ہے ۔ میرے ایک رفیق نے کئی غلام یہان مول لیے تھے وہ بھاگ گئے ۔ جب اس کی رپورٹ کوتوال شہر کو کی گئی تو اُس نے حلقے کے محافظون کو جہان نہایت غریب ومحتاج لوگ رہتے تھے بُلا کے حکم دیا کہ اُن غلامون کی قیمت ادا کرو ۔ چنانچہ تحقیق کے بعد اُن غلامون کی جو قیمت ثابت ہوئی اُن سے وصول کرکے میرے رفیق کو دیدی گئی ۔

(۲)

مولانا کمال الدین عبدالرزاق فرماتے ہین " مین آخر ذیحجہ مین وارد بیجا نگر ہوا تھا ایک بلند عالیشان مکان مین ٹھہرایا گیا ۔ جہان پہونچتے ہی مجھے ایسا آرام ملا کہ سفر

کی تھکن سے نجات پائی۔ اور کئی دن تک ستاتا رہا۔ یہان تک کہ ماہ محرم کی پہلی تاریخ ہوئی اور مین گویا ایک پُرلطف شہر کی سیر کر رہا تھا اور ایک نہایت ہی عیش و آرام کے گھر مین مقیم تھا۔

یکایک ایک دن راجہ کا چوبدار آیا اور بتایا کہ مجھے حضور راجہ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ شام کے قریب محل مین گیا۔ اور حاضر دربار ہوتے ہی مین نے پانچ خولصورت گھوڑے اور دو کشتیان جن مین سے ہر ایک مین نو نو تھان دیباے دمشقی کے تھے نذر کین۔ اسوقت راجہ صاحب اپنے چہل ستون کے دیوان خانے مین بڑی شان و شوکت سے رونق افروز تھے۔ اور اُنکے دونون جانب برہمنون اور دیگر معززین دربار کا مجمع کثیر تھا۔ زیتونی رنگ کے اطلس کا لباس تھا اور گلے مین موتیون کا ایک مالا تھا جس مین ایسے اعلیٰ درجے کے اور بڑے بڑے موتی تھے کہ جوہری بڑی دشواری سے اُن کی قیمت کا اندازہ کرسکتے۔ رنگت گندم گون تھی اور کشیدہ قامت تھے۔ عمر کے لحاظ سے ابھی عنفوان شباب تھا۔ اسلیے کہ وہ سبزہ آغاز تھے اور ٹھڈی پر ابھی تک بال نہین نکلے تھے۔ ہر حال اُن کی صورت اور وضع قطع مین کوئی ایسی بات نہ تھی کہ حاضرین پر رعب پڑتا تھا۔

مین نذرانہ پیشکش کرنے کے بعد سر جھکا کے آداب بجا لایا۔ جس پر خوش ہو کے انھون نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا اور جو خط مین نے اپنے بادشاہ کی جانب سے پیش کیا تھا اُسے اپنے ہاتھ سے لے کے ترجمان دربار کے حوالے کیا۔ پھر مجھ سے کہا "اس بات پر میرا دل بہت خوش ہے کہ سلطان اعظم نے اپنا ایک سفیر میرے پاس بھیجا!" اسوقت مین کچھ تو ہوا بند ہونے کی وجہ سے اور کچھ اپنے کپڑون کے بوجھ سے پریشان اور پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ میری اس حالت پر ترس کھا کے راجہ صاحب نے ایک خطائی پنکھا جو اُنکے ہاتھ مین تھا میرے حوالے کر دیا۔ اسکے بعد لوگ ایک کشتی لائے جس مین رکھ کے مجھے پانون کی دو ڈھولیان ۳۰ مثقال کافور اور دیگر اشیاء دی گئین۔ جنھین لے کے راجہ سے رخصت ہو کے مین اپنی فرودگاہ پر آیا۔ کھانے کی عوض سیدھا یعنی بے پکی چیزین میرے لیے راجہ صاحب کے وہان سے روزانہ آتی تھین۔ جن مین دو مینڈھے۔ ۱۰ مرغیان۔ ۵ من چاول (من سے مراد

غالباً اُس زمانے کا کوئی چھوٹا وزن ہے) ایک من گھی - ایک من شکر اور دو اشرفیاں
ہوتی تھیں - ہفتے میں دو بار شام کے قریب میں راجہ کی باریابی سے سرفراز
ہوتا تھا - اس موقع پر مجھ سے راجہ صاحب اکثر خاقان سعید شاہ رخ مرزا کے
حالات دریافت کیا کرتے - اوہر حضوری میں مجھے پان - اُن کا سالہ - اور کافور
ملا کرتا - ترجمان کے ذریعے سے راجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا "تمھارے بادشاہ
سفیرون کو ساتھ کھلاتے اور اُنکے سامنے کھانا چُنواتے ہین لیکن یہان یہ غیر ممکن
ہے - اس لیے کہ مین اور تم ساتھ نہین کھا سکتے"

اس موقع پر قابل مصنف نے ہندوستان کے پان کا تذکرہ کیا ہے اُسکے کھانے
کی ترکیب بتائی ہے - اُسکے فوائد اور لذت بتائی ہے - اور لکھا ہے کہ علاوہ دیگر منافع
کے پان مقوی بھی بہت زیادہ ہے - اور غالباً یہی سبب ہے کہ راجہ کے رنواس مین
سات سو کے قریب رانیان اور حرمین ہین - کوئی لڑکا جس کی عمر دس سال سے
زیادہ ہو محل کے اندر نہین جانے پاتا - اور ہر رانی اور حرم کے متعلق ماماؤن
کہاریون وغیرہ کا خاص عملہ ہے - محل مین دو رانیان ایک مکان مین نہین رہ
سکتین - بلکہ ہر ایک کا مکان اور اُسکے ساتھ پکانے والیان کہاریان اور چھوکریان
سب جدا مقرر ہین - قلمرو مین جب کوئی حسین و پرجمال لڑکی نظر آتی ہے تو ماں
باپ کو راضی کرکے خرید لی جاتی ہے - جسکے بعد وہ بڑے تزک و احتشام سے حرم
مین لاکے داخل کی جاتی ہے - پھر اُسے کوئی نہین دیکھ سکتا - اور اُس کا بہت
خیال رکھا جاتا ہے -

یہان آنے سے پہلے جب مین کالی کٹ مین پڑا ہوا تھا بیجانگر مین ایک عجیب
واقعہ پیش آیا - مہاراجہ صاحب کے بھائی نے ایک نیا محل تعمیر کرایا تھا جب
وہ تیار ہو گیا تو مہاراجہ - اُسکے وزیرون - درباریون - اور معززین شہر کی دعوت
بڑی دھوم دھام سے کی - سارے شہر کے نقارے - جھانجھ اور تُرہیان بجانے والے
جمع کیے کہ جب کوئی مہمان کھانے کے کمرے مین داخل ہو زور و شور سے بجایا کرین -
سارے امرائے شہر اور کُل ارکان دولت اور جاگیردار ایک بڑے ہال مین جمع تھے
مگر چونکہ ہندوؤن مین لوگ ایک ساتھ بیٹھ کے نہین کھا سکتے اس لیے ہر امیر علیحدہ علیحدہ

اُٹھا اُٹھا کے اندر چوکے میں لے جایا جاتا اور جیسے ہی وہ اندر قدم رکھتا دو شخص آ کے اُسے تلواروں سے کاٹ ڈالتے۔ اور باجوں کے شور و ہنگامے میں کسی کی چیخ پکار کی آواز بھی نہ سُنی جاتی۔ اس طرح سارے درباری اکثر معززین شہر اور تمام افسران فوج ایک ایک کرکے قتل ہو گئے اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ سب کے بعد بے مہر بھائی خود راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "اب حضور غریب خانے پر رونق افروز ہو کے ہماری عزت افزائی فرمائیں" چونکہ راجہ کی زندگی تھی اور خدا کو اُس کی جان بچانا تھی اس لیے کہنے لگا "اس وقت میری طبیعت نہیں اچھی ہے۔ میں نہیں آ سکتا۔ تم اور سب لوگوں کو کھلا دو" بھائی کے اصرار پر جب راجہ نے کسی طرح نہ قبول کیا تو وہ خنجر نکال کے جسے چھپا کے لیے گیا تھا جھپٹ پڑا اور راجہ پر کئی حربے کرکے اسے اس طرح ڈھکیلا کہ وہ بے دم ہو کے تخت کے پیچھے جا گرا۔ راجہ کو گرتے دیکھ کے دغاباز بھائی سمجھا کہ وہ مر گیا۔ لیکن اسپر بھی اپنے ایک سازشی کو اُدھر بھیجا کہ اُسکی لاش کو قیمہ قیمہ کر دے اور اسکا سر کاٹ لائے۔ یوں اپنا پورا اطمینان کرکے وہ محل کے دروازے پر آیا۔ اور تمام لوگوں سے پکار کے کہا "میں نے راجہ۔ اُسکے بھائیوں۔ امیروں۔ وزیروں اور سارے فوجی افسروں کو قتل کر ڈالا۔ اور اب میں تمہارا بادشاہ ہوں"

اُدھر وہ شخص جو راجہ کا سر کاٹنے کو گیا تھا جب تخت کے پیچھے اُسکے قریب گیا تو راجہ جو در اصل مرا نہ تھا بلکہ بیدم ہو کے گر پڑا تھا سنبھل بیٹھا اور اپنی تلوار سے اُس پر ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ اُسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ اتنے میں راجہ کا ایک جان نثار دوست بھی آ گیا جس نے اپنی تلوار سے اُس کا کام بالکل تمام کر دیا۔ اور راجہ اور وہ دونوں زنانے محل میں سے ہو کے باہر نکل گئے۔

اب راجہ کا غاصب اور غدار بھائی ہر طرف سے مطمئن ہو کے عدالت میں اجلاس کر رہا تھا اور لوگوں سے اپنی بادشاہی کا عہد لے رہا تھا کہ یکایک راجہ نمودار ہوا جس نے مجمع میں آتے ہی باآواز بلند کہا "دیکھو میں زندہ موجود ہوں۔ اس قاتل بدمعاش کو فوراً گرفتار کر لو" اس آواز کے ساتھ ہی تمام حاضرین دربار فدا، مدعی سلطنت پر جھپٹ پڑے اور دم بھر میں کاٹ کے ڈال دیا۔ اب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ

سارے اعزائے شاہی تمام اخوان السلطنت اور کل وزرا و امرا قتل ہو چکے تھے۔ سوا راجہ کے دنائک کے جو اتفاق سے سیلان مین گیا ہوا تھا۔ وہ فوراً آدمی بھیج کے بلوایا گیا۔ اور جتنے لوگ اس سازش مین شریک تھے طرح طرح کے عذابون سے قتل کیے گئے اور اس آفت سے راجہ کے زندہ بچ جانے پر مہانومی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔

اس تقریب کے موقع پر مولانا عبد الرزاق بیجا نگر مین موجود تھے۔ کہتے ہین کہ تمام اعیان سلطنت امرائے شاہی اور روسائے اضلاع کو راجہ کی طرف سے حکم گیا کہ مہانومی کے دن رجب کی ۱۴۔ (ستمبر ۱۴۴۲ع) کو سب لوگ در دولت پر حاضر ہون۔ بڑے بڑے زمیندار اور حکام ساری قلمرو سے جو تین مہینے کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھی بڑے بڑے لشکرون اور ہزارون ہاتھیون کے ساتھ نوبت نقارے بجاتے ہوے آ کے بیجا نگر مین جمع ہوے۔ ان ہاتھیون کی پیٹھون پر خوبصورت ہودے تھے جن مین روغن نفت کی پچکاریان مارنے اور آگ برسانے والے سوار بیٹھے ہوے تھے اور ان ہاتھیون کی سونڈون مسکون اور کانون پر عجیب عجیب قسم کے رنگ برنگ نقش و نگار بنائے گئے۔ اس تاریخ بیجا نگر مین اتنا کثیر التعداد لشکر اور اتنے ہاتھی جمع ہو گئے تھے کہ عرصۂ حشر کا سمان بندھ گیا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ بیجا نگر کا راجہ کیسی عظمت و جبروت کا راجہ ہے۔

خاص مہانومی کے دن ایک خوبصورت میدان مین خوشنما اور نظر فریب کوشکین یا برج قائم کیے گئے تھے جو زمین سے دو یا تین زینے بلند تھے جن پر چوٹی سے نیچے تک انسانون اور ہر قسم کے جانورون کی تصویرین نہایت ہی لطافت و نزاکت سے بنائی گئی تھین۔ ان مین سے بعض برجون کی تعمیر مین یہ صنعت رکھی گئی تھی کہ چکر کھاتے تھے۔ اور ان کی گردش سے ہر وقت نظر کے سامنے تصویرون کا ایک نیا نقشہ ہو جایا کرتا تھا۔ میدان کے سامنے ایک بہت ہی بڑی عالیشان اور نومنزلی عمارت تھی جس مین ہر طرف ستون تھے اور جو نہایت ہی اہتمام اور کمال نزاکت کے ساتھ آراستہ کی گئی تھی۔ اسکے سب سے اونچے اور نوین درجے پر راجہ کا تخت تھا۔ اس عمارت کے ساتوین درجے پر کمال مرحمت سے مجھے جگہ دی گئی جہان میرے

اور میرے ہمراہیوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس شاہی ایوان اور اُن کوشکوں کے درمیان کا حصۂ زمین خوب مسطح کر کے نہایت ہی خوبی کے ساتھ سجا اور آراستہ کیا گیا تھا۔ یہاں ہر وقت ارباب نشاط کا مجمع رہتا۔ حسین و نازنین اور جوشِ شباب میں ڈوبی ہوئی دلرباؤں کے طائفے مجرے کو حاضر تھے۔ یہ سب راجہ کے سامنے ایک پردے کے پیچھے تھیں۔ یکایک دونوں جانب سے پردہ اُٹھ گیا اور اُن نازنینوں نے عجب دلربائی و ناز آفرینی کی حرکات سے نزاکت کے ساتھ قدم اُٹھا اُٹھا کے ناچنا شروع کیا اور تمام حاضرین بیخود ہو گئے۔

اس موقع پر نٹوں اور مداریوں نے اپنے کرتب دکھائے۔ جن میں یہ امور قابل حیرت تھے۔ موٹی موٹی کڑیوں اور دھنیوں کو جوڑ کے ایک منبر سا بنایا گیا جس کا ہر درجہ ایک گز کا تھا۔ اور مجموعی بلندی دس بارہ گز کے قریب تھی۔ اس منبر پر ایک بڑا ہاتھی چڑھایا گیا۔ دھنیوں کا عرض ہاتھی کے پاؤں سے کم تھا مگر وہ ہوشیاری کے ساتھ اوپر تک چڑھ گیا۔ اور وہاں پہونچ کے گانے والیوں کی لے پر ناچنے اور گت پر سونڈ ہلانے لگا۔ اسی طرح بڑی بھاری ترازو بنائی گئی جس میں ایک جانب پلڑے پر ایک ہاتھی کھڑا کیا گیا اور دوسرے پلڑے پر اتنے ایک پتھر رکھے گئے کہ ہاتھی والا پلڑا اُٹھ کے بہت بلندی پر پہونچ گیا۔ اور وہاں اُس پلڑے پر سے ناچنے کودنے اور سونڈ ہلانے لگا۔ اور کچھ دیر تک ہاتھی والا پلڑا اونچا نیچا ہوتا رہا۔

اسی طرح اور کرتب دکھائے گئے۔ اور تین دن تک یہ جشن طرب قائم رہا۔ صبح سے شام تک روز ایسے ہی لطف اور تماشے نظر آتے اور رقص و سرود کی محفل گرم رہتی۔ راجہ نے تمام ارباب نشاط اور بازیگروں کو انعام و اکرام اور جوڑے عطا فرمائے۔ تیسرے دن جبکہ برخاست کا وقت قریب تھا مجھے باریابی کا موقع دیا گیا۔ میں تخت کے سامنے مودب کھڑا ہو گیا۔ تخت شاہی بہت بڑا اور سونے کا تھا۔ جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور اُسکی تیاری میں نہایت نزاکت اور اعلیٰ درجے کی صنعت دکھائی گئی تھی۔ دیکھتے ہی دل کو یقین ہو جاتا کہ ایسا کام سوا ہندوستان کے اور کسی مملکت میں نہ بن سکے گا۔ تخت کے آگے ایک زیتونی رنگ کے اطلس کا گاؤتکیہ تھا جسکے گرد بے بہا موتیوں کی چار لڑیاں ٹکی ہوئی تھیں۔ اس جشن میں تین دن تک اسی تخت پر

گاؤ سے لگا بیٹھا تھا۔ اور جب تقریب اختتام کو پہونچی تو اُس نے تیسرے دن مغرب کے وقت اپنے اس ادنیٰ خادم کو (مجھے) بار یابی کی عزت دی۔ مین جب تخت گاہ مین پہونچا تو دیکھا کہ تقریبًا دس گز کا اونچا ایک مربع چبوترہ ہے۔ اُس کی چھت اور در و دیوار مین سونے کے پترون سے نقش و نگار بنائے گئے ہین۔ جن مین پھولون کی جگہ جواہرات جڑے ہین۔ اور پترا تنے گندہ اور موٹے ہین جتنی تلوار کی پُشت کا دَل ہوتا ہے۔ جوگُل بوٹون کی وضع مین کاٹ کے سونے کی میخون سے در و دیوار اور چھت مین جڑے گئے ہین۔ اُن مین طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہین۔ اور اُسپر راجہ شاہانہ وقار سے رونق افروز ہے۔ اس موقع پر اُس نے مجھ سے سلطان شاہ رُخ مرزا اُس کے امرا و اہل دربار کے حالات اُسکے لشکر اور اُسکے گھوڑون کی تعداد دریافت کی۔ سمرقند۔ ہرات۔ اور شیراز کے حالات و عجائبات پوچھتا رہا۔ میرے حال پر نہایت مہربانی کی۔ اور کہا "مین عنقریب چند ہاتھی۔ کچھ خواجہ سرا۔ اور یہان کے بہت سے نادر ہدیے ایک ہوشیار ایلچی کی معرفت تمھارے سلطان کے پاس بھیجنے والا ہون۔"

اسی صحبت مین حاضرین دربار مین سے کسی نے مترجم کے ذریعے سے پوچھا "یہ چانفیس سوزن کار قالین جو بچھے ہوے ہین تمھارے وہان بھی تیار ہو سکتے ہین؟" مین نے کہا "ممکن ہے کہ ایسے ہی اچھے وہان بھی بن سکین مگر ایسی چیزون کے بننے کا ہمارے یہان رواج نہین ہے۔" راجہ نے میرے اس جواب کو بہت ہی پسند کیا اور مجھے کچھ نقد انعام پایا۔ اور راجہ کے خاصے کے کچھ میوہ جات عطا ہوے۔

اسی زمانے مین راجۂ بیجانگر اور سلطان گلبرگہ علاءالدین احمد شاہ بہمنی سے لڑائی چھڑ گئی۔ سلطان مذکور نے جب یہ خبر سنی کہ راجہ کے بھائی نے دغابازی کر کے تمام وزیرون اور سرداران فوج کو قتل کر ڈالا۔ تو بہت خوش ہوا۔ اور یہ خیال کر کے کہ آج کل راجہ بیجانگر کمزور اور بدست دیا ہو رہا ہے ایک سفیر بھیج کے راجہ سے سات لاکھ اشرفیان طلب کین۔ راجہ اس پر بہت برہم ہوا اور کہا "چند آدمیون کے مار ڈالے جانے سے مین کمزور نہین ہو سکتا۔ پھر یہ روپیہ کیون دون؟" اسکے ساتھ ہی

دونوں طرف سے فوجکشی ہوگئی۔ راجہ نے اپنے قابل وزیر دنائک کو سپہ سالار بنا کے میدان جنگ میں بھیجا جو فتحیاب ہو کے گلبرگہ کی قلمرو میں تاخت وتاراج کرکے اور اپنے ساتھ بہت سے اسلامی قلمرو کے اسیروں کو لے کے واپس آیا۔ دنائک کی غیبت میں راجہ نے چند روز کے لیے "ہبا نوریر" نام ایک اور شخص کو وزیر کا قائم مقام مقرر کر دیا تھا۔ یہ نہایت ہی نالائق اور مغرور و متکبر شخص تھا۔ مجھے جو یومیہ خوراک ملا کرتی تھی اُس نے با اختیار ہوتے ہی موقوف کر دی۔ مگر جب دنائک فتح کرکے واپس آیا اور انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا تو میری خوراک بند کرنے پر اُس نے "ہبا نوریر" کو بہت سرزنش کی۔ اور اُسکی عوض خزانے کے نام سات ہزار فنام کا ایک چک میرے پاس بھیجدیا۔

انھیں دنوں شہنشاہ دہلی کے پاس سے خواجہ جمال الدین نام ایک بزرگ ایلچی بن کے آئے تھے۔ میری نسبت بندرگاہ ہرمز کے رہنے والے بعض حاسدوں نے مشہور کر دیا کہ میں سلطان شاہ رخ مرزا کا بھیجا ہوا نہیں ہوں بلکہ آپ ہی آپ اُن کا سفیر بن گیا ہوں۔ یہ بات راجہ کے کان تک بھی پہونچی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ کا جو ارادہ تھا کہ مجھی کو اپنی سفارت کے خلعت سے سرفراز کرکے مرزا شاہ رخ کے دربار میں بھیجے پورا نہ ہوا چنانچہ مجھے رخصت کرتے وقت اُس نے مجھ سے کہا "لوگ کہتے ہیں کہ تم سلطان شاہ رُخ مرزا کے سفیر نہیں ہو۔ اگر یہ شبہہ نہ پڑ گیا ہوتا تو میں تمھاری بڑی عزت کرتا۔ لیکن اگر کبھی تمھارا دوبارہ آنا ہوا اور مجھے اس بات کا یقین بھی ہو گیا کہ تم خاص سلطان کے بھیجے ہوے ہو تو یہاں تمھاری ویسی ہی قدر و منزلت کی جائیگی جیسی کہ میری سلطنت اور میرے رتبے کے شایان ہے۔" اسکے بعد بس رخصت ہو کے واپس روانہ ہوا۔ اور میرا یہ سفر ختم ہوا۔

دریاے نیل کا منبع

یعنی وہ مقام جہاں سے دریاے نیل نکلا ہے۔ آج کل جغرافیہ دان اگرچہ نیل کے منبع تک نہیں پہونچ سکے مگر پھر بھی جانتے ہیں کہ افریقہ کی اُس مشہور اور سب سے بڑی جھیل سے نکلا ہے جسے موجودہ جغرافیہ دانان انگلستان "وکٹوریہ لیک" (وکٹوریہ جھیل) کہتے ہیں

جہاں سے چار ہزار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد دریائے نیل بہت سے دھاروں
پر بٹ کے شمالی سواحل مصر پر بحیرۂ روم میں گرا ہے -
اگلے زمانے میں دریائے نیل کے منبع اور اصلی سرچشمے کی اکثر لوگوں کو جستجو تھی -
اور چونکہ اُن دنوں ارض حبشہ کے ناپیدا کنار دشت میں گھسنے کی کسی کو جراءت
نہ ہوتی تھی اس لیے کسی جغرافیہ نویس کو اس دریا کے اصلی سرچشمے کا پتہ نہ لگ سکا -
بے علمی اور نا واقفیت ہمیشہ طرح طرح کے خیالات پیدا کیا کرتی ہے - چنانچہ دریائے
نیل کے متعلق بھی بہت سی لایعنی باتیں مشہور ہو گئیں - اس پر طرہ یہ ہے کہ نہروں اور دریاؤں
سے چونکہ زمین شاداب اور زرخیز ہو جاتی ہے - روئیدگی کی برکت سے قسم قسم کے پھول
کھلنے طرح طرح کے پھل لگتے - اور دنیا میں جنت کی نزہت و دلکشی پیدا ہو جاتی ہے -
اس لیے احادیث میں بعض دریاؤں کی نسبت کہہ دیا گیا کہ وہ جنت سے آئے ہیں
اور حقیقت میں وہ جنت ہی کی سی برکتیں ہیں - مگر نیل کے اصلی مرکز کے نہ معلوم ہونے
اور اس کے جنت کی ندی ہونے کے خیالات نے اس لاعلمی کے پردے میں عجیب
کرشمے پیدا کر دیے -

قرآن مجید اور سچی حدیثوں میں بہت کم ایسے واقعات ہیں جو عقل سے باہر اور
بے سر و پا ہوں - مگر جب مسلمانوں میں احادیث کے سننے اور دینی روایات کی جستجو کا
شوق پیدا ہوا تو بہت سے راویوں نے اُن واعظوں کی طرح جو عجیب و غریب
کرشمے سُنا سُنا کے سامعین کو متحیر و محظوظ کیا کرتے ہیں - ایسی روایتیں تصنیف کرنا یا
ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے نکالنا شروع کر دیں جو سامعین کی سمجھ سے بالا ہوں اور اُن پر
معجزات اور خوارق عادات کا اثر ڈالیں -
تصنیف کی بھی زیادہ ضرورت نہ تھی - اس لیے کہ یہود میں توراۃ کے علاوہ
ایسی بے سر و پا روایات کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ موجود تھا - اور چونکہ صحابہ میں سے
کئی بزرگ یہودی الاصل اور روایات یہود سے واقف تھے اس لیے تابعین کے
زمانے سے یہودی روایات کا بیان کیا جانا شروع ہو گیا جو "اسرائیلیات" کہلاتی تھیں
بعض واقعات قرآن و توراۃ دونوں میں مذکور تھے لہذا قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کی حیثیت سے اس قسم
کی روایتیں بیان کی جانے لگیں اور لوگ انکو دلچسپی سے سننے لگے

سچ یہ ہے کہ اس بے احتیاطی کی نقالی نے تفسیر و حدیث کے فنون کو بڑا نقصان پہونچا دیا۔ حدیث مین جرح و تعدیل کے قوانین نے اگرچہ بہت کچھ روک تھام کی مگر چونکہ صحابہ ہی کے عہد سے روایات بیہودہ اخذ کرنے کا طریقہ جاری ہوگیا تھا اسلیے شک نہین کہ صحیح الروایت احادیث مین بھی ایک معتد بہ حصہ اسرائیلیات کا موجود جو اگر اُن ائمۂ دین کی جانب منسوب نہ ہوتا جن سے سنا گیا ہے تو ہرگز قابل اعتبار نہ ہوتا۔ لیکن اسپر بھی ہمین یقین ہے کہ اصول حدیث کے مطابق اگر پوری طرح تنقیح کی جائے تو مہمل ولایعنی اسرائیلیات کا بہت ہی کم حصہ باقی رہ جائیگا۔

انھین مزخرف ولایعنی روایات مین سے ایک روایت دریاے نیل کے سرچشمے اور اصلی منبع کی تحقیق مین ہے جو اصول روایت سے چاہے جس قدر ساقط الاعتبار ہو۔ مگر گذشتہ بارہ صدیون مین اکثر علما اور ائمۂ دین کے نزدیک مسلمانون کا جزو دین بنی رہی ہے۔ یہ ہم مانتے ہین کہ محققین نے ایسی مزخرف روایت کو کبھی نہین مانا لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ غلبہ اسکے ماننے والون ہی کو حاصل رہا۔

ابو صالح عبداللہ بن صالح بن محمد کاتب لیث بن سعد کہتے ہین "مجھے روایت پہونچی ہے کہ عیص بن اسحٰق بن ابراہیم کی نسل مین ایک شخص تھا جو حائذ کے نام سے مشہور تھا اور ابو شالوم بن عیص بن اسحٰق کا بیٹا تھا۔ کسی بادشاہ کے خوف سے وہ اپنے وطن سے بھاگ کے ارض مصر مین پہونچا۔ اور سالہا سال وہان مقیم رہا۔ یہان دریاے نیل کی عجیب عجیب باتین دیکھ کے اُس نے قسم کھائی اور عہد کرلیا کہ نیل کے سرچشمے کا پتہ لگانے کے لیے جہان تک زمین ملے گی مین اُس کے کنارے ہی کنارے چلا جاؤن گا چاہے اس کوشش مین مر ہی کیون نہ جاؤن۔ اپنے اس عہد کے مطابق وہ نیل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ بعض کہتے ہین کہ تیس سال تک اور بعض کہتے ہین کہ پندرہ سال تک برابر چلا گیا۔ یہان تک کہ بحر اخضر (دریاے سبز) کے کنارے پہونچا۔ اور کیا دیکھتا ہے کہ دریاے نیل اُس سمندر کے پانی کو کاٹ کے برابر بہتا چلا آتا ہے۔ اب وہ اُس سمندر پر چلا۔ وہان کیا دیکھتا ہے کہ سیب کے ایک درخت کے سائے مین ایک شخص کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے (شاید اس سمندر مین کوئی جزیرہ ہوگا) اُس شخص نے ایک اجنبی کو دیکھ کے سلام کیا۔ اور پوچھا "آپ کون ہین" اُنھون

نے کہا" حائذ بن ابی شالوم بن عیص بن اسحق بن ابراہیم - اور آپ فرمائیے کہ آپ کون ہین؟" اُس نے کہا" مین عمران بن عیص بن اسحق (تمھارا چچا) ہون مگر یہ بتاؤ کہ تمھارا یہان آنا کیونکر اور کس لیے ہوا؟" کہا" مین تو دریاے نیل کا سرا ڈھونڈھنے کو آیا ہون - مگر تمھارا آنا کیونکر ہوا؟" جواب دیا کہ" جس لیے تم آئے ہو اُسی لیے مین بھی آیا ہون - مگر جب یہان پہونچا تو خداوند جل وعلا نے وحی بھیجی کہ جب تک مین حکم نہ دون یہین ٹھہرے رہو" اب حائذ نے کہا" اچھا آپ کو نیل کے جو کچھ حالات معلوم ہوے ہون مجھے سنائیے - اور بھلا کتابون مین آپ نے کہین دیکھا ہے کہ نسل آدم مین سے کوئی شخص دریاے نیل کے سرچشمے تک پہونچ سکے گا یا نہین؟" عمران نے کہا" ہان مجھے معلوم ہوا ہے کہ عیص بن اسحق کی نسل کا ایک شخص پہونچ سکے گا - اور اے حائذ میرے خیال مین وہ تمھارے سوا کوئی دوسرا نہین ہے" یہ سُن کے حائذ نے خوش ہو کے کہا" ایسا ہے تو پھر مجھے وہان کا راستہ بتلایئے" عمران بولا" بتا دون گا مگر پہلے تمھین مجھ سے ایک شرط کرنا ہو گی" حائذ نے کہا" آپ کی جو شرط ہو فرمایئے" کہا" جب تم دریاے نیل کے منبع اور سرچشمے کو دیکھ کے واپس آؤ تو اگر مین زندہ ملون تو اُس وقت تک میرے ہی پاس ٹھہرے رہو جب تک حضرت باری تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعے سے کوئی حکم دے - یا مجھے اپنے پاس بُلا لے - آخر الذکر صورت مین دفن کر کے چلے جانا - اور اگر واپس آ کے تم مجھے مردہ پاؤ تو ٹھہرنے کی ضرورت نہین ہے مجھے آغوش لحد کے سپرد کرنا اور اپنی راہ لینا" حائذ نے کہا اس شرط کو بسر و چشم بجا لاؤن گا" یہ اطمینان بخش جواب سُن کے عمران نے کہا" تو جس طرح اس سمندر کو طے کرتے ہوے آئے ہو آگے چلے جاؤ، آگے بڑھ کے تمھین ایک جانور ملے گا جس کا پچھلا حصہ تو دکھائی دیتا ہو گا مگر اگلا حصہ نہ نظر آئے گا - تم اُس سے خوف نہ کھانا بلکہ دیکھتے ہی اُسکی پیٹھ پر سوار ہو جانا - یہ جانور آفتاب سے دشمنی رکھتا ہے - جہان آفتاب نے طلوع کیا لپکتا ہے کہ اُسے دوڑ کے نگل جائے یہان تک کہ آفتاب آڑ مین آ جاتا ہے اور اُسے ٹھہر جانا پڑتا ہے - پھر جب آفتاب کو غروب ہوتے ہوے دیکھتا ہے تو پھر سمندر مین گھستا ہے کہ دوڑ کے نگل لے - غرض وہ تمھین سمندر کے اُس پار پہونچا دے گا - تم خشکی پر قدم رکھ کے پھر آگے کی راہ لینا - اب نیل کے

کنارے کنارے کوچ کرکے تم ایک ایسی زمین پر پہونچوگے جو فولاد کی ہوگی۔ اسکے تمام پہاڑ۔ جنگل اور بیابان سب فولاد کے ہون گے۔ اس سرزمین سے گذرکے تم تانبے کی سرزمین پر پہونچوگے جہان پہاڑ۔ جنگل بیابان سب تانبے کے ہون گے۔ اگر اس سرزمین سے بھی گذرگئے تو تم چاندی کی سرزمین پر پہونچوگے جہان کے پہاڑ جنگل بیابان سب چاندی کے ہون گے۔ اُس سے بھی گذرگئے تو سونے کی سرزمین پر پہونچوگے جہان پہاڑ جنگل بیابان سب سونے کے ہون گے۔ بس اسی مقام پر تھیں نیل کا حال معلوم ہوسکے گا۔ آگے نہ بڑھ سکوگے۔"

عمران کی ان ہدایتون کو یاد بین باندھکے حائذ روانہ ہوا۔ اور تمام مراحل طے کرکے سونے کی سرزمین مین پہونچ گیا۔ وہان کیا دیکھتا ہے کہ خالص سونے کی ایک عظیم الشان دیوار ہے اور اُسکے نیچے ادھر سونے کا ایک بُرج ہے جسپر طلائی گنبد ہے۔ اس گنبد کے چارون طرف سونے کے چار دروازے ہین۔ دریاے نیل کا پانی اُس دیوار کے اوپر سے زور وشور کے ساتھ گرکے اُس برج مین چلا آتا ہے۔ پھر اُس بُرج کے چارون دروازون سے اُس کے چار دھارے گرتے ہین۔ اُن مین سے تین تو زمین کے اندر غائب ہو جاتے ہین۔ اور ایک اوپر بہتا ہوا آگے بڑھتا ہے جو کہ دریاے نیل ہے۔ حائذ نے یہان بیٹھکے پانی پیا اور ارادہ کیا کہ اُس دیوار پر چڑھ جائے جہان سے نیل کا اصلی پانی آتا ہے۔ فوراً ایک فرشتے نے نمودار ہوکے روکا اور کہا "حائذ۔ بس۔ آگے بڑھنے کا قصد نہ کرو۔ دریاے نیل کا جس قدر علم تھین حاصل ہونا تھا ہوچکا۔ اب اسکے بعد جنت ہے۔ اور دریاے نیل وہین سے آرہا ہے"۔ حائذ نے کہا "مین جنت کی بھی سیر کرنا چاہتا ہون"۔ جواب ملا "یہ اس زندگی مین غیر ممکن ہے"۔

اب حائذ نے پوچھا "تو یہ چیز جسے مین سامنے دیکھ رہا ہون کیا ہے؟" فرشتے نے کہا "یہ وہ آسمان ہے جس مین آفتاب اور ماہتاب چکر لگاتے رہتے ہین۔ یہ چکی کے مانند ہے"۔ حائذ بولا "میرا جی چاہتا ہے کہ اس چرخ پونجے مین بیٹھکے ایک چکر مین بھی لگاؤن"۔ اسکے بعد سے علما مین اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہین کہ حائذ اُسپر چڑھ گیا۔ اور دنیا کے گرد چکر لگایا اور بعض کہتے ہین کہ نہین اسکی نوبت نہین آئی۔

اس کے بعد فرشتے نے کہا" حائذ اب تمھیں جنت سے رزق ملے گا جو تمھاری زندگی کے لیے کافی ہوگا۔ اور اُسکے سامنے تمھیں دنیا کی کوئی چیز مزہ نہ دیگی" یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ انگور کے تین خوشے اوپر سے اُتر کے حائذ کے ہاتھ مین آ گئے۔ یہ تین رنگ کے تھے۔ ایک زمرد سبز کا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا یاقوت سرخ کا۔ اور تیسرا موتیون کا۔ فرشتے نے دیکھتے ہی کہا" یہ جنت کی تاک کے انگور ہین۔ مگر وہان کے اعلیٰ اور منتخب انگورون مین سے نہین ہین۔ اب تم واپس جاؤ۔ اور نیل کا جس قدر حال تمھین معلوم ہونا تھا معلوم ہو چکا"

حائذ نے پوچھا" مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ تین دھارے جو زمین مین غائب ہو جاتے ہین کہان جاتے ہین؟" فرشتے نے کہا" ان مین سے ایک فرات ہے دوسرا دجلہ اور تیسرا جیحون ہے"

اب حائذ فرشتے سے رخصت ہو کے واپس چلا پہلے کی طرح دشمن آفتاب جانور کی مدد سے سمندر کے اِس پار آیا۔ اور اُس مقام پہ پہونچا جہان عمران سے ملاقات ہوئی تھی۔ دیکھا تو اُسی دن اُس کا انتقال ہوا تھا۔ حسب وصیت نہلا دھلا کے اور کفنا کے اُسے دفن کیا۔ اور تین دن تک اُس کی قبر پہ ٹھہرا رہا۔ چوتھے دن روانگی کا ارادہ کیا تو ناگہان ایک پیر مرد نمودار ہوا جس کی پیشانی پہ سجدے کا نشان تھا۔ اُس نے آتے ہی سلام کیا اور کہا" اے حائذ۔ دریاے نیل کے کیا حالات تم کو معلوم ہوے؟" انھون نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا جسے سُن کے وہ کہنے لگا" ہان یہی حالات ہم نے کتابون مین دیکھے تھے" اسکے بعد اُس پیر مرد نے حائذ کو سیب کا ایک درخت دکھایا۔ جسپر سیب لگے ہوے تھے۔ اور کہا" آؤ میرے ساتھ اسکے سیب تم بھی کھاؤ" حائذ نے کہا میرے پاس جنت کے میوے موجود ہین۔ اور مجھے ممانعت ہے کہ اُنکے کھانے کے بعد دنیا کی کوئی غذا نہ کھاؤن" پیر مرد نے کہا" سچ کہتے ہو۔ جو کوئی جنت کے میوے کھاتا ہو اُسے اور کوئی چیز نہ کھانی چاہیے مگر بھلا کبھی تم نے ایسے سیب دنیا مین بھی کھائے تھے؟ یہ درخت بھی جنت ہی سے آیا ہے دنیا کا نہین ہے خدا نے عمران کے لیے اس درخت کو یہان اُگا دیا تھا کہ وہ اس کے پھل کھایا کرے۔ اور تمھارے ہی لیے وہ مرحوم اسے چھوڑ گئے ہین۔ اور اگر تم نہ آتے تو یہ پھر آسمان پہ

چلا جاتا تھا۔ اسکے بعد وہ پیر مرد برابر اس سیب کا شوق دلاتا رہا۔ یہان تک کہ حائد کو بھلا معلوم ہونے لگا۔ اور دل مین اس قدر شوق بڑھا کہ اُس مین سے ایک سیب توڑکے مُنہ مین رکھ لیا۔ مگر جیسے ہی اس پر دانت مارے خود اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ اسپر متحیر تھا کہ پیر مرد نے کہا "یہی وہ پھل ہے جس نے تمھین جنت سے نکالا۔ ضرورت تھی کہ تم اس پھل کو کھاؤ۔ تاکہ تم مین اور دنیا کے جو لوگ تمھارے جنت کے انگورون کو کھائین اس سیب کو کھاکے دنیا مین رہنے کے قابل رہین"۔

اسکے بعد حائد ارض مصر مین واپس آیا۔ لوگون کو اپنے سفر کے واقعات بتائے اور وہین پیوند زمین ہوا۔

ایک پاکدامن کھترانی

نواب سعادت علی خان فرمان رواے اودھ کے زمانے مین ہرنام سنگھ نام ایک سرسوتی برہمن نے جو پنجاب کے رہنے والے تھے اور لکھنؤ کے دربار مین خصوصیت رکھتے تھے "سعادتِ جاوید" نام ایک تاریخ لکھی ہے جس کا بہت کچھ دلچسپ حصہ مسٹر الیٹ نے اپنی تاریخ مین اخذ کر لیا ہے۔ اُسی ماخوذ حصے مین ایک یہ دلچسپ واقعہ بھی ہے جس کو پڑھکے اسلامی حکومت ہند کے آخری حالات۔ ہندو مسلمانون کے باہمی اختلافات و شکایات۔ اور اُن کے ساتھ ہی اُنکی یکرنگی و یکجہتی کا عجیب مجموعہ نظر کے سامنے ہو جاتا ہے۔ قابل مصنف صاحب ہندو ہین۔ اور ہندوؤن مین بھی برہمن۔ مگر دیباچے مین خداے واحد ذوالجلال اور پیغمبر آخرالزمان علیہ السلام کی حمد و نعت بڑے زور و شور سے بلکہ جوش عقیدت کے ساتھ تحریر فرماتے ہین۔

لیکن وہ واقعہ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا یہ ہے کہ پنجاب مین سکھون کا عہد شروع ہونے سے پہلے چند سال تک لاہور کے صوبہ دار زکریا خان رہے تھے۔ جو بڑے ہی شریف النفس۔ عدل گستر اور اہل لاہور مین ہردلعزیز تھے۔ اُن کے زمانے مین مسلمان مولویون نے ہندوون سے مذہبی مباحثہ چھیڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہندوؤن پر جبر و تشدد اور زیادتیان کرنے لگے۔ مگر زکریا خان کے انصاف نے ہمیشہ مسلمانون کو ملزم ٹھہرایا اور دبایا۔

یہ جھگڑے ہو ہی رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا - ایک آغا صاحب کسی ہندو کھتری کی جورو پر فریفتہ ہو کے اُسکے بہکانے اور پھسلانے کی کوششین کرنے لگے - مگر عورت نہایت ہی پاکدامن اور عفت شعار تھی کسی طرح راضی نہین ہوئی اور اُن کے نقرے مین نہ آئی - آخر ایک دن رات کو آغا صاحب نے مشہور کیا کہ آج اُس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہوگا - چنانچہ ہزارون مسلمانون کے مجمع مین عورت مسلمان دولھنون کی وضع مین لائی گئی - قاضی صاحب نے نکاح پڑھا - خرمے اور نُقل لُٹائے گئے - ہزارون آدمیون نے دعوتِ ولیمہ کھائی - اور دوسرے دن آغا صاحب چند بدمعاش اور شورہ پشت دوستون کے ساتھ اُس کھتری کے دروازے پر پہونچے اور کہا "اپنی جورو کو سوار کرا - اب وہ تیری نہین بلکہ میری جورو ہے - تجھ سے اور تیرے دین سے اُسے نفرت ہوگئی - کل رات کو وہ خود اپنی خوشی سے میرے گھر مین آئی - میرے ہاتھ پر کفر سے توبہ کر کے دین اسلام قبول کیا - مسلمان ہوئی اور میرے ساتھ نکاح کر لیا" غریب کھتری - اُس کے تمام اعزا و اقارب - خود اُس عورت کے میکے والے سب کی یہ حالت تھی کہ آغا صاحب کے یہ الفاظ سُن کے دریائے ندامت مین غرق تھے - چاہتے تھے کہ زمین پھٹے اور ہم سما جائین کسی کو سر اُٹھانے اور چار آنکھین کرنے کی جراُت نہ ہوتی تھی - آخر شوہر اور دوسرے عزیز خود اُس عورت کے پاس گئے اور پوچھا "تم اس مسلمان کے گھر مین گئی تھین؟ اور جو کچھ یہ کہ رہا ہے سچ ہے؟" غریب بے زبان عورت اس اتہام سے مارے شرم کے زمین مین گڑی جاتی تھی - مگر بے بولے بھی نہ رہا جاتا تھا - بے شرمی اختیار کر کے بولی "مین اُن آغا صاحب کو جانتی ہی نہین کہ کون ہین - اُنکے وہان جانا کیسا مین نے کبھی بات تک تو اُن سے کی نہین - اور نہ کبھی اُنھین نظر بھر کے دیکھا ہے - لیکن مین گواہ کہان سے لاؤن؟ اور کوئی میری کیون سُننے لگا تھا؟"

عورت کو انکار کرتے دیکھ کے عزیزون اور اُس کے شوہر کا حوصلہ بڑھا اور باہر آ کے کہا "عورت کو اس سے بالکل انکار ہے - اور کہتی ہے کہ مین نے اپنے گھر سے قدم ہی باہر نہین نکالا - ان کے گھر کیسے پہونچ گئی؟" آغا صاحب نے کہا اچھا ایک کام کرو - یہ نازنین جب میرے یہان سے واپس آئی ہے تو مسلمان دولھنون کا

سا لباس عروسی پہن کے آئی تھی جن کپڑون پر نکاح ہوا تھا - گھر مین ڈھونڈھو۔ اگر وہ کپڑے نہ ملین تو جانو وہ سچی ہے اور مین جھوٹا - اور جو وہ کپڑے مل جائین تو اُسے جھوٹا اور مجھے سچا خیال کرکے اُسے میرے ساتھ سوار کرادو" آغا صاحب کے بیان کے مطابق عزیزون نے گھر مین جاکے دیکھا تو واقعی مسلمان دولھنون کا لباس عروسی نکل آیا - جسے دیکھتے ہی سب سناٹے مین آگئے - اور اب کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا - تاہم ہندوؤن کی غیرت متقاضی نہ ہوئی کہ عورت کو بغیر اُسکی مرضی کے زبردستی سوار کرادین -

آخر مقدمہ لاہور کے قاضی صاحب کے سامنے پیش ہوا - وہ پرانے خیال کے خالص مسلمان مُلّا - فتوے دیا کہ" جو عورت مسلمان ہوئی - ایک مسلمان سے نکاح کیا - وہ مجبوراً مسلمان شوہر کے سپرد کی جائے - اور ہرگز اُسے اس کا موقع نہ دیا جائے کہ پھر مرتد ہو جائے" جب یہ فتوے تعمیل کے لیے زکریا خان کے سامنے پیش ہوا تو وہ ایک جھکمیں مین پڑگیا - نہ کوئی بات سمجھ مین آتی تھی اور نہ کچھ کرتے دھرتے بنتا تھا آخر حکم دیا کہ کل تک مقدمہ ملتوی رکھا جائے - مین سوچ سمجھ کے حکم دون گا"

رات کو زکریا خان نے سب سے چھپ کے فقیرون کا بھیس کیا اور سیدھا اُس کھتری عورت کے محلے مین پہونچا - پھرتے پھرتے ایک ایسے مقام پر گذر ہوا جہان چند فقیر ایک کونے مین بیٹھے باتین کر رہے تھے - باتون باتون مین ایک فقیر بولا سنتے ہو! اس کھترانی کو ہم ایک زمانے سے دیکھ رہے ہین - اور اسکے طور و طریق مین سوا پاکدامنی اور نیک چلنی کے کبھی کوئی بات نہین دیکھی - بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایسی پارسا عورت اُس مغل کے وہان گئی ہو اور نکاح کرلیا ہو؟ خدا جانے اس مین کیا فریب ہے؟" یہ سُن کے زکریا خان اُن آغا صاحب کے محلے مین گیا - یہان آتے ہی کسی شخص کو یہ کہتے سُنا" یہ مغل بفتری - جھوٹا اور مکار ہے - ہم نے اُس کھتری عورت کو کبھی اسکے یہان آتے نہین دیکھا - پھر نکاح کیسے ہو گیا؟"

ان باتون کو سُن کے زکریا خان کو اُس شریف کھترانی کا چال چلن بھی معلوم ہو گیا اور اُن آغا صاحب کا بھی - مگر قاضی صاحب کے فتوے کو مسترد کرنے کے لیے کوئی بنیاد اور کافی شہادت نہین ملتی تھی - یہ سمجھ مین نہ آتا تھا کہ مسلمان لڑکیون کا لباس عروسی

اُس کھترانی کے گھر مین کیسے پہونچ گیا؟ کپڑون سے اُس کا خیال دھوبن کی طرف گیا اور اُس دھوبن کو پکڑ بلایا جو اُس کھترانی کے گھر مین کپڑے دھوتی تھی۔ پہلے اُس نے انکار کیا مگر جب سختی کی گئی تو بولی کہ "ہان آغا صاحب کے دھمکانے اور بہت کچھ دینے کی وجہ سے مین نے یہ کیا کہ اُس کھترانی کے کپڑے پہن کے اور بہو بہو اُسی کی سی وضع بنا کے رات کو اُن کے یہان آئی۔ پھر اُن کا دیا ہوا لباس عروسی پہن کے اُنکے ساتھ نکاح پڑھوایا۔ اور دوسرے دن آغا صاحب کی ہدایت سے وہ شادی والے کپڑے اُس عورت کے گھر مین لیجا کے ڈال آئی"۔ زکریا خان نے اس بیان کے مطابق دیگر ثبوت حاصل کرکے اور اپنا پورا اطمینان کرکے دوسرے دن اُن آغا صاحب اور اُس دھوبن کو قتل کی سزا دی۔ اور اُس پاکدامن کھترانی کو عصمت و عفت کی سند دے کے اُسکے ناموس کو ہمیشہ کے لیے بدنامی سے بچا لیا۔

لاہور مین زکریا خان کے دو معتمد علیہ کھتری تھے جن مین سے ایک کا نام لالہ لکھپت رائے اور دوسرے کا لالہ جسپت رائے تھا۔ یہ بڑے دولتمند اور معزز لوگ تھے۔ اور زکریا خان کو ہر کام مین اُن پر بھروسا تھا۔ دونون کو راجہ کا خطاب حاصل تھا۔ مگر اپنے آقا زکریا خان کے سامنے اپنے آپ کو راجہ نہین کہلاتے تھے اور نہ کبھی آپ کو اس خطاب سے شہرت دی۔ جب نادر شاہ دہلی کو لوٹ کے واپس جاتے وقت لاہور مین پہونچا تو حکم دیدیا کہ سارے باشندگان لاہور کو پکڑ کے اسیران جنگ کی حیثیت سے ساتھ لیچلو۔ اس موقع پر لالہ لکھپت رائے نے تین لاکھ روپیہ نقد اُسکی نذر کرکے تقریباً پانچ لاکھ ہندو مسلمانون کو جن مین مرد بھی تھے اور عورتین بھی تھین نادر شاہ کے دست ستم سے آزادی دلائی۔

محمود غزنوی کی حرص و طمع

محمود غزنوی کی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ شعرا اور اہل علم تو ہمیشہ انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔ اور اُس کی فیاضیون ہی کی برکت تھی کہ کبھی کسی مشرقی دربار مین (میری مراد مشرق سے ہند اور عراق کے اس طرف کے ممالک ہین) اتنے علما و فضلا اور ابدی ناموری حاصل کرنیوالے شعرا نہین جمع ہو سکے تھے

بقتنے کہ محمود کے دار السلطنت غزنین اور اُسکے دربار گہر بار مین جمع ہو گئے تھے۔ اور اُس کی فیاضی ہی تھی جس نے فارسی شاعری کو زندہ ہی نہین کیا بلکہ ترقی دیتے دیتے آسمان پر پہونچا کے ایسا بنا دیا کہ سنسکرت اور یونانی شاعری کا مقابلہ اگر دنیا کی کسی زبان کی شاعری کر سکتی ہے تو وہ فارسی کی شاعری ہے۔ شاعری ہی نہین اُس نے ایران کی تاریخ کو بھی اپنی قدردانی سے زندہ کر دیا۔

گر باوجود ان فیاضیون کے محمود غزنوی بخیل و حریص مشہور ہے۔ اُسکے بخل کی زیادہ شہرت فردوسی طوسی اور شاہنامہ کی تصنیف کے واقعے سے ہوئی۔ محمود کے کہنے سے فردوسی نے شاہنامہ تصنیف کیا۔ اور محمود نے وعدہ کیا تھا کہ ہر شعر پر ایک اشرفی انعام دون گا۔ جب وہ مکمل ہو کے دربار مین پیش ہوا تو محمود کو موعودہ رقم بہت زیادہ معلوم ہوئی۔ اور اُس نے بجاے اشرفیون کے فی شعر ایک روپیہ (نقرئی سکہ) دینا تجویز کیا۔ جس پر بگڑ کے فردوسی چلا گیا۔ محمود کی ہجو کہی۔ اور اپنے وطن طوس مین جا کے بیٹھ رہا۔ بعد کو محمود پچھتایا اور حکم دیا کہ جتنے شعر ہین اُتنی ہی اشرفیان بھیجدی جائین۔ یہ رقم جس وقت طوس مین پہونچی ہے سلطانی سفیر نے دیکھا کہ لوگ فردوسی کا جنازہ لیے آتے ہین۔ کف افسوس ملنے لگا۔ اور ارادہ کیا کہ وہ رقم فردوسی کی اکیلی وارث اُسکی بیٹی کے حوالے کر دے۔ مگر اس دُھن کی پکی اور وضع کی سچی لڑکی نے لینے سے انکار کیا اور کہا "جس رقم کی حسرت مین میرے والد مر گئے اُسے مین نہ لون گی"۔ آخر اُس رقم سے طوس مین ایک پل بنوا دیا گیا۔

لیکن اس واقعے سے محمود کو بخل کا الزام دینا غلطی ہے۔ محمود نے شاید دل مین اُس رقم کو زیادہ تصور کیا ہو لیکن وہ فردوسی کے جو خلاف ہوا اُسکے اسباب اور تھے جو تاریخ پر غور کرنے سے صاف نظر آ جاتے ہین۔ محمود اپنے مذہب کا سختی سے پابند تھا اور اسماعیلی شیعون کا وہ جانی دشمن تھا۔ ابن سینا کے ساتھ بھی اُسے اسی بنا پر دشمنی تھی اور چاہتا تھا کہ کسی طرح ہاتھ آ جائے تو پکڑ کے قتل کروا دون۔ شیعہ ہی نہین۔ کرامی العقیدہ ہونے کے باعث وہ اشاعرہ اہل سنت کا بھی بڑا دشمن تھا۔ فردوسی سے بعض بارسوخ درباری جلتے تھے اور اُنھون نے محمود کے کان تک پہونچایا کہ وہ شیعۂ اسماعیلی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ آمادہ ہو گیا کہ انعام کا دینا درکنار، فردوسی کا

کام ہی تمام کردے - فردوسی کو اسکی خبر ہوگئی - جان لے کے بھاگا - اور ہجو لکھی جس مین محمود کے نسب پر حملہ کرنے کے ساتھ اپنے عقائد پر بھی فخر کرتا ہے - اور قبول کرتا ہے کہ اُس کی محمود کے دربار کی زندگی تقیہ کی تھی - غرض بخل نہین یہ اختلاف مذہب تھا جس نے محمود کو اُسکے ساتھ دشمنی ہی نہین اُس کی جان لینے پر آمادہ کردیا تھا لیکن چند روز بعد جب محمود کا غصہ فرو ہوا اور محمود کے طرفدارون نے سمجھایا کہ فردوسی اس دربار سے دل شکستہ گیا ہے اور ایک ایسا شاعر ہے کہ اُسکے ساتھ بدسلوکی کرنے سے حضور کا نام ابدالآباد تک بدنام ہوگا تو اُس کا قصور معاف کردیا - اور ساتھ ہی وہ موعودہ رقم بھجوادی - اگر محمود نے بخل اور دولت کی حرص سے یہ کام کیا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کسی کے کہنے سننے سے اُس رقم کے دینے پر آمادہ ہوجاتا جو اُسے حد سے زیادہ عزیز تھی -

اور دو ایک واقعات بھی محمود کی حرص وطمع کے ثبوت مین پیش کیے جاتے ہین مگر اُن سے بھی دراصل سوا مذہبی تعصب کے ہوس زر نہین ثابت ہوتی - منجملہ اُنکے ایک یہ واقعہ ہے کہ لوگون نے ایک بار محمود کو اطلاع دی کہ نیشاپور مین ایک شخص رہتا ہے جو بہت ہی دولتمند ہے اور قارون کا سا خزانہ اُس نے جمع کر رکھا ہے - محمود نے یہ سُن کے اُسے غزنین مین بلوایا اور جیسے ہی اُس کا سامنا ہوا کہا "مین سُنتا ہون کہ تم ملاحدۂ باطنیین مین سے ہو؟" اُس شخص نے باادب عرض کیا "جی نہین - مین باطنی نہین ہون - ہان خدا نے اپنے فضل وکرم سے مجھے صاحب دولت بنایا ہے - مگر اُس سب دولت کا نذر سلطانی کردینا گوارا ہے اور یہ نہین منظور کہ مین ایسے ناپاک مذہب اور ایسی بے دینی کا ملزم ٹھہرایا جاؤن"- محمود نے کہا "بہتر - اگر تم اپنی ساری دولت خزانۂ سلطانی مین جمع کردو تو پھر تمھین بددینی کا الزام نہ دیا جائے گا"- اسپر وہ فوراً راضی ہوگیا - اپنی ساری دولت بادشاہ کی نذر کردی اور دربار سلطانی سے خوش عقیدگی کا ایک سرٹفکیٹ لیکے خوش خوش اپنے گھر چلا گیا - جس کا مضمون یہ تھا کہ "تصدیق کی جاتی ہے یہ شخص پکا مسلمان اور سچا خوش عقیدہ سُنی ہے"

اس واقعے سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ محمود نے اُس کی دولت لے لی لیکن

یہ بھی نکل آیا کہ اُس سے اصلی عناد اُسکے عقائد کی وجہ سے تھا - اور کیا عجب کہ محمود نے دل مین یہ خیال کیا ہو کہ یہ شخص میرے سامنے جو اپنے آپ کو اہل سنت مین سے بتاتا ہے تقیّے کی راہ سے ہے اسکا اعتبار نہ کرنا چاہیے - اور سزا دہی کے طریقے پر اُسکی دولت لے لی ہو - ہمین یقین ہے کہ محمود اگر اُسے حقیقت مین اپنا ہم مذہب و ہم عقیدہ خیال کرتا تو اُسکے روپئے پیسے پر ہرگز قبضہ نہ کرتا -

ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے جو نہایت ہی لطیف اور مزے کا ہے - ہم نے ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک مجتہد صاحب کا واقعہ سُنا تھا جو کسی بیرونی شہر مین وارد تھے - کوئی شخص نکاح پڑھانے کے بہانے اُنھین اپنے گھر بُلا لے گیا - اور وہان یہ ظاہر کرکے کہ نکاح مین ابھی تھوڑی دیر ہے چند لوگ باہم چوسر کھیلنے لگے - چونکہ اور کوئی شغلہ نہ تھا قبلۂ و کعبہ بھی اتفاقًا کھیل مین دلچسپی لینے لگے - کھیل بدبد کے ہو رہا تھا اور اس شخص نے جو جناب مولانا کی طرف بیٹھا تھا کہا "اب کی تو مین جناب قبلۂ و کعبہ کے نام سے داؤن لگاتا ہون" اس داؤن مین وہ جیت گیا - اور جیتی ہوئی رقم مین سے آدھی قبلۂ و کعبہ کے سامنے رکھ دی - اور آپ نے نہین نہین کرکے قبول بھی کرلی - اب وہ کئی بار یونھین قبلۂ و کعبہ کے نام سے کھیلا اور جیتا - اور جیت کی آدھی رقم دیتا رہا - آخر مین ایک بڑی بھاری رقم پر داؤن لگایا - اُسکے حریف مقابل نے کہا - "تمھارے پاس اتنی رقم کہان ہے کوئی ضمانت دو تو کھیلو" اُس نے کہا "میری ضمانت قبلۂ و کعبہ کرلین گے؟" اُن لوگون نے مولانا سے پوچھا - مفت کی رقمون نے آپ مین اتنی مروت پیدا کردی تھی کہ متانت کے ساتھ فرمایا "جی ہان کھیلیے - دیکھا جائیگا" اب کی کھیل مین وہ ہار گیا - اور ہارتے ہی دامن جھاڑ کے اُٹھ کھڑا ہوا - لوگون نے اُسے پکڑا - اور جب اُسکے پاس پوری رقم نہ نکلی تو قبلۂ و کعبہ سے خواستگار ہوے - آپ استغفر اللہ کہہ کے لاکھ انکار کرتے رہے اُنھون نے ایک نہ سُنی - تین سو روپئے کا دوشالہ اور دو سو روپئے کی گھڑی چھین لی - اور اُنھین جس پنیس پر لائے تھے اُسی پر بٹھا کے گھر پہونچا دیا - اور مطلق پتہ نہ لگا کہ وہ کون لوگ تھے اور کہان رہتے تھے - اس لیے کہ پالکی اور کہارون کو وہی لوگ لائے تھے -

ہم خیال کرتے تھے کہ ایسے واقعات ہم بیدارون ہی کے زمانے مانۂ تشنون

ہوں گے۔ مگر نہیں ایک اسی قسم کا مگر اس سے زیادہ مہذب و دلچسپ واقعہ محمود غزنوی کے زمانے میں خاص غزنین میں گذرا تھا جو محمود کی دنیا طلبی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ سلطان محمود ایک دن اپنے عالیشان قصر کے کوٹھے پر بیٹھا باہر کی سیر کر رہا تھا کہ دیکھا نیچے ایک شکستہ حال شخص دو مرغیاں ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔ سلطان اُسے کوئی فریادی یا محتاج تصور کر کے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اُس نے کچھ اشارہ کیا۔ محمود نے اُس کا کچھ خیال نہ کیا اور دل میں کہا "اس اشارے سے اس کا کیا مطلب ہے؟" یہ سوچ کے اُسکی طرف دیکھا تو پھر اُس نے وہی اشارہ کیا۔ سلطان نے پھر نظر ہٹا لی۔ مگر دل میں ایک خیال پیدا ہو گیا کہ کیا معاملہ ہے۔ اور پھر اُس پر نظر جا پڑی اور پھر اُس نے وہی اشارہ کیا۔ اب کی محمود نے چوبداروں کو بھیج کے اُسے اپنی حضوری میں بلوایا۔ تو وہ وہی دونوں مرغیاں لیے ہوے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا۔ پوچھا "تم ان مرغیوں کو کس لیے لائے ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟" اُس نے عرض کیا "میں ایک جُواری ہوں۔ اور جُوا کھیلنا ہی میرا پیشہ ہے۔ آج میں نے اپنے اور سُلطان کے نام پر داؤں لگایا تھا جس میں چار مرغیاں جیتیں۔ لہذا ان دونوں مرغیوں کو لایا ہوں کہ سلطان کا حصہ سلطان کی نذر کر دوں۔" سلطان نے اپنے دل میں کہا کہ "جُواری کس قدر دیانت دار ہوتے ہیں"۔ اور حکم دیا کہ دونوں مرغیاں اُس سے لے کے باورچی خانے میں پہونچا دی جائیں۔" دوسرے دن اُسی طرح وہ دو اور مرغیاں لا کے سلطان کی نذر کر گیا۔ اور یونہیں تیسرے روز بھی دو مرغیاں لایا۔ مگر چوتھے روز خالی ہاتھ اور نہایت ہی پریشان صورت بنائے ہوے سلطان کے بالاخانے کی کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ صورت دیکھ کے سلطان سمجھ گیا کہ معلوم ہوتا ہے آج میرا شریک کسی آفت میں پھنس گیا۔ اور بلوا کے پریشانی کا سبب پوچھا۔ ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "میں حضور کے نام سے کھیل کھیل کے جیتنے سے ایسا جری اور بیباک ہو گیا تھا کہ آج ایک ہزار درم کی بازی لگا دی۔ مگر بدقسمتی سے ہار گیا۔ یہ سُن کے سُلطان محمود ہنسا۔ اور خزانچی کو حکم دیا کہ "اچھا میرے حصے کے پانسو درہم خزانے سے اِسے دلوا دو۔" پھر اس سے کہا "مگر آئندہ اس کا خیال رکھنا کہ جب تک میں خود موجود نہ ہوں بازی میں مجھے

مجھے اپنا شریک نہ بنانا۔"

اس قصے سے بخل کا نتیجہ نکالنا بے عقلی وناانصافی ہے۔ یہ ایک دل لگی کا واقعہ تھا جس مین محمود کی اتنی کمزوری بیشک ثابت ہوتی ہے کہ اُس نے پہلے برابر تین روز تک بے پُرسش مرغیان لے لین۔ لیکن آخری دن جس موقع پر اُس نے پانسو روپیہ دیے ہین اُسکے سوا اور کوئی ہوتا تو ایک پیسہ نہ دیتا۔ وہی تھا جس نے گذشتہ تین دن مروت سے مجبور ہوکے پانسو روپے دلوا دیے۔

اگر کسی قدر محمود کی ہوسِ دولت کا خیال قائم کیا جا سکتا ہے تو اُس سے کہ اُسے جواہرات سے زیادہ اُنس تھا۔ اور یہ بھی اس لیے کہ اُس عہد کے سلاطین کی طرح وہ جواہرات کی کثرت کو عظمت وشوکت کی دلیل اور فتحمندی وملک گیری کا ثبوت خیال کرتا تھا۔ اُس سے پیشتر کے باعظمت فرمان روائے مشرق سلاطین آل سامان تھے۔ ایک دن محمود نے ابوطاہر سامانی سے پوچھا "تمھین معلوم ہے سلاطین آل سامان نے اپنے خزانے مین کتنے جواہرات جمع کیے تھے؟" ابوطاہر نے عرض کیا کہ "امیر نوح بن منصور سامانی کے پاس سات رطل (ساڑھے تین سیر) جواہرات کا ذخیرہ تھا۔" یہ جواب سنتے ہی سلطان محمود سجدے مین گر پڑا۔ زمین پر دیر تک سر رگڑتا رہا۔ اور پھر سر اُٹھا کے کہا "خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے سو رطل (ایک من دس سیر) سے زیادہ وزن کے جواہرات عطا کیے ہین۔

مگر اُسکی حرص وہوس کا سب سے بڑا واقعہ اُس کی وفات کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلسل دو سال سے اُس کی طبیعت ناساز تھی۔ مرض کی نسبت بعض کہتے ہین کہ سِل تھا۔ بعض ضعفِ معدہ بتاتے ہین۔ اور بعض کے خیال مین پیچش تھی۔ بہر تقدیر شکایت دو سال تک رہی۔ اطبا نے چلنے پھرنے اور گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کیا تھا مگر اُس سے ان چیزون کا پرہیز نہ ہو سکا۔ اور گو ضعف بڑھتا جاتا تھا مگر اُس کی اُولوالعزم اور حوصلہ مند طبیعت پانون توڑ کے بیٹھنے کو گوارا نہین کر سکتی تھی۔

آخر قوت نے بالکل جواب دے دیا۔ اور اُسے یقین آگیا کہ اب مین دو ہی تین دن کا مہمان ہون۔ اسوقت اُس نے حکم دیا کہ جواہرات۔ اشرفیان۔ اور روپیون کے

توڑے۔ اور تمام قیمتی سامان جو خزانے مین ہو اُسکے سامنے پیش کیا جائے۔ مال و دولت و حشمت لا کے قصر شاہی کے صحن مین جمع کر دی گئی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ دُور تک سونے چاندی کا باغ لگا ہے اور اُس مین جواہرات کے رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوے ہین۔ ان سب چیزون کو اُس نے حسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ ایک آہ سرد بھری۔ اور زار و قطار رونے لگا۔ تھوڑی دیر آنسو بہانے کے بعد حکم دیا کہ یہ سب چیزین پھر خزانے مین پہونچا دی جائین۔

اسکے بعد وہ ایک پالکی مین بیٹھا اور لوگ اُسے اُٹھا کے باہر میدان مین لے گئے یہان پھر پھر کے اُس نے اپنے تمام غلامون کو دیکھا جو مغرق کپڑے پہنے صفین باندھے کھڑے تھے۔ پھر اپنے عربی گھوڑون۔ اونٹون۔ ہاتھیون۔ گاے بیلون اور تمام مویشیون کو دیکھا۔ ان سب کو دیکھ کے بھی وہ زار و قطار رویا۔ اور آہین بھرتا ہوا گھر مین واپس آیا۔ اور اسی واقعے کے دو روز بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اصلی واقعہ جو اُس کی حرص و ہوس کو ظاہر کرتا ہے یہ ہے۔ مگر اس مین بھی میرے خیال مین سوا اسکے کہ اُس کا اپنی فانی زندگی کے ختم ہونے اور دنیوی شان و شوکت کے چھوٹنے پر افسوس کرنا ظاہر ہو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اُسے روپے سے بیجا محبت تھی۔ یا کسی کو دیتا نہ تھا۔ یہ ہندوؤن کا خیال ہے کہ انسان کو مرتے وقت دان پُن کرنا چاہیے۔ اسلام کی رُو سے اُس وقت کی فیاضی کوئی خاص وقعت نہین رکھتی۔ اصلی فیاضی اور خیرات وہ ہے جو اپنی زندگی و صحت کے زمانے مین انسان مستحقین کے استحقاق کا خیال کر کے کرے۔ غریبون۔ محتاجون۔ یتیمون۔ بیوؤن کی خبرگیری اُنکی ضرورت و احتیاج کے وقت کرے۔ مرتے وقت تو انسان کو خیال کر لینا چاہیے کہ اب جو کچھ ہے میرا نہین ورثا کا ہے اور وہی اسکے پانے کے مستحق ہین۔ لہٰذا اُنکو محروم کر کے کسی اور کو دیدینا بے انصافی اور ظلم ہے۔ محمود سچا مسلمان تھا۔ اور کوئی وجہ نہ تھی کہ مرتے وقت اس اصول کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا۔

اس مین شک نہین کہ محمود کے حکم سے جب روپے اشرفیان اور جواہرات سامنے لا کے ڈھیر کر دیے گئے تو اُس وقت بعض حریص مُلّا بھی کھڑے تھے جن کے مُنھون مین پانی بھر آیا۔ اور دل مین سمجھے لگے کہ بادشاہ سلامت [illegible]

ہے تو ہمین دے گا - لیکن جب اُس نے اُن سب چیزون کو خزانے مین واپس بھیجا تو اُن کی آتش حرص بھڑک اُٹھی اور اُس کی مذمت کرنے لگے - اور مشہور کر دیا کہ محمود غزنوی بڑا کنجوس ہے - لیکن یہ محمود کی حرص و طمع نہین خود اُن لوگون کی ہوس پرستی تھی جس نے اُسے بدنام کیا -

بلکہ بعض حیثیتون سے دیکھا جائے تو محمود دل کا بڑا مضبوط تھا اور موت کی نازک گھڑی مین بھی صبر و تحمل کی باگ اُسکے ہاتھ سے نہین چھوٹی - اُس نے ترسٹھ سال کی عمر مین جمعرات کے روز ۲۳ - ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو سفر آخرت کیا - مگر اُسی حالت مین جبکہ موت کا یقین ہو چکا تھا اُس نے تخت شاہی پر بیٹھ کے دربار کیا - اُمراو وزرا - ارکین دولت - علما و شعراے دربار - اپنے غلامون اور نوکرون سے نہایت ہی ضبط اور اطمینان کے ساتھ رخصت ہوا - اور جس طرح لوگون سے رخصت ہوا اُسی طرح مال و دولت اشرفیون اور جواہرات کو بھی سامنے منگوا کے رخصت کیا - اُسوقت انسانی کمزوری سے اگر اُس کی آنکھون سے آنسو نکل پڑے تو اُسے اُس کی ہوس و حرص پر محمول کرنا بڑی ناانصافی ہے -

فلینڈرس کی ایک کہانی

اکتوبر ۱۳ء

ہر قوم اور ہر ملک مین کچھ ایسی داستانین موجود ہین جن کو یہ وقعت تو نہین حاصل ہے کہ صفحات تاریخ مین لکھی جائین - مگر اکثر تاریخ کا ماخذ ایسی ہی کہانیان اسی طرح کی داستانین اور اسی قسم کے قومی گیت ہوتے رہے ہین جو پشتہا پشت سے چلے آتے ہین اور قوم کا کوئی فرد نہین جو اُنکو نہ جانتا ہو - حروب صلیبیہ کی تاریخ کا بھی ایک معتدبہ حصہ اسی طرح کے قومی نغمون سے لیا گیا ہے - لیکن اسے ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ ایسی کہانیون مین غیر حملہ آورون کی عظمت دکھانے کے بعد خاتمہ ہمیشہ اپنی کامیابی ہی پر کیا جاتا ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ انجام غلط ہوتا ہے اور آغاز صحیح - اسی قسم کی ایک کہانی یورپ کے علاقۂ فلینڈرس مین جو مملکت ہالینڈ مین واقع ہے بہت مشہور ہے - اور ایسی ہے کہ اُسے مسلمان بڑی دلچسپی سے سنین گے - ہالینڈ کا بچہ بچہ تو صدیون سے جانتا چلا آتا ہے - اب

دلگداز کی زبان سے اُسے مسلمانانِ ہند کے بچے بھی سُن لین۔

جب عربون نے یورپ پر حملہ کیا اور اُندلس اور فرانس کے غالب حصے کو فتح کرکے اُن کی فوجین خشکی یا دریا کے راستے سے شہر اینٹورپ تک پہونچ گئین تو اُس زمانے مین اس شہر کا حاکم بڈرمین نام ایک شخص تھا۔ اینٹورپ آج کل کی طرح اُس زمانے مین بھی ایک بہت بڑا شاندار شہر تھا۔ کیونکہ شمالی یورپ کے تمام اندرونی ممالک کی تجارت اسی شہر کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ سب مال جہازون کے ذریعے سے یہین آتا تھا اور یہان سے تمام اندرونی ممالک مین بھیجا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس شہر کی بڑی وقعت اور شہرت تھی۔ لیکن پورے ملک پر کوئی مستقل حکومت نہ تھی۔ ہر شہر اور ضلع مختلف زمیندارون کے ہاتھون مین تھا جو وہان کے حاکم اور تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ عربون نے بہت ہی آسانی سے اینٹورپ کو فتح کرلیا اور بڈرمین کو اپنی جان بچانے کے لیے شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس نے ایک قریب کے شہر مین پناہ لی جہان کا حاکم اور شخص تھا۔ بڈرمین نے اُس سے اور آس پاس کے تمام حاکمون سے امداد چاہی کہ عربون سے لڑے مگر عربون کی ہیبت ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کسی نے اُن سے بگاڑنا مناسب نہ جانا اور کسی نے بھی مدد دینے کی حامی نہ بھری۔ بڈرمین اگرچہ بالکل بے دست و پا اور مجبور تھا مگر دل سے اپنے شہر کی محبت نہ گئی۔ بھیس بدل کے اینٹورپ مین آیا اور وہان کے لوگون کو عربون کی مخالفت پر اُبھارنے لگا۔ مگر سب کو لڑائی کی مصیبتین یاد تھین۔ کوئی آمادہ نہ ہوا۔ قطع نظر اسکے عربون کی حکومت مین اُنکو کوئی تکلیف بھی نہ تھی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آرام اور اطمینان حاصل تھا۔ اسی اثنا مین ایک روز بڈرمین اینٹورپ کی گلیون مین چکر لگا رہا تھا کہ کسی عرب سپاہی کو اُسپر جاسوس کا شبہہ ہوا۔ فوراً اُسے گرفتار کرلیا۔ اور اُسی عدالت کے مکان مین مجرمون کی طرح لیجاکے کھڑا کردیا جس مین حال ڈیڑھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ یہ خود بیٹھ کر انصاف کیا کرتا تھا۔ اس نے جو اظہار دیا وہ بالکل ناکافی تھا کیونکہ اپنے چال چلن کی صفائی مین وہ کسی شخص کو بھی شہادت مین نہ پیش کر سکا۔ مگر عربون نے بھی اُسکے متعلق زیادہ کرید نہین کی۔ اس لیے کہ اول تو

ان دنون اُنھین کسی زبردست حریف کا اندیشہ نہ تھا اور دوسرے یہ بات تھی کہ بڈرمین کے خلاف کسی الزام کا صریحی ثبوت اُنکے پاس موجود نہ تھا۔ بس اتنا ہی حکم کافی سمجھا گیا کہ "وہ شہر بدر کردیا جائے"۔

مسلمانون نے تو اُسے اس حکم کے مطابق شہر کے باہر کرکے چھوڑ دیا۔ جن کی نظرت غائب ہوتے ہی اُسے اتفاقاً اپنے چند پُرانے رفیق مل گئے جو اُسے دیکھکے بہت خوش ہوے اور ہرطرح اُس کی خدمت ورفاقت پر آمادہ ہوگئے۔ اُسکو بھی اُنسے بہت اُنس تھا اور کسی طرح اُنھین چھوڑ کے جانے کو دل نہ مانتا تھا۔ فصیل کے باہر ہی ایک پوشیدہ مقام مین رہنے لگا اور وہ رفیق بھی اُسکے ساتھ تھے۔ بہت دنون تک یہ لوگ سوچتے رہے کہ کس طرح شہر پر دوبارہ قبضہ کیا جائے۔ مگر کوئی تدبیر بن نہ پڑی۔ سب تدبیرون سے عاجز آکے بڈرمین نے ایک سرنگ کھودنی شروع کی اور چند روز مین اُس نے اور اُسکے رفیقون نے رات دن محنت کرکے سرنگ کو تکمیل کے قریب پہونچا لیا۔ اس سرنگ کے کھودنے کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا خفیہ راستہ بنالین کہ شہر کے پھاٹک بند کے بند رہین اور اُسکے ذریعے سے پوری فوج شہر مین داخل ہوجائے۔

مگر اب فوج کہان سے لاتے؟ اسی فکر مین تھا کہ معلوم ہوا سلطنت فرانس کی ایک زبردست فوج اینٹورپ کے قریب سے گذرنیوالی ہے جو کسی دُور کی مہم پر جارہی تھی۔ اُن لوگون کا قصد اس طرف آنے کا نہ تھا۔ کیونکہ شہر کی فصیل بہت مضبوط تھی اور عربون سے مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ مگر بڈرمین اُس فوج کے افسر سے ملا اور سمجھایا کہ مین بغیر کسی مزاحمت کے فوج کو شہر کے اندر داخل کرادون گا پہلے تو اُسے اُسکے کہنے کا یقین نہ آیا۔ مگر جب اُس نے افسر کو لیجاکے وہ خفیہ سرنگ دکھائی اور بتایا کہ صرف آدھ گھنٹے کی محنت مین یہ سرنگ خاص حاکم کے محل کے اندر نکلے گی تو وہ اینٹورپ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔

عربون کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔ کیونکہ کسی کو وہ خفیہ رستہ نہین معلوم تھا۔ فرانسیسی فوج جب اس شہر کی طرف بڑھی تو عربون نے شہر سے باہر نکل کے مقابلہ کرنا چاہا۔ مگر باہر نکل کے ابھی صفین ہی درست کررہے تھے اور لڑائی ابھی جاری

نہین ہونے پائی تھی کہ شہر سے شور و غل کی آواز بلند ہوئی۔ پیچھے پھر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ شہر کے اندر لڑائی ہو رہی ہے۔ اور فرانسیسی فوج کا ایک حصہ شہر مین داخل ہو کے اُس پر قابض ہو گیا ہے۔ ایسی حالت مین اُن سے کیا بن پڑ سکتا تھا؟ مگر ہمت ہارنا اور ہتھیار رکھنا اُن کی شان سے بعید تھا۔ ہزار مایوسی تھی مگر جان توڑ کر لڑنے لگے۔ اور سب نے بڑی شجاعت و ناموری کے ساتھ خوشی اور ذوق و شوق سے شربت شہادت پی لیا۔ اس طریقے سے فلنڈرس مین صرف پانچ ہی برس کے بعد سلمانون کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

فرانسیسیون نے بدرین کو پھر وہان کا حاکم تو بنا دیا مگر وہ پہلی آزادی نصیب ہو سکی۔ کیونکہ نئے فتحیابون نے اُسے حاکم بھی بنایا تو اپنا غلام اور ماتحت بنا کے رکھا۔

مسجد ایا صوفیہ دسمبر ۱۳ء

قلادیوس والیریوس نے جو تاریخ مین قسطنطین اعظم کے نام سے مشہور ہے جب اپنے حریف اور شریک سلطنت لی سی نوس کو ۳۲۳ء مین یعنی ولادت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے ۲۴۷ برس پیشتر شکست دے کے قتل کیا اور بلا شرکت غیرے قیصر روم قرار پا کے رومۃ الکبرے مین داخل ہوا تو اہل رومہ جو بت پرست تھے اور اپنے شہر کی پوجا کیا کرتے تھے قسطنطین کے جھنڈون اور بیرقون پر بجاے عقاب کے صلیب کو اور اُس کے ہاتھ مین بعوض سیپٹر (عصاے شاہی) کے ایک صلیبی چھڑی کو دیکھ کے اس قدر برافروختہ ہوے کہ نہ سچے دل سے اُس کا استقبال کیا اور نہ اُس کی مشایعت مین ویسی گرمجوشی دکھائی جیسی کہ قیاصرہ کے داخلے کے وقت ظاہر کیا کرتے تھے۔ اہل روم کے اس سلوک نے قسطنطین کو خود رومۃ الکبرے کا دشمن بنا دیا۔ اور وہ اس فکر مین ہوا کہ اپنا دار الحکومت رومہ کے علاوہ کسی اور شہر کو قرار دے۔

قسطنطین نے اپنی کامیابیون مین ہمیشہ الہامی دعوؤن سے کام لیا تھا۔ اپنے حریف لی سی نوس کے مقابل صف آرا ہوتے وقت اُس نے اپنی فوجی قوت کو ضعیف

اور حریف کے لشکر کو زبردست پا کے اور یہ دیکھ کے کہ لی قی نیوس اور رومیوں کے جانی دشمن عیسائی ہیں جن پر طرح طرح کے ظلم ہو رہے تھے اپنی روحانی آنکھوں سے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی۔ اور اُسی رات خواب دیکھا تھا کہ حضرت مسیح نے یا دیوتا نے کہ وہ عیسائی نہ تھا اُسے ایک صلیبی جھنڈا دیا اور فرمایا کہ "جا اس جھنڈے کو لے کے اپنے دشمنوں سے مقابلہ کر" جس کا یہ اثر تھا کہ سارے عیسائی اُس حضرت عیسیٰ کے دیے ہوے جھنڈے کے نیچے کٹنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ اب اس موقع پر اُس نے رومۃ الکبریٰ کی عداوت میں دوسرا یہ خواب دیکھا کہ خدا اُس سے کہتا ہے کہ "جا اور بیزان طیوم کو اپنا دار السلطنت قرار دے کے از سر نو آباد کر"۔

بیزان طیوم جس سے موجودہ قسطنطنیہ مراد ہے ایک پرانا شہر تھا جو لوگوں کے لیے ایشیا سے یورپ میں اور یورپ سے ایشیا میں آنے کی پرانی گذرگاہ تھا اور بری و بحری دونوں حیثیتوں سے نہایت عمدہ موقع پر واقع تھا۔ قسطنطین نے اُسے آکے دیکھا تو ویران اور اُجاڑ پایا۔ فوراً اپنا خواب پورا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اُسکی تعمیر شروع کر دی۔ اور تکمیل میں اس سرگرمی سے متوجہ ہوا کہ خلاف امید چند ہی روز میں ہر طرف صدہا نئی عالیشان عمارتیں بنا کے کھڑی کر دیں۔ اور تیاری کے بعد "نیا روم" نام رکھ کے اُسے اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ مگر زمانے کے دربار نے اُس کے نام کو نامنظور کر کے "قونس طان طینو پولی" نام رکھ دیا جسے بگاڑ کے انگریزوں نے "کانسٹین ٹی نوپل" اور عربوں نے قسطنطنیہ کر دیا۔

ان دنوں مغربی شہروں کا زیور تیجانے اور دیوی دیوتا اُن کے مندر اور استھان سمجھے جاتے تھے اس لیے قسطنطین اعظم نے بھی اگرچہ مسیحیوں کی طرف بے انتہا رجحان رکھتا تھا اپنے اس نئے شہر کی رونق بڑھانے کے لیے بجائے اسکے کہ اُس میں کوئی گرجا تعمیر کرائے جا بجا کئی ایک عالیشان مندر بنوائے۔ جن میں دیویوں کی مورتیں رکھوائیں اور کئی معبد غیر مجسم روحانی قوتوں کے نام سے بھی تعمیر کرائے جن میں سے ایک ہی سجیذ ایا صوفیہ تھی جسے اُس نے بڑے اہتمام سے بنوا کے دانائی کی روحانی دیوی "صوفیا" کے نام نذر کر دیا تھا۔

قسطنطین اعظم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے مرتے وقت مسیحیت کا بپتسما لیا۔

تھا۔ لیکن اسکے مذہب کی نسبت بہت سوچ سمجھ کے اور اُسکے حالات پر غور کرکے کوئی رائے قائم کرنی چاہیے۔ اُسکے حالات اور اُسکے طبعی رجحان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا پولٹیکل مذہب مسیحیت ضرور تھا۔ اور صرف وقت ہی نہین شروع ہی سے اُس نے مسیحیون کی طرفداری اور مسیحیت کی حمایت کی پالیسی اختیار کرلی تھی۔ جسکے نتیجے مین وہ اپنے تمام حریفون کو پامال کرکے ساری مغربی دنیا کا شہنشاہ بن گیا۔ اور مسیحیون کا اُس پر یہ احسان تھا جس کے معاوضے مین اُس نے اُنکو قوت دی۔ ہر جگہ اُنھین تبلیغ دین اور آزادی کے ساتھ اپنا مذہب پھیلانے کا موقع دیدیا۔ اُن مین مہلک مذہبی اختلافات دیکھکے نیقیہ کی کونسل شاہانہ تزک و احتشام سے منعقد کراکے مسیحیت کو ایک مضبوط اور باقاعدہ مذہب بنادیا۔ اور وہ "نیقین کریڈ" عقائد نیقوی مدون کرادیے جو آج تک کیتھولک مسیحیت کے معتقد علیہ ہین۔ مگر یہ جو کچھ ہوا قسطنطین اعظم کی خوش اعتقادی یا دینی سرگرمی کے تقاضے سے نہین بلکہ سب مسیحیون کے احسانات کا بدلہ تھا۔

سچ پوچھیے تو اپنی ذات سے وہ پُرانے عقائد کا بُت پرست ہی تھا۔ جس مذہب کے ذریعے سے وہ سکندر اعظم اور دیگر قیاصرۂ سلف کی طرح اپنے آپ کو انسانیت کے درجے سے اُوپر چڑھاکے ایک آسمانی دیوتا بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ باوجودیکہ وہ مسیح کی صلیب لے کے لڑنے کو چلا تھا۔ اور باوجودیکہ مسیح ہی کے حکم سے اُس نے اپنے نئے شہر قسطنطنیہ کو آباد کیا تھا مگر اُس مین جتنی مذہبی عمارتین تعمیر کرائین سب بُت پرستون کے مذاق کی تھین۔ اور سب سے زیادہ لطف کی یہ بات کی کہ ایک مینار پر رومیون کے مہادیو "اپالو" کی ایک مورت اس ترمیم کے ساتھ قائم کرائی کہ سارا دھڑ تو اپالو کا تھا مگر چہرہ اپنا لگا دیا۔ اور دیوتاؤن کے چہرون کے گرد تصویرون مین جو روشنی کی کرنین چھٹکائی جاتی ہین اُن کی جگہ تین طرف صرف تین کرنین دکھاکے نور کی ایک صلیب بنوادی۔

یہی امر صاف بتا رہا ہے کہ قسطنطین بخلاف دین مسیحی اختیار کرنے کے خود دیوتا بننا چاہتا تھا۔ اس کوشش مین اُس نے بت پرستی اور مسیحیت کو ایک مین ملا دیا۔ اور اس مذہبی معجون مرکب کا مہادیو خود بنا۔ جس دھوکے مین پڑکے عیسائی بے تکلف اُسکی پرستش بھی کرنے لگے۔ الغرض قسطنطین کے دم واپسین تک قسطنطنیہ مین کوئی کنیسہ

موجود نہ تھا۔ اور سینٹ صوفیا کی عمارت اصل میں ایک غیر متشکل دیوی کا مندر تھی۔ مگر اسکے بعد جب اُس کی اولاد عقیدۂ عیسائی ہوگئی اور تھیوڈوسیوس قیصر کے زمانے مین دولت روم کا مذہب مسیحیت قرار پائی۔ اور تمام بتکدے منہدم کر دیے گئے تو اس عالیشان مندر پر یہ بڑا احسان کیا گیا کہ بجاے کھود کے مٹا دینے کے وہ مسیحیون کا ایک کنیسۂ اعظم بنا لیا گیا۔

تھیوڈوسیوس کے بعد جب اُسکے بیٹون کی باہمی نزاع کی وجہ سے مشرقی و مغربی سلطنت ہاے روم جدا جدا قائم ہوئین اور ۳۹۵ء مین ارکادیوس پہلا مشرقی شہنشاہ قرار پایا تو رومتہ الکبریٰ اور قسطنطنیہ مین پوری پوری رقابت شروع ہوگئی۔ اور اگرچہ ابھی تک یونانی کلیسا پوپ کی حکومت سے خارج نہین ہوا تھا مگر قسطنطنیہ کے مقتداے اعظم کو پوپ ہی کے قریب قریب مرتبہ دے دیا۔ اور کنیسۂ سینٹ صوفیا چونکہ اس مشرقی مقتدا کا دار القرار تھا۔ اس لیے اُسے بھی قریب قریب وہی عظمت حاصل ہوگئی جو رومہ کے گرجون لاطران وغیرہ کو حاصل تھی۔

اب سینٹ صوفیا کے جوار مین راہبون اور محترم اچھوتیون (نون) کی خانقاہین تھین۔ دولت و حکومت نے ان مرتاض و تارک الدنیا بزرگون کو چند ہی روز مین ایسا نہارت کر دیا کہ اُن کی فتنہ پردازیون کی بدولت سینٹ صوفیا نہایت ہی ناپاک سازشون کا مرکز بن گیا۔ اور کوئی دن کم گذرتا تھا جب ان اچھوتیون کے کسی حنوان سے چھوت ہو جانے اور اُن کی بدکاریون کے طشت از بام ہونے کا کوئی نیا واقعہ نہ سنا جاتا ہو۔ ان سازشون اور بے شرمیون کو دور کرنے کے لیے شہنشاہ نے ۳۹۸ء مین انطاکیہ کے اسقف اعظم یوحنا کری سوسٹوم کو جس کا وعظ کسی سفر مین سُن کے وہ بہت متاثر ہوا تھا نہایت ہی رازداری کے ساتھ انطاکیہ سے بُلوایا۔ اور قسطنطنیہ کا مقتداے اعظم کر دیا۔ یہ شخص حقیقت مین نہایت ہی نیک نفس و پاک باطن تھا۔ ریاکاری نام کو نہ تھی۔ مذہب کے آگے کسی کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ اور سینٹ صوفیا کے منبر پر کھڑے ہوکے نہایت ہی آزادی سے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر نکتہ چینی کرتا۔ عام رعایا اور تمام مسیحی اُس کے حد سے زیادہ معتقد تھے۔ اور اُسکے نام پر جان فدا کرنے کو تیار رہتے۔ مگر اُس نے آتے ہی نُنون کی بدکرداری پر سخت حملے کیے اور راہبون کی سازشون کو نفرت کی نگاہ سے

دیکھا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسیحیون مین تو اُس کی قدر اور زیادہ ہو گئی مگر مقتدایانِ ملت دل مین اُس سے عناد رکھنے لگے - آخر اُنھون نے اندر ہی اندر سازش کر کے ایک طرف شہنشاہ بیگم قسطنطنیہ ملکہ یودوکسیا کو اُسکے خلاف کر دیا - اور دوسری طرف اسکندریہ کے اسقف تھیوفیلوس نے اُسپر بہت سے مذہبی الزام عائد کیے - پھر اسکے بعد یہ کارستانی کی گئی کہ اسکندریہ کے اسقف اور راہب ایک جہاز پر آئے - ایک کونسل منعقد کی - مقتدائے اعظم قسطنطنیہ یوحنا کری سوسٹوم کو ملزم قرار دے کے اسکی جلاوطنی کا حکم جاری کیا - اور ملکہ کے ایک ملازم افسر نے فوراً غریب کری سوسٹوم کو گرفتار کر کے چپ چپاتے شہر بتھنیہ مین پہونچا دیا - لیکن دوسرے مقتدا کے منتخب ہونے سے پہلے ہی رعایا کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوے - اسکندریہ سے آئے ہوے راہبون کو قسطنطنیہ کی سڑکون پر ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے اور چُن چُن کے قتل کر ڈالا - اور ملکۂ یودوکسیا کو ہنگامہ آراؤن کے سامنے خوشامد اور لجاجت سے التجا کرنی پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو یوحنا کری سوسٹوم کو بلوائیے تا کہ شہر مین امن و امان قائم ہو - چنانچہ کری سوسٹوم پھر اپنی مقدس خدمت پر بڑی شان و شوکت سے بلوایا گیا - اُسکے داخلے مین شاہی جلوس کی شان تھی - اور اُسکے آنے کی خوشی مین شہر مین روشنی کی گئی -

اتفاقاً ملکہ نے اپنی ایک مورت بنوا کے سینٹ صوفیا کے قریب نصب کرانی چاہی - اس نے یوحنا نے اختلاف کیا - اور جب ملکہ کی طرف سے اسپر اصرار ہوا تو اُس نے آزادی کے ساتھ سینٹ صوفیا کے منبر پر کھڑے ہو کے یہ سخت ترین الفاظ کہے " ہیروڈیا پھر غضب آلود ہے - ہیروڈیا پھر ناچ رہی ہے - اور پھر یوحنا کا سر مانگتی ہے "[۵۷] آخر چند روز کے بعد ملکہ نے پورا بندوبست کر کے اور شہر والون کی روک تھام کر کے

---

[۵۷] یہ انجیل کی تاریخ کے ایک ہولناک واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ ارض جلیل کے یہودی بادشاہ ہیرود انٹی پاس کے سامنے ہیروڈیا نام اُسی کے خاندان کی ایک لڑکی ناچی - اور ناچ کے اُسے اپنا فریفتہ کیا - اور جب وہ بے اختیار اُسپر شیدا ہو گیا تو اپنے وصال کے لیے یہ شرط پیش کی کہ حضرت عیسٰی کے بپتسما دینے والے بشیر و یوحنا کا سر کاٹ کے اُسے دیا جائے جسکی فوراً تعمیل ہوئی - یہان کری سوسٹوم کی مراد ہیروڈیا سے ملکہ یودوکسیا اور یوحنا سے خود آپ ہے -

راہبون کی مدد سے پھر کرِی سوسٹوم کو جلا وطن کرایا - اور اب کی جلا وطنی مین وہ اتنی دور بھیجا گیا کہ اس سفرِ غربت ہی مین جان دی - اس مرتبہ اُسے دوبارہ قسطنطنیہ آنا نہین نصیب ہوا - بلکہ اُسکے مرنے کے تیس برس بعد اُس کی ہڈیان لا کے قسطنطنیہ مین دفن کی گئین - اسکی نیک نفسی اور اُسکے علم و فضل کا سب نے اقرار کیا - اور رومن کیتھولک اور کلیسیاے یونان دونون آج تک اُس کی یاد مین ایک مبارک دن منایا کرتے ہین -

جب یوحنا کرِی سوسٹوم کی پہلی جلا وطنی کے وقت پانچوین صدی کے دوسرے ہی تیسرے برس شہر مین ہنگامہ بپا ہوا ہے تو بلوائیون نے دوسری مسیحی عمارتون کے ساتھ سینٹ صوفیا مین بھی آگ لگا دی تھی جس سے اُسے بہت نقصان پہونچا - لیکن غالبًا اُسی زمانے مین اُس کی مرمت کر دی گئی - اور وہ نقصان زیادہ نہین محسوس کیا گیا - لیکن اسکے سوا سو برس بعد عہد جسٹی نین ۵۳۲ء مین یعنی حضرت رسول آخر الزمان علیہ السلام کی ولادت سے اُنتالیس برس پیشتر قسطنطنیہ مین نیلے بانے والون اور سبز بانے والون کی وجہ سے ایسا عظیم الشان ہنگامہ ہوا اور اس بے رحمی سے ہر عمارت مین آگ لگائی گئی کہ سارا شہر جل کے خاک ہو گیا - اور سینٹ صوفیا کی عظیم الشان عمارت بھی اس بلوے مین بالکل منہدم و برباد ہو گئی - اس بلوے کے وقت تو شہنشاہ جسٹی نین کو خود اپنی جان کے لالے پڑے تھے مگر بلوے کے فرو ہونے کے بعد جب اُسکے حواس درست ہوے اور عیسائیون نے آکے اپنی مذہبی بے حرمتی کا حال بیان کیا تو شہنشاہ نے اُنھین تسلی دی اور مضبوط وعدہ کیا کہ سینٹ صوفیا کو مین بہت جلد بنوا دون گا - چنانچہ اُس مشہور ہنگامے کے چالیس ہی روز بعد جسٹی نین نہایت خوش عقیدگی سے سینٹ صوفیا کی تعمیر مین مصروف ہوا - جس مین اسکی مذہبی ارادت کو شاہانہ غرور روز بروز اُبھارتا رہتا تھا - انتھے میوس مہندس نے نقشہ تیار کیا جسے سب نے نہایت پسند کیا - اب پہلے سے بہت زیادہ رقبۂ اراضی اُسکے حدود مین داخل کر دیا گیا - قرب و جوار کے مکانات شہنشاہ نے بڑی سیر چشمی کے ساتھ خاطر خواہ معاوضہ دے دے کے لیے اور گرجے مین شامل کرائے - جب پورا رقبہ مشخص ہو چکا تو پُرانے منہدم کھنڈر کھود کے اور ملبہ ہٹا کے زمین برابر کی گئی اور ایک ساتھ دس ہزار کاریگر

کام میں لگائے گئے جن کو روز بلا ناغہ شام کے وقت غروب آفتاب سے پہلے چاندی کے سکوں میں اُجرت مل جاتی - خود جسٹی نین ہر وقت نگرانی میں لگا رہتا - اور جب دیکھیے ایک سادہ سوتی ڈھیلا ڈھالا کوٹ پہنے ہوے کام کو ادھر اُدھر دیکھتا پھرتا اور انعام دے دے کے کاریگروں کی حوصلہ افزائی کرتا -

اس اہتمام سے پانچ سال گیارہ مہینے اور دس دن میں یہ عالیشان گرجا بن کے تیار ہوا - اور بڑے ہی دھوم دھام اور نہایت ہی تزک و احتشام سے اُس کا افتتاح کیا گیا - اور جسٹی نین اس عمارت کی خوشنمائی اور شاندار ی کو دیکھ کے اس قدر آپے سے باہر ہوگیا تھا کہ افتتاح کے موقع پر عُجب و نخوت کے یہ کلمات اُسکی زبان سے نکلے "عظمت و جبروت والا ہے وہ خدا جس نے مجھے ایسے بڑے کام کی توفیق دی اور اس کا اہل جانا - اور اب اے سلیمان میں نے تیری عظمت مٹا دی!" جسٹی نین کا اس موقع پر حضرت سلیمان پر حملہ کرنا کسی کو پسند نہ آ سکتا تھا - اور اگر سچ پوچھیے تو جسٹی نین کے اس کام کو چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو حضرت سلیمان کے کام سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی - نہ یہاں وہ سلیمان علیہ السلام کی سی پیغمبرانہ بے نفسی تھی اور نہ اُتنا اہتمام ہی کیا جا سکتا تھا جتنا کہ حضرت سلیمان نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں کیا تھا -

خدا کو بھی جسٹی نین کا یہ دعویٰ پسند نہیں آیا - اور تعمیر کو پورے بیس برس نہ گذرے ہوں گے کہ آسمان سے بجلی گری اور سینٹ صوفیا کے عظیم الشان گنبد کا مشرقی حصہ ٹوٹ گیا - جسٹی نین اب تک بر سر حکومت تھا - گنبد کے ٹوٹنے سے اُسکے دل کو صدمہ ہوا اور اُسی پہلی مستعدی سے پھر اُس کی مرمت اور اصلاح میں مصروف ہوگیا اور اُسکے زمانۂ حکومت میں جس کی وسعت ۳۶ سال کی تھی سینٹ صوفیا کا بڑے کروفر سے دوبارہ افتتاح ہوا - مگر جسٹی نین کا غرور توڑنے کے بعد خدا نے اسکی حفاظت کی - یہاں تک کہ قسطنطین اعظم کی بنیاد رکھنے کے ۱۱۲۹ برس اور جسٹی نین کی تعمیر اولی کے ۹۲۱ برس بعد آل عثمان کے نامور اعظم سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے سینٹ صوفیا کو مسجد جامع ایا صوفیہ بنا دیا -

اس درمیان میں اس گرجے کو مسیحی دنیا میں بہت اہمیت حاصل رہی تھی - اور جب کلیسائے یونان کلیسائے روم سے الگ اور پوپ کی غلامی سے آزاد ہوا تو

یہی معبد اعظم یونانی کلیسیا کا مرکز قرار پا گیا تھا۔ اور یہان کا اسقف اعظم سارے یونانی العقیدہ مسیحیون کا سب سے بڑا مقتدیٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس خود سری کے زمانے مین جبکہ سینٹ صوفیا یونانی عیسائیون اور اُنکے ساتھ روسیون اور تمام شمالی نصرانیون کا قبلہ بنا ہوا تھا اُس نے بہت ہی غیر معمولی عظمت و وقعت حاصل کی۔ اور اُسکے حلقے مین گویا ایک شہر بسا ہوا تھا۔ جس مین ہر قسم کی خانقاہون۔ مدرسون۔ اور عدالت گاہون کے علاوہ بازار بھی تھے۔ اور شان و شوکت مین اُس کا مقابل شاید دنیا کا کوئی اور معبد نہ ہوگا۔ کیونکہ اب مشرقی سلطنت روم کو جو جاہ و حشمت حاصل تھی خود رومۃ الکبریٰ کی حکومت کو نہین نصیب تھی۔

مسلمانون کے قبضے مین آنے سے پیشتر اس کا حال ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے مین بیان کیا ہے۔ وہ جب پھرتے پھراتے سلطان محمد اوزبک خان کے قلمرو مین پہونچا جو کریمیا اور بحر اسود کے شمالی سواحل (موجودہ قلمرو روس) پر واقع تھی تو اس سلطان کے چار محل پائے اور وہ چارون ملکائین پردے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے علانیہ دربار کیا کرتی تھین۔ اُنھین ملکاؤن مین ایک یونانی فرمان روائے قسطنطنیہ کی کی بیٹی تھی جس کا نام وہ "بیلون" بتاتا ہے۔ یہ مسیحیہ شاہزادی اُس سے بہت مانوس ہوگئی۔ اُس نے ابن بطوطہ کو دنیا کا ایک غیر معمولی سیاح و جہان گرد اور سیر و سفر کا شایق دیکھ کے اپنے وطن قسطنطنیہ کی سیر کا شوق دلایا۔ اور جب مان باپ سے ملنے کے لیے اپنے میکے مین گئی تو اُسے اپنے ہمراہ لیتی گئی۔ یون ابن بطوطہ کو قسطنطنیہ جانے کا شوق ہوا۔ ورنہ سوا اسلامی ممالک کے کسی غیر مذہب حکومت مین وہ کم جاتا تھا۔

غرض اسی شاہزادی "بیلون" کے ہمراہ رکاب وہ بلغاریہ ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہونچا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ یعنی ملکہ "بیلون" کے باپ کا نام وہ شاہ "تکفور" بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس بادشاہ کا باپ جرجیس ابھی زندہ موجود تھا مگر بیٹے کو تخت سلطنت پر بٹھا کے تارک الدنیا ہوگیا تھا۔ آج ہی کل کے مثل اُس زمانے مین بھی وہ قسطنطنیہ کے دو حصے بتاتا ہے۔ ایک باسفورس (جس کا نام اُن دنون وہ "ابحی" لکھتا ہے) کے مشرقی جانب ہے جو اصطنبول کہلاتا ہے۔ اور دوسرا باسفورس کے بائین جانب جسکا نام اُن دنون بھی "غلطہ" تھا۔ اصطنبول مین شاہی محل تھا۔ اور خاص اہل شہر اور درباریون

کا مسکن تھا۔ اور غلطہ مین دیگر ممالک فرنگ کے لوگ جنوا والے۔ فرانسیسی۔ فرنگی۔ رومی وغیرہ آباد تھے جیسا کہ آج کل بھی ہے۔

سینٹ صوفیا کی نسبت اُس کا یہ بیان ہے کہ ہم نے اس گرجے کو باہر سے دیکھا۔ اندر جا کے نہین دیکھ سکے۔ اس کا نام ایا صوفیہ ہے۔ لوگ کہتے ہین کہ یہ عمارت آصف بن برخیا کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت سلیمان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ یہ کنیسہ مملکت روم کے تمام کنیسون سے بڑا ہے۔ اُسکے گرداگرد ایک دیوار احاطہ کیے ہوے ہے جسکی وجہ سے بجاے خود ایک شہر معلوم ہوتا ہے۔ اس چار دیواری مین داخل ہونے کے لیے تیرہ پھاٹک ہین۔ اور اُسکے اندر خاص حرم کا جو حصہ ہے وہ ایک میل کے پھیلاؤ مین ہے اور اُس مین ایک عظیم الشان پھاٹک لگا ہوا ہے۔ جس مین جانے سے کسی کو روک ٹوک نہین کی جاتی۔ خود بادشاہ کے تارک الدنیا باپ کے ساتھ مین اُس پھاٹک مین داخل ہوا۔ اس پھاٹک کے اندر ایک ڈیوڑھی سی ہے جسکے اندر صحن مین سنگ مرمر کا فرش ہے اُس فرش کے بیچ مین ایک نہر گذری ہے جو کنیسہ کے اندر سے نکل کے آئی ہے اور اسکے دونون جانب سنگ مرمر کی ایک گز اونچی منڈیر چلی گئی ہے۔ جس مین طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوے ہین۔ اور اُس منڈیر کے برابر دونون جانب ترتیب وار درخت چلے گئے ہین۔ خاص گرجے کے دروازے سے اس بیرونی پھاٹک تک انگور کی تاکین خوشنمائی کے ساتھ پھیلی ہوئی ہین۔ اور اُنکے نیچے نیچے زمین پر چنبیلی اور دوسری قسم کے خوشبودار پھولون کے درختون سے چمن بندی کی گئی ہے۔ ڈیوڑھی سے نکلتے ہی ایک خوبصورت بنگلہ سا ملتا ہے جس مین لکڑی کی بنچین ہین۔ اور اُن پر دربان اور ڈیوڑھی کے خدام بیٹھے رہا کرتے ہین۔ اُس بنگلے کے داہنی جانب کمرے اور کوٹھریان ہین جو زیادہ تر لکڑی کی بنی ہوئی ہین۔ اُن پر قسطنطنیہ کے قاضی اور اہل دفتر بیٹھ کے اپنا کام کرتے ہین۔ اور اُن کوٹھریون اور کمرون کے درمیان مین بھی ایک چوبی بنگلہ ہے جن مین کئی زینے چڑھ کے انسان جا سکتا ہے اُس مین ایک کرسی ہے جس پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ اُسپر یہان کا سب سے بڑا قاضی بیٹھ کے جلاس کرتا ہے۔

یہ سب تو اُس بڑے بنگلے کے داہنی جانب تھا۔ اُسکے بائین طرف عطارون کا

بازار ہے اور وہ نہر نما حوض جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تقسیم ہو کے دونون جانب بڑھ جاتی ہے - ایک حصہ قاضیون کے اجلاس کی طرف پھیلا ہوا ہے اور دوسرا عطارون کے بازار کی طرف - کنیسے کے گرد کے صحن کا یہ منظر دیکھ کے جب انسان اُسکے خاص اندرونی دروازے پر آتا ہے تو اُسے وہان متعدد برج نظر آتے ہین جن مین خدام کنیسہ بیٹھے رہتے ہین جو اندر باہر سب جگہ جھاڑو دیتے ہین - شام کو چراغ روشن کرتے ہین - اور رات کو سب پھاٹک بند کرتے ہین - اور کسی شخص کو جب تک وہ صلیب اعظم کے سامنے جو یہان قائم ہے سجدہ نہ کرلے کنیسہ کے اندر قدم نہین رکھنے دیتے - اس صلیب کی نسبت ان لوگون کا عقیدہ ہے کہ جس شہتیر پر حضرت مسیح کی صورت کا بن جانے والا شخص مصلوب کیا گیا تھا اُسی کے ٹکڑے سے یہ بنی ہے - یہ کنیسہ کے دروازے پر نصب ہے - دس دس گز کے لمبے دو سونے کے خول ہین جن مین اصلی صلیب کی لکڑی اُتار دی گئی ہے - اور وہی دونون خول صلیبی وضع سے ایک دوسرے سے وابستہ کر دیے گئے ہین - اس دروازے کی دیوار اور محراب مین سونے چاندی کے پتر جڑے ہوے ہین - اور اسکی دونون زنجیرین بھی خالص سونے کی ہین -

مجھ سے بیان کیا گیا کہ اس کنیسہ مین ہزارون کی تعداد مین راہب اور اسقف رہتے ہین جن مین سے بعض خاص حوارین حضرت مسیح علیہ السلام کی نسل سے ہین - اور اسی احاطے کے اندر ایک کنیسہ عورتون کے لیے مخصوص ہے جن مین ہزارون دنیا ترک کرنے والی عابدہ وزاہدہ کنواریان (اچھوتیان) رہتی ہین - اور جو دوسری عورتین دنیا ترک کرکے زہد وتقویٰ کے جوش مین یہان آکے گوشہ گزین ہو گئی ہین اُنکی تعداد اُن اچھوتیون سے بھی زیادہ ہے -

بادشاہ اور اُسکے تمام اہل دربار اور تمام اہل شہر کا معمول ہے کہ ہر روز صبح کو اس کنیسے کی زیارت کے لیے آیا کرتے ہین - اور سال مین ایک بار خود پوپ روم اس کی زیارت کو آتا ہے - بادشاہ شہر سے باہر چار میل جا کے خود اُس کا استقبال کرتا ہے - سامنا ہوتے ہی ادب سے پاپیادہ ہو جاتا ہے - شہر کے اندر اُسکی سواری کے آگے آگے پیدل چلتا ہے - اور جب تک قسطنطنیہ مین اُس کا قیام رہے - روز بلا ناغہ صبح وشام کو اُس کے سلام کو حاضر ہوتا ہے -

ابن بطوطہ اس کنیسے کے اندر کے حالات نہیں دیکھ سکا جس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ تارک الدنیا بادشاہ سابق کے ساتھ کنیسے کے اندر جانے لگا تو اُن راہبوں نے جو دربانی کی خدمت بجا لا رہے تھے روکا۔ اور بادشاہ نے ترجمان کے ذریعے سے اُسے بتایا کہ یہاں معمول ہے کہ جب تک کوئی صلیب کا سجدہ نہ کرے اندر نہیں جانے پاتا اور اس قاعدے کی اس سختی سے پابندی کی جاتی ہے کہ میں بغیر اسکے آپ کے اندر لے جانے سے معذور ہوں۔ ابن بطوطہ نے شرک کو گوارا نہ کیا۔ اور صاف کہ دیا کہ اگر ماسوا اللہ کا سجدہ کیے بغیر کوئی اندر نہیں جا سکتا تو میں اسکی سیر سے باز آیا۔

ابن بطوطہ آگے بڑھ کے بتاتا ہے کہ آیا صوفیہ کے اندر بہت سے اِستاردمانسٹریاں یعنی خانقاہیں ہیں۔ اور ہر ایک کے متعلق علحدہ عبادت خانہ ہے۔ زنانی اور مردانی دو خانقاہیں پھاٹک میں داخل ہوتے ہی ملتی ہیں۔ جن میں نہریں جاری ہیں۔ ان کے علاوہ بائیں طرف ایک اندھوں کی اور ایک مسلوب الحواس بوڑھوں کی خانقاہ ہے جسکے گرد اُن لوگوں کے رہنے کے حجرے ہیں۔ مجھے یہاں ایک ایسی خانقاہ ملی جس میں شاہی خاندانوں کی پانچ سو کے قریب خوبصورت باکرہ شاہزادیاں تھیں۔ اور ایک دوسری خانقاہ میں اسکے قریب وزیروں اور امیروں کی کنواری بیٹیاں تھیں جو موٹے جھوٹے کپڑے پہنے تھیں اور راہبانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ اُن کے حلقوں میں بیٹھ کے خوبصورت لڑکے ایسی خوش گلوئی سے انجیل پڑھتے ہیں کہ سننے سے دل پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

الغرض ۱۴۵۳ء تک اس کنیسے کی یہی حالت رہی۔ اور مسیحی فرمانروایانِ قسطنطنیہ اُسے روز افزوں ترقی دیتے رہے۔ یہاں تک کہ سنہ مذکور میں سلطان فاتح محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کرکے توحید کے زیر علم کیا۔ اُس وقت سینٹ صوفیا کے کلسوں پر سے صلیب اُتاری گئی اور اُسکی جگہ ترکوں کا نشان ہلال قائم کیا گیا سلطان محمد شہر میں داخل ہوتے ہی پھرتا پھراتا جب سینٹ صوفیا کے صدر دروازے پر پہونچا تو گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اندر داخل ہوکے اُسکی حالت دیکھی اور ساتھ والوں سے کہا "اگر مال غنیمت سپاہیوں کے لیے ہے تو شہر کی عمارتیں بادشاہ کی ہیں۔ اور اسی حق اور اختیار کی رُو سے میں اس معبد کو خداے واحد ذوالجلال

کی مسجد قرار دیتا ہون "۔

یہ کہہ کے سلطان چلا گیا اور اُسی وقت سے اُسکے حکم کی تعمیل شروع ہو گئی۔ مشرکانہ عبادت کے آلات وظروف سمیٹ کے باہر کیے گئے۔ صلیبین اُکھاڑکے دُور کی گئین۔ مورتین توڑکے پھینکدی گئین۔ دیوارون پر جو تصویرین اور صلیبین بنی تھین مٹا دی گئین۔ اور ساری عمارت دھودُھلاکے اور پاک وصاف کر کے خدائے وحدہ لاشریک کا سادہ عبادت خانہ بنا دی گئی۔ بعد والے جمعے کو موذن نے اُونچے مینار پر چڑھ کے نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا۔ اور امام نے جسکے پیچھے خود محمد ثانی شریک جماعت تھا نماز جمعہ اور نماز شکرانہ ادا کی۔ بس اُس وقت سے آج تک یہ عمارت مسلمانون کی مسجد ہے۔

آل عثمان مین پہلی سلطانۂ مسیحیہ

ترکان آل عثمان کا دوسرا تاجدار اورخان ہے جو عثمان خان بانی خاندان کا سعادتمند فرزند تھا۔ اُس کا عہد ۱۳۲۶ء سے لے کے ۱۳۶۰ء یعنی ۳۴ سال تک رہا۔ اریکہ آرائی کے اعتبار سے گو کہ وہ اپنے خاندان کا دوسرا تاجدار تھا مگر سچ یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ اُسی کے عہد سے ایک ترقی کرنے والی زبردست سلطنت بننا شروع ہوئی۔ اُس زمانے تک اُدھر کی تمام اسلامی قلمروون مین پُرانا سلجوقیون کا سکہ مروج تھا اورخان نے خاص اپنے خاندان کا سکہ جاری کیا۔ سب کے پہلے اُس نے شہر بروصہ پر قبضہ کرکے اُسے اپنا مرکز حکومت بنایا۔ عالیشان جامع مسجد۔ شاہانہ عظمت وجلال کے دارالعلوم۔ اور رفیع الشان خیرات خانے سے اُس نے اپنے اُس نئے دارالسلطنت کو رونق دی۔ اور اُسے ایک اسلامی شہر بنا دیا۔ توحید کی صدا بلند ہوتے ہی نیقیہ کا عیسائی کلیسیا (فرقہ) فنا ہو گیا۔ اور جس طرح خدا کے شریک دیوتاؤن کے مندر مسیحیت کی صدا سے منہدم ہوے تھے ویسے ہی اب بیٹے والے خدا کے معبد خدائے "لم یلد ولم یولد" کے آگے سربسجود ہو گئے۔

چند ہی روز مین اورخان نے مسیحی دولت یونان کے اُن شہرون اور علاقون پر قبضہ کر لیا جو ایشیاے کوچک مین واقع تھے اور جنھین یونانیون کی قدیم مہابھارت جنگ ٹراے سے تعلق تھا۔ اُن دنون یونانی سلطنت جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا وحشی

بلغاریون کے دست ستم سے خائف تھی - وارثان سلطنت مین جھگڑے تھے - اور سلطنت یونان اپنے پڑوسیون کا نام لینے کے دوہائی دے رہی تھی -

اسی اثنا مین ترکون نے اپنی بحری قوت مضبوط کرنا شروع کی تاکہ جزائر یونان اور بلاد یورپ پر حملہ آور ہون - ترک اُدھر بڑھنے کا منصوبہ دل مین ٹھہرا ہی رہے تھے کہ "کانتا کوزین" نے جو ولی کی حیثیت سے نظم ونسق سلطنت کا ذمہ دار تھا بلغاریون کی آفت سے بچنے کے لیے اُنھین خود ہی اپنی مدد پر بُلایا - یہ مدد نہایت ہی فیاضی اور کشادہ دلی سے دی گئی - ایک ترک سردار اپنے زبردست لشکر کو جہازون مین بٹھا کے ساحل بلقان پر لے گیا - ساری فوج جہازون ہی پر چھوڑی اور تھوڑے سے منتخب جوانمردون کے ساتھ شہر ڈیموٹکا مین پہونچا - جہان یہ حالت تھی کہ "کانتا کوزین" منہ چھپا کے سرویا کی طرف بھاگ گیا تھا - لوگون کو خبر بھی نہ تھی کہ زندہ ہے یا مر گیا - اُسکی بی بی "ایرینہ" شہر کے اندر محصور تھی - اور بلغاری محاصرہ کیے ہوے تھے - ترکون نے پہونچتے ہی بلغاریون کو بھگا دیا - اور اگرچہ سخت سردی کا موسم تھا مگر فصیل شہر کے باہر اُتر پڑے -

ملکہ ایرینہ نے اظہار شکر گذاری کے لیے بہت سے قیمتی تحفے دیا اور نفیس گھوڑے ہدیۃً نذر کیے اور سردار عساکر ترک کو اپنے محل مین بہ طریق دعوت بُلایا - اُسکی دلچسپی کے لیے بڑے بڑے سامان کیے - اور کہلا بھیجا کہ "جلدی تشریف لائیے مین آپ کی منتظر ہون" - مسلمان سردار ترک نے اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا مگر کہین خیال کیا گیا کہ شاید سردار ترک اس لیے عیش کدۂ شاہی مین نہین آتا کہ اُس کے ہمراہی شہر کے باہر برف اور سردی مین پڑے اکڑ رہے ہین - وہ نہین چاہتا کہ اپنے رفیقون کو تکلیف مین چھوڑ کے خود دعوت کھائے اور قصر شاہی مین عیش منائے لیکن نہین مسلمان سردار کا معیار شرافت یونانیون کے خیال و مذاق سے بہت بلند اور نہایت شریفانہ تھا - اُس نے کہلا بھیجا "میرا نفس اس بات کو گوارا نہین کرتا کہ میرا جو برگشتہ بخت دوست گھر سے غائب اور خانمان برباد ہے اُسکی غیبت مین اُسکی جورو کے پاس اُٹھون بیٹھون اور اُس سے ہمصحبت ہون" - یہ ایک ایسی اعلےٰ تہذیب تھی جس سے یورپ والون کے کان اُسوقت تک ناآشنا تھے - الغرض اُسنے

جہان تک بنا حاکم یونان "کانتا کوزین" کی جستجو کی - اور جب اُس کا پتہ نہ لگا تو بغیر اس کے کہ اُس کی بی بی سے تنہائی میں ملے بہت سا مال غنیمت اور بہت سے لونڈی غلام جو دشمنوں سے ملے تھے لے کے واپس چلا آیا -

مورخین یورپ کہتے ہیں کہ ترکوں نے دول لقان کو باہم لڑا کے اُس ملک پر قبضہ کر لیا - مگر دغابازی کے اس فن کے اُستاد رومی تھے - مسلمانوں اور ترکوں کو یہ کاٹ بچالس نہیں آتی تھی - اُن کا قدم خالص ہمدردی کے خیال سے پہلے پہل یورپ میں گیا تھا - لیکن اس موقع پر یورپ والوں نے اُن کی زبردست بحری قوت کو دیکھ کے کوشش کی کہ اُن کا استیصال کر دیں - چنانچہ قبلۂ و کعبہ جناب پوپ نے اُنکے خلاف جہاد (کروسیڈ) کا فتوے دے دیا - شاہ قبرس - سلطنت جمہوری وینس - اور سینٹ جان کی نیچھ والے مذہبی بانکے جو صلاح الدین اعظم کے ہاتھوں بیت المقدس سے نکالے گئے تھے اور مسیحی دنیا میں خدائی فوجدار بنے پھرتے تھے مع حوار میں حضرت پوپ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوے - مگر لڑائی میں اپنا رنگ کچھ ایسا بگڑتا نظر آیا کہ گھبرا گئے اور دب کے صلح کر لی -

ان موافقانہ و مخالفانہ واقعات نے پوپ صاحب کو تو ترکوں کی قوت توڑنے کی مصلحت سوجھائی - لیکن ترکوں کو جو مصلحت سوجھی وہ انوکھی دلچسپ اور مزیدار تھی - وہ یہ کہ حاکم یونان سے قرابت پیدا کی جائے - سلطان آدرخان نے کانتا کوزین کی حسین و نازنین حوروش و پری جمال بیٹی تھیوڈورا کو کہین دیکھ لیا تھا - اور دیکھتے ہی اُسکے رُخ زیبا پر فریفتہ ہو گیا تھا - اس پولٹکل مصلحت کا خیال آتے ہی کانتا کوزین سے باادب و تہذیب درخواست کی گئی کہ "اگر آپ اپنی بیٹی تھیودورا کو میرے عقد نکاح میں دے دیں تو میں آپ کا دوست بن جاؤں اور ایک ادنیٰ خادم اور بیٹے کی طرح آپ سے پیش آیا کروں"

• شریعت اسلامیہ نے کتابیہ یعنی نصرانیہ اور یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح پہلے ہی سے جائز بتایا تھا - مسیحیت کی پُرتعصب دنیا میں اس کا فتوے حاصل کرنا البتہ دشوار نظر آتا تھا - لیکن جب شہنشاہ قسطنطنیہ کو اس قرابت میں اپنی پولٹکل مصلحت نظر آئی تو یونانی کلیسا نے بھی ذوق و شوق سے اجازت دے دی اور قسطنطنیہ

کے محل مین شاہانہ جشن کا سامان شروع ہوتے ہی جوش و خروش سے ہر بائے گائے جانے لگے -

خود آورخان دُلھن کو بیاہنے نہین گیا بلکہ اُس کی جگہ اُس کا سفیر اور بہت سے معزز سرداران ترک ۳۰ جہازون پر سوار ہو کے گئے - اور مقام تیلیبریا مین پہونچے جہان دُلھن والون کی طرف سے جشن طرب منعقد ہونے والا تھا - شاہانہ جاہ و جلال سے ایک عالیشان کوشک بنا کے مجلۂ عروسی کی طرح آراستہ کی گئی جسکے چارون طرف ریشمی زرکار پردے پڑے ہوے تھے اور آراستگی کا کوئی سامان نہین اُٹھا رکھا گیا تھا - صبح کا سہانا وقت تھا کہ مسلح فوج زرق برق وردیان پہنے صفین باندھ کے گرد کھڑی ہوگئی - کُل ادنیٰ و اعلیٰ افسر ادب سے پا پیادہ کھڑے تھے فقط سردار کا تنا کوزین گھوڑے کی پیٹھ پر تھا - کوشک کے اندر ایک مرصع تخت زرین پر مہ جبین تھیوڈورا بڑے بناؤ چُناؤ کے ساتھ لا کے بٹھائی گئی - وہ پُرتکلف بھاری کپڑے پہنے تھی - سر سے پانوُن تک زیور و جواہرات سے آراستہ تھی بڑی بڑی ہوشیار مشاطاؤن نے اُس کا سنگار کیا تھا - اور وہ ایک آسمانی دیوی یا حور بنا کے اپنے تخت زرنگار پر انداز و نزاکت سے بٹھائی گئی -

جب سب سامان درست ہو گیا تو ایک تُرہی بجی - اور اُس کی طلسمی آواز کے ساتھ ہی تمام حاضرین اور سمدھیانے والون یعنی سرداران ترک کو ایک جادو کا سا کارخانہ معلوم ہوا - یعنی وہ تمام زرنگار پردے ایک چشم زدن مین خود بخود کھنچ کے غائب ہوگئے - اور نظر آیا کہ مشعلین بلند ہین - مہتابین چھوٹ رہی ہین ملائک فریب تھیوڈورا اپنے زرنگار مرصع تخت پر جلوہ افروز ہے - اُس کی ماں شہنشاہ بیگم ایرینہ اُسکے برابر بیٹھی شوق و محبت کی نگاہون سے بیٹی کے پروان چڑھنے کا تماشا دیکھ رہی ہے - اور صدہا خواجہ سرا - فرشتہ صورت غلام اور حور طلعت کنیزین آگے پیچھے اُسکے گرد حلقہ باندھے ہوے ہین جو ادب کے ساتھ گھٹنے ٹیکے اور ہاتھ جوڑے ہین - گویا سب اپنی پری رخسار دیوی کی پرستش کر رہے ہین پردون کے ہٹتے ہی ہر چہار طرف باجے بجنا شروع ہوے - نفیری اور شہنائی کا نغمہ بلند ہوا - نقارون پر چوبین پڑین - ڈومنیون نے ہریالی بنو کا ترانہ گایا - اور

مستند شعرائے زمانہ نے اُس کی مدح کے قصیدے سنائے۔ اس شان اور آن بان سے بغیر اس کے کہ گرجے مین عقد نکاح کی کوئی رسم ادا ہو دُلھن رخصت کر کے ترک سفیرون کے سپرد کر دی گئی۔ اور خان نے صرف اس بات کا اقرار کیا تھا کہ دُلھن اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہ کی جائے گی۔ اور کسی مسیحی رسم کو نہین قبول کیا تھا جیسے ہی دُلھن کی سواری بروسہ مین پہونچی اور خان نے اپنے چارون بیٹون اور تمام بیبیون۔ حرمون اور مخصوصین دربار کے ساتھ شہر کے باہر آکے استقبال کیا۔ یہان اسلامی اصول کے مطابق عقد نکاح ہوا۔ اور تھیوڈورا مسلمانون کی سلطانہ بن گئی

ہندوستان کے بانکے

انگریزی حکومت سے پہلے جب دہلی کا دربار مغلیہ برقرار تھا۔ پھر اُسکے بعد لکھنؤ مین جب اودھ کی چند روزہ سلطنت قائم تھی ہمین بانکون کا ایک عجیب وغریب گروہ نظر آتا ہے جن کا انجام یہ ہے کہ اُن کا کہین پتہ نہین اور آغاز یہ تھا کہ تاریخ سے کہین سراغ نہین لگتا کہ یہ گروہ کب پیدا ہوا اور اسکی بنیا دکیونکر پڑی؟

ہمارے یہ قومی سپاہی جو "بانکے" کہلاتے تھے اپنی زندگی سپہ گری کی نذر کر دیتے۔ سوتے جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے۔ ہر وقت پورے اسلحۂ جنگ سے آراستہ اور اوپچی بنے رہتے۔ یکرنگی ویک وضعی کو اپنا شعار جانتے۔ اور اس بات کی دُھن تھی کہ ہماری ہی بات سب پر بالا ہے۔ باوجودیکہ وہی مروج ومتداول اسلحہ سب کے پاس ہوتے مگر ساتھ ہی ہر ایک اپنی کوئی خاص دھج اور اپنا کوئی مخصوص باناز رکھتا۔ جس کو مرتے دم تک نہ چھوڑتا۔ اور اسکی تاب نہ لاسکتا کہ اس دھج یا شعار کو کوئی اور بھی اختیار کرے۔

پہلے پہل ان بانکون کا نام محمد شاہ رنگیلے کے زمانے مین سُنا جاتا ہے۔ پُرانے راوی اور یادگار زمانہ بڈھے بیان کرتے ہین کہ محمد شاہ کے پاس ایک لشکر بانکون کا تھا اور ایک زنانون کا۔ اور نادر شاہ کے مقابلے مین اگر کچھ لڑے تو یہی لوگ لڑے۔ بانکے جانین دینے پر تُلے ہوے تھے۔ اور زنانے عورتون کی طرح "اوہی" کہہ کے تلوار مارتے تھے۔ اُس زمانے کے بعد جب دہلی اپنے باکمالون اور ہر فن کے

اُستادوں کی قدر کرنے کے قابل نہ رہی تو اُن کا رُخ اودھ کی طرف پھر گیا اور قدردانی کی اُمید میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ دہلی چھوڑ چھوڑ کے یہاں آنے لگا۔ اب یہ لوگ فیض آباد اور لکھنؤ کی سڑکوں پر ٹہلتے نظر آتے تھے۔ مگر یہاں زنانے سپہ گروں کا تو پتہ نہ تھا۔ ہاں بانکے تھے جن کی روز بروز کثرت ہوتی جاتی تھی۔

بادی النظر میں خیال ہوتا ہے کہ تمام بانکوں کی ایک سی وضع ہوگی۔ مگر ایسا نہ تھا۔ ان میں سے ہر فرد اپنے بانکپن کو ایک نئے عنوان سے اور نئی شان سے ظاہر کرتا۔ پہلے عام وضع یہ تھی کہ سر کو چندیا سے گدی تک منڈاتے اور دونوں طرف کے پٹوں میں سے ایک تو کانوں تک رہتا اور دوسرا شانوں تک لٹکتا۔ بلکہ کبھی اُس کی چوٹی گوندھ کے ایک طرف سینے پر ڈال لی جاتی۔ اسکے بعد جدتیں ہونا شروع ہوئیں اور ہر بانکے نے اپنے لیے کوئی نئی دھج ایجاد کی۔ کسی صاحب نے ایک طرف کی مونچھ اس قدر بڑھائی کہ وہ بڑھتے بڑھتے چوٹی سے بوس و کنار کرنے لگی۔ کسی صاحب نے پگڑی کا شملہ بجائے پیٹھ کے ایک طرف شانے پر ڈال لیا۔ کسی صاحب نے پائجامے کا ایک پائنچا اس قدر نیچا کر لیا کہ زمین بوس ہو رہا ہے اور دوسرا پائنچا اس قدر اُٹنگا رکھا کہ آدھی پنڈلی کھلی ہوئی ہے۔ کسی صاحب نے لوہے کی ایک بیڑی پاؤں میں ڈال کے اسکی زنجیر کمر میں اٹکا لی اور اُسے کھڑکاتے ہوئے پھرنے لگے۔ کسی صاحب نے یہ ترقی کی کہ بہت سے روپیوں میں دونوں طرف کُنڈے لگا کے اور اُنھیں باہم جوڑ کے ایک نئی قطع کی نقرئی زنجیر بنائی۔ پھر اُسکے دونوں سروں پر چاندی کے دو حلقے لگائے۔ ایک حلقے کو ایک طرف کے پاؤں میں ڈال لیا اور دوسرے کو اُسی طرف کے بازو میں یا شانے پر اٹکا لیا۔ اور نہایت غرور و تمکنت کے ساتھ زنجیر بجاتے ہوئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ غرض جتنے بانکے تھے اُتنی ہی دھجیں تھیں۔ اسی قسم کی جدت طرازیاں اسلحہ کے متعلق تھیں۔ کوئی صاحب دودھارا تیغہ ہاتھ میں رکھتے جو ہر وقت برہنہ اور ہوا سے لڑتا رہتا۔ کوئی صاحب رستم و نریمان کے زمانے کا وزنی سلاح گرز لیے پھرتے۔ کوئی صاحب تبر کاندھے پر رکھے نظر آتے۔ اور ساری دنیا کو اپنی نظر میں ہیچ خیال کرتے۔

ان لوگون کے باہر نکلنے کی یہ شان تھی کہ تبختر و نخوت کے ٹھاٹھ سے اپنے او پر ناز کرتے ہوے چلتے - ہر ایک پر کڑوے تیوڑ اتے - اور اگر کہین کسی کو دیکھ لیتے کہ انھین کا بانا اور شعار اُس نے بھی اختیار کرلیاہے تو بلا تامل ٹوک بیٹھتے - اور کہتے "آئیے ہم سے آپ سے دو دو ہاتھ ہو جائین - یہ بانا یا تو ہمارا ہی ہوگا یا آپ ہی کا ہوگا"

اس سے زیادہ قیامت یہ تھی کہ ان لوگون کا تبختر - ان کا فخر و ناز - ان کی چال ڈھال - ان کی وضع قطع اور ان کے مخصوص شعار - سب چیزون کی یہ حالت تھی کہ دیکھتے ہی انسان کو بے اختیار ہنسی آجائے - مگر کس کی مجال تھی کہ اُنکی طرف دیکھ کے مُسکرا بھی دے - انھون نے کسی کو جھوٹون بھی مسکراتے دیکھا اور قرابنیچہ پر ہاتھ جا پڑا - پھر اُسوقت اگر کوئی ایسے ہی بُردبار بانکے ہوے تو اُسے خوشامد درآمد کرکے عفو تقصیر کا موقع بھی ملا ورنہ بلا تامل قرابنیچہ جھونکدیا اور اپنی راہ لی -

یہ مجال نہ تھی کہ کوئی بانکے صاحب کسی صحبت مین ہون اور کوئی اُنکی بات ڈُلکے یا اُن پر اعتراض کرے - نتیجہ یہ تھا کہ بڑھ بڑھ کے باتین بناتے - لاف زنی کرتے - زٹلیین اُڑاتے اور جھوٹ کے پُل باندھتے مگر کسی کو جرأت نہ ہوسکتی کہ چون کرے یا مسکرائے - مشہور ہے کہ ایک بانکے صاحب چند مہذب لوگون کی محفل مین کہنے لگے "اجی فلان راجہ کی گڑھی پر جب ہم نے سو آدمیون سے دھاوا کیا ہے تو ہر سپاہی کے گلے مین پانچ پانچ ڈھولین تھین - اور ہمارے سو آدمی پانسو ڈھولین بجاتے ہوے جا پڑے" اور تو کس کی مجال تھی کہ ایک بانکے کی زبان پکڑے ؛ سب خاموش بیٹھے رہے مگر ایک نوجوان کی زبان سے نکل گیا "خیر پانچ ڈھولین تو گلے مین ڈال کے شاید راون کے سر کی طرح چارون طرف پھیلا لی ہون - مگر ہر آدمی پانچ پانچ ڈھولین کن ہاتھون سے بجاتا ہوگا؟" یہ سنتے ہی بانکے حضرت آگ بگولا ہو گئے - تلوار سیدھی کی اور ڈانٹ کے کہا "این! یہ ہمپر اعتراض! تو ہم جھوٹے ہوے؟" سب نے کہا "آپ کو جو جھوٹا کہے وہ خود جھوٹا - یہ لڑکا بزرگون کی کیا قدر جانے؟ آپ اپنی طرف دیکھین"

دُھن کے اس قدر پکے تھے کہ کسی کا دباؤ ہی نہ مانتے - یہان تک کہ بعض بعض

بہت اعلیٰ درجے کے بانکے بادشاہوں اور حکام وقت کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔
نواب سعادت علی خان کے زمانے مین دہلی کے آئے ہوے مشہور بانکون مین ایک
میرزا جہانگیر بیگ تھے۔ اُن کا نوعمری کا زمانہ تھا۔ باپ نواب صاحب کے
درباریون مین تھے۔ جہانگیر بیگ کی شورہ پشتی کی خبر کئی بار سُن کے نواب سعادت
علی خان خاموش ہو رہے۔ مگر آخرکار ایک دن بہت برہم ہوے۔ اور اُن کے
والد سے کہا "آپ کے صاحبزادے کی شورہ پشتیان حد سے گذرتی جاتی ہین۔
اور اُنھون نے سارے شہر مین اُدھم مچا رکھا ہے۔ اُن سے کہہ دیجیے گا کہ اپنے
اس بانکپن پر نہ بھولین۔ ناک نہ کٹوالی ہو تو مین سعادت علی خان نہین"۔ باپ
خود ہی بیٹے کی حرکتون سے عاجز تھے۔ عرض کیا "خداوند۔ اُس کی شرارتون
سے غلام کا ناک مین دم ہے۔ ہزار سمجھاتا ہون نہین مانتا۔ شاید حضور کی یہ دھمکی
سُن کے سیدھا ہو جائے"۔ یہ کہہ کے گھر آئے اور بی بی سے کہا "تمھارے
صاحبزادے کے ہاتھون زندگی سے عاجز آگیا ہون۔ دیکھیے اس نالایق کی
حرکتون سے ہماری کیا گت بنتی ہے؟ جی چاہتا ہے نوکری چھوڑ دون۔ اور کسی
طرف منہ چھپا کے نکل جاؤن"۔ بی بی نے کہا "اے تو کچھ کہوگے بھی؟ آخر
ہوا کیا؟" کہا "ہوا یہ کہ آج نواب صاحب بہت ہی برہم بیٹھے تھے میری صورت
دیکھتے ہی کہنے لگے اپنے بیٹے سے کہہ دینا کہ مین سعادت علیخان نہین جو ناک نہ کٹوالی
ہو"۔ اتنے مین میرزا جہانگیر بیگ جو کہین باہر گئے ہوے تھے گھر مین آ گئے۔ ماں
نے کہا "بیٹا خدا کے لیے اپنی یہ حرکتین چھوڑ دو۔ تمھارے ابّا بہت ہی پریشان
ہین"۔ میرزا صاحب نے کہا "میرا کچھ قصور بھی بتایئے گا یا خالی الزام ہی دیجیے گا"
باپ نے کہا "کوئی ایک قصور ہو تو بتایا جائے؟ تم نے وہ سر اُٹھا رکھا ہے کہ سارے
شہر مین آفت مچ گئی۔ آج نواب صاحب کہتے تھے کہ اپنے صاحبزادے سے
کہہ دینا مین سعادت علی خان نہین جو ناک نہ کٹوالی ہو"۔ باپ کی زبان سے
اتنا سنتے ہی مرزا صاحب کو جو طیش آیا تو کمر سے پیش قبض نکال لی۔ اور خود ہی
اپنی ناک کاٹ کے باپ کی طرف پھینکدی۔ اور بولے "بس اسی ناک کاٹنے کی
نواب صاحب دھمکی دیتے ہین؟ لیجیے یہ ناک لیجا کے انھین دے دیجیے"۔ یہ

دیکھتے ہی ماں باپ دونوں سناٹے مین آگئے۔ اور جب باپ نے بیٹے کی ناک نذر کے طریقے سے نواب صاحب کے سامنے پیش کی اور واقعہ بیان کیا تو وہ بھی دم بخود رہ گئے۔ اور معذرت کرنے لگے کہ "بھئی میرا یہ منشا نہ تھا۔ مین تو سمجھا تھا کہ اس دھمکی سے انھین تنبیہ ہو جائے گی"۔ باپ نے کہا "خداوند۔ ایسا نالائق اور اپنی دُھن کا پکا ہے کہ کسی کا زور ہی نہین چلتا۔ جسے نہ جان کا خیال ہو نہ عزت آبرو کا۔ اُسکے مُنہ کون لگے؟"

اس واقعے کے بعد مرزا جہانگیر بیگ نکٹے مشہور ہو گئے۔ اور اب اتنے بڑے زبردست اور سند یافتہ بانکے تھے کہ شہر کے سارے بانکے اُن سے دبتے تھے۔ سیکڑون بانکے انکے شاگرد۔ انکے حکم کے تابع۔ بے عذر فرمان بردار۔ اور اُنکے جتھے مین بھی شریک تھے جن سے سارا شہر کانپتا تھا۔ یہان تک کہ ایک مشہور بھانڈ نے نواب سعادت علی خان کے سامنے کوئی گستاخانہ نقل کی تو اُنھون نے ہنس کے کہا "میرے سامنے تو جو چاہتا ہے کہ جاتا ہے جب جانون کہ تو میرزا جہانگیر بیگ نکٹے پر کوئی فقرہ تیز کرے"۔ اُس نے عرض کی "خداوند کہو تو جاؤن گا مگر حضور بچا لینے کا اقرار فرمائین"۔ نواب نے وعدہ کیا۔ اور اُسکے دو چار روز بعد ایک دن میرزا جہانگیر بیگ پورے اسلحہ لگائے دریا کنارے اپنی نشست مین مونڈھے پہ بیٹھے تھے۔ پچاس ساٹھ شاگردون اور بانکون کا گرد جمع تھا کہ وہ بھانڈ ایک لُنگ باندھے ہوے دریا سے نکل کے آیا۔ اسکی صورت دیکھتے ہی میرزا جہانگیر بیگ نے کہا "اخاہ تم ہو؟ اچھے تو رہے"۔ یہ سنتے ہی وہ آداب بجا لایا۔ سامنے آکے زمین پر بیٹھ گیا۔ اور اُنکے چہرے کی طرف ہاتھ اُٹھا کے کہنے لگا "خداوند۔ آتی کٹ گئی۔ اور یہ جو رہی ہے یہ بھی کٹ جائے گی!" ایک بھانڈ کی زبان سے یہ جملہ سنتے ہی میرزا جہانگیر بیگ کو ایسا طیش آیا کہ مارے غصے کے اس قدر کانپے کہ ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ اور وہ بے تحاشا بھاگ کے پانی مین کود پڑا۔ دو چار غوطے لگائے۔ اور پانی ہی پانی کسی طرف نکل گیا۔ اب میرزا صاحب کے جتھے کے لوگ ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ کہین ملے تو حرامزادے کو مار ڈالین۔ آخر ایک دن نواب سعادت علی خان نے اُسے میرزا جہانگیر بیگ کے قدمون پر گروا کے

کہا "بھئی اس کی بات کا بُرا ماننا ہی کیا؟ یہ تو سنجھے بھی کہ جاتا ہے" اور اُس کا قصور معاف کروا دیا۔

شاہی کے آخر زمانے تک اِن لوگون کا بڑا زور رہا۔ اور بانکپن مین کچھ ایسی امتیازی صورتین تھین کہ اکثر شریف زادے خصوصًا وہ جنھین سپہ گری کا شوق ہوتا بانکے بن جاتے۔ اور اپنی کوئی خاص وضع بنا لیتے۔ اگر قاعدے اور سلطنت کی قوت کے ساتھ کوئی ایسا گروہ موجود ہوتا تو در اصل یہ لوگ سلطنت کے قوتِ بازو ثابت ہوتے۔ اور اُن کی ذات سے قوم و ملک کو بڑا نفع پہونچتا۔ لیکن بدنصیبی سے جن دنون بانکون کا گروہ پیدا ہوا ہے دہلی و لکھنؤ کی دونون سلطنتین نہایت کمزور اور عجیب غیر منتظم حالت مین تھین۔ اور یہی بانکے جو بائیٔ ناز اور روزبعہ عروج ہو سکتے تھے اُنکے لیے باعث زوال بن گئے۔ سلطنت اُنکو دبا نہ سکتی تھی۔ اور اُن کی خودسری و سرکشی سے آئے دن شہر کے گلی کوچون مین خانہ جنگیاں ہوا کرتی تھین۔ جن لوگون کو اُن کے ہاتھ سے آزار پہونچتا سلطنت اُن کی دادرسی نہ کر سکتی۔ اور اُنھون نے اپنے ایسے ایسے جتھے بنا لیے تھے کہ بڑے بڑے رسالدارون کو بھی اُن سے دب جانا پڑتا تھا۔

ان مین باوجود احمقانہ تبختر و غرور کے یہ خاص بات تھی کہ ہندوستان کے بلکہ شاید ساری اگلی دنیا کے کج خلق پھکڑون کے خلاف یہ نہایت ہی مہذب سپاہی تھے۔ اور اُن لوازم اخلاق کو جو دو مہذب و شایستہ دوستون مین ہوا کرتے ہین اپنے حریف کے ساتھ برتتے تھے۔ کسی ادنیٰ درجے کے سپاہی سے لڑنا اور مقابلہ کرنا اپنی شان و وضع کے خلاف اور موجب توہین تصور کرتے شریف حریف ہی سے لڑتے اور پھر اُسکے ساتھ شرفا کا سا برتاؤ بھی کرتے۔ اکثر یہ ہوا کہ دو بانکون مین لڑائی ہوئی اور لڑائی مین بھی دونون کو اس کا لحاظ ہے کہ کوئی بات حریف کی عزت و حرمت یا مرضی و شان کے خلاف نہ ہونے پائے۔ ایک کہتا "پہلے آپ وار کرین"۔ دوسرا کہتا "نہین پہلے آپ۔ یہ نہین ہو سکتا"۔ پھر جب حریف کمزور ثابت ہو جاتا تو فورًا لڑائی سے ہاتھ روک لیتے۔ اور پھر اُسکے حق مین اُن سے زیادہ کوئی مہربان نہ تھا۔ دنیا مین اس کے

نہایت ہی سچے ہمدرد یہ تھے۔ اگر مغلوب میں اپنے پانون سے جانے کے قابل ہوتا تو اُسکے گھر تک اُس کی مشایعت کرتے۔ راستے مین بیسیون جگہ یہ واقعہ پیش آتا کہ یہ کہتے آپ آگے چلیے۔ اور وہ کہتا آپ آگے چلیے۔ بعض بانکون کے واقعات مین مشہور ہے کہ لڑائی کے بعد زخمی حریف کو اُسکے گھر تک پہونچانے گئے اور وہان سے چلے تو حریف دوست نے کہا "تو کیا آپ تنہا جائین گے؟ یہ نہین ہوسکتا" وہ انھین ان کے گھر تک پہونچانے کو آیا۔ اور جب وہ پہونچا کے چلا تو اخلاقًا پھر اُسکے ساتھ ہو لیے۔ اسی اخلاق مین بیچ ہوگئی کہ جب یہ اُسکے گھر پہونچتے ہین تو وہ انکی مشایعت کے لیے انکے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اور جب وہ انکے گھر پہونچتا ہے تو یہ اُسکی مشایعت کے لیے اُس کے ساتھ ہو لیتے ہین۔

اکثر بانکون کی یہ وضع تھی کہ شربتی کے باریک انگرکھے کے سوا کوئی کپڑا نہ پہنتے۔ اور لڑائی مین زرہ پہننا یا ڈھال سے کام لینا بُزدلی اور نامردی خیال کرتے نتیجہ یہ ہوتا کہ حریف کا سامنا ہوتا تو اُس کی تلوار کو گویا ننگے سینے پر لیتے۔ چرکے پر چرکے کھاتے اور اُف نہ کرتے۔ اسی طرح چلّون کا جاڑا اُسی شربتی کے انگرکھے پر گذرتا اور مجال کیا کہ کانپین۔ تھرتھرائین۔ یا زبان سے "سُو! سُو!" کی آواز نکلے بعض اسپر بھی یہ قیامت کرتے کہ اُس باریک لباس پر پانی چھڑکواتے اور جو سردی معلوم ہوتی اور اکڑتے جاتے۔

ان کی آخر زمانے کی عام وضع قطع دکھانے کے لیے ہم ایک بانکے صاحب کی صورت اپنے ناظرین کو دکھائے دیتے ہین جنھین خوش نصیبی سے ہم نے اپنے بچپن مین غدر کے تیرہ چودہ برس بعد مٹیا برج (کلکتہ) مین اپنی آنکھون سے دیکھا تھا۔ یہ صاحب عہد شاہی کے باقیات الصالحات مین سے تھے۔ غدر مین جابجا لڑے۔ جب انگریزون کا تسلط ہوگیا تو ہتھیار پھینک کے بہت دنون تک اِدھر اُدھر چھپتے پھرے۔ اور آخر جب پریشان ہوے تو کلکتے مین آئے کہ واجد علی شاہ کے ظل عاطفت مین باقی ماندہ زندگی بسر کردین۔ اُن سے اگرچہ ہتھیار چھن گئے تھے مگر وضع نہین بدلی تھی۔ یہ ایک کشیدہ قامت دُبلے چھریرے آدمی تھے۔ پیشانی سے گُدّی تک بیچ مین سر مُنڈا ہوا تھا۔ ایک پٹّا بڑا تھا اور ایک چھوٹا۔ اور دونون دو پلڑی ٹوپی اور پگڑی

کے نیچے نکلے ہوئے تھے۔ ڈاڑھی چڑھی تھی اور مونچھیں ہمیشہ کھڑی رہتیں۔ بدن میں کھنچا ہوا چست نیچے دامنوں کا انگرکھا تھا۔ ٹانگوں میں عورتوں کا سا لمبے پائنچوں کا کلیوں دار پائجامہ۔ پیٹھ پر مثلث وضع کا رومال اوڑھے رہتے۔ ہاتھ میں ہر وقت ایک پنکھا رہتا۔ اور لکھنؤ کا خورد نوکا جوتا پاؤں میں تھا۔ مگر یکرنگی کا سب سے زیادہ نمایاں ثبوت یہ تھا کہ یہ سب کپڑے چھینٹ کے اور ایک ہی قسم کی چھینٹ کے تھے۔ جس چھینٹ کا انگرکھا تھا اُسی کی ٹوپی تھی اُسی کی پگڑی تھی۔ اُسی کا رومال پیٹھ پر۔ اُسی کا پائجامہ تھا اُسی کا پنکھا تھا۔ اور وہی چھینٹ جوتے کے بیرونی رُخ پر بھی منڈھی ہوئی تھی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سارے بانکوں کی یہی وضع تھی۔ ممکن ہے کہ انھیں بزرگ نے خاص اپنی یہ وضع رکھی ہو۔

مٹیا برج میں چند روز یہ اسی وضع میں رہے۔ جدھر سے نکل جاتے انگلیاں اُٹھنے لگتیں۔ اور لوگ گھبرا گھبرا کے ان کی صورت دیکھتے اور ہنستے۔ اب انگریزی میں یہ تو مجال نہ تھی کہ کسی کو ہنستے پر ٹوکیں۔ وہ جو مثل مشہور ہے کہ دلی بلی چوہوں سے کان کٹاتی ہے۔ یہ بیچارے خود ہی نظر نیچی کر لیتے۔ اور کوئی چاہے کچھ کہے یا کچھ کرے یہ اپنی آنکھیں جھکائے چلے جاتے۔ مگر باوجود اسکے اکڑ اور تیوروں کا وہی حال تھا۔ کسی محفل میں بیٹھ کے باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ ساری صحبت پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور کسی کی اپنے سامنے کچھ ہستی نہیں سمجھتے۔ جب واجد علی شاہ کا سامنا ہوا تو بادشاہ نے کہا "بھئی چھوٹے خان (یہی ان بانکے صاحب کا نام تھا) اب زمانہ بدل گیا۔ نہ وہ ہم رہے۔ نہ وہ تم رہے۔ اس لیے جس طرح ہماری وضع بدل گئی ایسے ہی اب تم بھی اپنی وضع بدل دو۔" عرض کیا "خداوندا! اب تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ اسے اسی وضع میں گذر جانے دیجیے۔" بادشاہ نے کہا "نہیں تمھیں میرے سر کی قسم اب وضع بدل دو۔ اور سمجھو کہ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا۔" یہ کہہ کے بادشاہ نے ایک خواص کو اشارہ کیا جس نے ایک دوشالہ لا کے اُڑھا دیا۔ جب دوسری وضع کا کپڑا اُڑھا ہی دیا گیا تو مجبور ہو گئے۔ آداب بجا لا کے وہ دوشالا لے لیا۔ اور گھر آئے۔ پھر اسکے بعد جو گھر سے نکلے تو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

چند سال بعد اُنھوں نے مٹیا برج میں انتقال کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انکی موت

پر نہین بلکہ اُنکی وضع بدلنے ہی پر پُرانے بانکون کا خاتمہ ہوگیا -

اس مین شک نہین کہ جب شریف زادون اور عام سپہ گرون مین بانکے بننے کا شوق بڑھا - ادنیٰ و اعلیٰ ہر گروہ مین بانکے پیدا ہونے لگے - اور شہر مین بانکون کی کثرت ہوئی تو بہت سے ایسے بانکے بھی نظر آنے لگے جن مین نہ ویسی شرافت تھی اور نہ ویسی شجاعت - اور جب موقع پڑتا اُن کی کمزوری کھُل جاتی - لیکن اصلی بانکپن مُلک و قوم کا ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کا شریفانہ جوہر تھا - جو مسلمانون کے سوا آخر ایام مین بہت سے ہندوؤن سے بھی ظاہر ہوا - اس اعلیٰ جوہر کا ہندوستان سے مٹجانا اُسکی تاریخ کا ایک حسرتناک ورق ہے -

ہمین اس سے انکار نہین ہے کہ بانکون کی کثرت اور ہتھیارون کے بے روک ٹوک بے ضرورت استعمال نے ملک کے امن و امان مین فرق ڈال دیا تھا - شہر مین روز خانہ جنگیان ہوتین - اور اکثر رہ گذرون پر لاشین پھڑکتی نظر آتین - یہی نہین بلکہ روز بروز ثابت ہوتا جاتا کہ بانکے پیھگر خانہ جنگیون اور باہمی جدال و قتال مین جس قدر زیادہ باکمال اور شجاع ہین اُسی قدر غنیم کے حملے روکنے اور میدان جنگ مین اپنے ابنائے وطن کے ساتھ شریک ہوکے لڑنے مین ناقص و ناکارہ ہین - لیکن اس پر بھی ہم سکتے ہین کہ یہ گروہ مٹنے کے قابل نہ تھا - اور مٹانے کی نہین بلکہ اسکے باضابطہ بنانے کی ضرورت تھی -

یورپ مین بھی ہمین قدیم الایام مین بانکون کا ایک گروہ نظر آتا ہے جو "نائٹ" کہلاتے تھے - موجودہ یورپ کے اعلیٰ دربارون سے فی الحال معزز لوگون کو جو نائٹ کا خطاب ملا کرتا ہے یہ اُسی پُرانے فنا شدہ گروہ کی یادگار ہے - ہم ان مغرب کے بانکون کا حال آیندہ نمبر مین بیان کرین گے -

یورپ کے بانکے نائٹ ٹمپلرز

(۱)

ہم ہندوستان کے بانکون کا حال ناظرین دلگداز کے سامنے پیش کرچکے ہین - اب اُنکے بڑے بھائی یورپ کے قدیم بانکون کا حال بھی سن لیجئے - یورپ کے

ان انوکھے سپاہیوں نے جو سپہگر ہونے کے ساتھ بانکے رسیلے چھیلا بھی ہوتے تھے اپنے لیے "نائٹ" کا لقب اختیار کیا تھا۔

محققین یورپ کا بیان ہے کہ وہاں سپہگری کے پیشے کو خاص معاہدون اور کسی خاص طرز سے اختیار کرنا اہل جرمنی سے شروع ہوا جو رومیون کے عروج کے زمانے مین وحشی وجاہل مگر اسکے ساتھ بڑے جنگجو اور نہایت ہی شجاع خیال کیے جاتے تھے۔ کہتے ہین کہ اُنھین دنون جرمنیا کے جنگلون اور پہاڑون مین بانکے سپاہی بننے کا یہ سادہ اور بھونڈا طریقہ مروج تھا کہ جو نوجوان اس گروہ مین شامل ہونا چاہتا ہو تو پہلے کسی میدان جنگ مین بہادری اور اخلاقی حالت دریافت کرتے۔ اور جب وہ مذکورہ صفات کو اُس مین تسلیم کرتے اور ہر طرح کا اطمینان ہو جاتا تو بزرگون مین سے کوئی شخص اُس کے گال یا شانے پر ایک تھپڑ مارتا۔ جسکے یہ معنی تھے کہ اس ضرب کے بعد وہ پھر کبھی چوٹ نہ کھائے گا۔ وہی بزرگ قوم اُسے ایک ڈھال اور ایک برچھا دیتا۔ اور اُسے اجازت ہوتی کہ اُن اسلحہ کو لیکے میدان جنگ مین جایا کرے۔ جن نوجوانون کو یہ عزت دی جاتی وہ "نیخت" کہلاتے۔ اسی نیخت سے بگڑکے "نائٹ" کا لفظ نکلا ہے۔ جس کی اگلی شان تو بالکل مفقود ہوگئی مگر نام یورپ کے خطابون مین داخل ہونے کی وجہ سے اس وسعت کے ساتھ دنیا مین پھیلا کہ آج ہمارے راجہ صاحبان جہانگیرآباد و محمودآباد ہی نہین ہندوستان کے اکثر والیان ملک۔ سوداگر اور ارض عرب تک کے بعض فرمان روا بھی نائٹ ہین۔

رومیون مین اسکے ہم وزن "میلس" کا لفظ تھا۔ ان مہذب لوگون مین اگرچہ اصلی قوت غریبون ہی کی تھی جو "پیلے ہین" کہلاتے۔ مگر امرا و لوگ گھوڑون پر سوار ہو کے لڑتے اور "بطریق" کہلاتے۔ اور وہ بطارقہ ہی اکثر "میلس" کے لقب سے یاد کیے جاتے۔

یہ اِس زمانے کا ذکر ہے جب جرمنی اور رومی دونون قومین بُت پرست تھین۔ اور دین مسیحی ابھی دنیا مین نہین آیا تھا۔ حضرت مسیح کا دین ابتداءً صرف واعظون سے شروع ہوا تھا اور سپہگری کے بالکل مخالف تھا۔ مگر مدتون مظلوم رہنے کی

وجہ سے مسیحیون کے سینون مین ایک انتقام کی آگ مدت سے دبی چلی آتی تھی جسے قسطنطین اعظم نے اپنی پولٹیکل مصلحتون سے بھڑکا دیا۔ حضرت مسیح کی مصلوبیت کی بنا پر اُس نے صلیب کو مسیحیون کا شعار قرار دیا۔ یہ صلیبی علم ہاتھ مین لیا۔ اور جوش انتقام مین ڈوبے ہوے مسیحی دوڑ دوڑ کے اُسکے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ اس پُرجوش قوت سے اپنے بُت پرست حریف کو شکست دے کے وہ پوری قلمرو روم پر قابض ہوگیا۔ لیکن یہ ایک وقتی اُبال تھا۔ جب مسیحیت کاولت روم کا مذہب بن گئی تو پھر اُسے سپہگری سے کوئی سروکار نہ رہا۔ اس لیے کہ مسیحیت خون ریزی کی مخالف اور لڑنے بھڑنے سے متنفر تھی۔ چنانچہ رومی سلطنت ایک مسیحی دولت بنتے ہی ایسی کمزور ہوگئی کہ گوتھ اور ہن قومون نے اُسے خوب خوب پامال کیا۔ اور آخر عرب لوگ اُٹھے۔ جنھون نے مشرق مین ایشیاے کوچک و شام کو افریقہ مین تمام شمالی ممالک کو رومیون سے چھین لیا۔ جزیرۂ صقلیہ اور خود اٹلی کا کسی قدر جنوبی حصہ عربون کے قبضے مین چلا آیا۔ اور آبناے جبرالٹر سے اُتر کے اُنھون نے پورا ملک اسپین بھی اپنے قبضے مین کرلیا۔

ان دنون یورپ مین فیوڈل سسٹم (حکومت امرا) کا طریقہ جاری تھا۔ سارے ملک کی یہ حالت تھی کہ ہر زمیندار اپنے علاقے اور اپنے گانون یا شہر کا خودسر حاکم اور بادشاہ بنا ہوا تھا۔ اُسکے زیر علم حسب حیثیت سپاہی ہوتے۔ اور اُنھین کے انداز سے اُس کی قوت ہوتی۔ متعدد زمیندارون کے باہم ملنے اور حلیف ہو جانے سے ایک بڑی قوت بن جاتی۔ اور زبردست دشمنون کے مقابلے مین اکثر یہی ہوا کرتا۔

اصلی قوت ان دنون یعنی پیدل سپاہیون ہی کی تھی۔ مگر چونکہ وہ ادنی طبقے کے لوگ ہوتے اس لیے اُن کی قدر نہ ہوتی۔ قدر سوارون کی تھی جو عموماً امیرون اور رئیسون کے اعزا و اقارب اور شرفاے قوم ہوتے۔ اور وہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا نیلیس کہلاتے تھے۔ جن ڈیوکون (شہزادون) اور کانٹون (نوابون) نے شاہی سطوت وشوکت حاصل کرلی ہوتی وہ اپنی قلمرو کے صوبون کو جن لوگون کے ہاتھ مین دیتے وہ "بائرن" کہلاتے۔ اور یہ بائرن اپنے صوبے کو جن عہدہ دارون مین تقسیم کرتے وہ "فائف" کے لقب سے یاد کیے جاتے۔ اور یہ فائف عموماً "پیر" کہلاتے تھے۔

اس تفصیل کے ملاحظے سے ہمارے دوستون کو یورپ کے موجودہ خطابون اور انگریزی معززین کے لقبون کی اصلیت بخوبی معلوم ہو جائے گی۔
"پیر" سے لے کے اوپر تک جتنے معززین تھے گھوڑون پر سوار ہو کے لڑتے۔ اور کسی ادنیٰ شخص کو یہ حق نہ تھا کہ بجز پاپیادہ لڑنے کے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کے میدان جنگ مین آئے۔ اور یہی لوگ ملیس خیال کیے جاتے تھے۔ جب عربون نے اسپین کو لے لیا۔ پھر کوہسار پیرنیز سے نکل کے فرانس پر حملہ آور ہوے۔ اور اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ساری مغربی مسیحی دنیا کو فتح کر لین۔ تو نظر آیا کہ بغیر سپہ گری کو زندہ کیے اور اُسے مذہب کا مقدس لباس پہنائے اپنی وطنی اور قومی عزت کا بچانا دشوار ہے۔ ابتداءً تو کلیسیا نے اس ضرورت کو محسوس کر کے "خاموش بیٹھ رہنا" کا اصول اختیار کیا۔ یعنی اُس کا یہ طرز عمل رہا کہ زبان سے تو کچھ نہ کہا جائے مگر سپہگری کی ترقی کو بظاہر استحسان کی نظر سے دیکھا جائے۔ لیکن رومی سپہ گری بوسیدہ واز کار رفتہ ہو چکی تھی اس لیے جرمنی کا بانکپن اختیار کر لیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ اپنے لقب نخیت کو بھی لایا جو انگریزی مین آ کے نائٹ بن گیا۔ یہ لفظ انگریزی تلفظ مین تو نائٹ ہے لیکن اس کا املا آج تک ایسا واقع ہوا ہی کہ اگر بولنے مین اُسکی پابندی کی جائے تو لفظ "نائٹ" ہی نہ ہو گا بلکہ "کنیغت" ہو گا غرض اب جو بہادر میدان جنگ مین کوئی کار نمایان کرتے۔ اور شجاعت ظاہر کرتے۔ نائٹ مشہور ہو کے ہم وطنون مین معزز و ممتاز ہو جاتے۔ حصول عزت نے لوگون کو زیادہ شوق دلایا۔ اور نائٹون کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی۔ اور چندہی روز مین یہ حالت ہو گئی کہ عوام نائٹون کی بیحد تعظیم و تکریم کرتے اور سلاطین حامی ملک و ملت خیال کر کے اُنھین اپنا سرمایۂ ناز بتاتے۔
اب یورپ مین یہ طریقہ تھا کہ صرف "فائف" اور اُن سے مافوق مرتبون کے لوگ نائٹ بن سکتے۔ کسی عامی کی مجال نہ تھی کہ نائٹ ہونے کا دعوے کرے۔ جو اپنے خاندان کو بے داغ و بے عیب ثابت کر سکتا اور چار ہم مرتبہ نائٹون سے قرابت رکھنے کا مدعی ہو سکتا۔ اُسکے نوجوان لڑکے خاص طریقے اور خاص رسوم کے ساتھ نائٹ بنائے جا سکتے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا کہ کوئی ادنیٰ طبقے کا آدمی سپہ گری

کمال دکھا کے اور بڑے بڑے میدانون مین ناموری حاصل کر کے نائٹ کا درجہ حاصل کر لیتا - اور ایک نیا پیر بن جاتا -

فرانس کے بادشاہ شارلمین کے عہد سے جو سنہ ۲۴۳ محمدی (سنہ ۸۱۴ء) مین دنیا سے رخصت ہوا حروب صلیبیہ کے چھڑنے کے فی مابین جو زمانہ گذرا اُس مین اہل اسپین - فرانس - اور نارمن لوگون کے اوضاع و اطوار مین ایک انقلاب عظیم ہوگیا تھا - جو چند روز کے اندر سارے یورپ مین پھیل گیا - اسی انقلاب کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ سپاہی ملیس سے نائٹ بن گئے - ابتدا ہی سے نائٹ ہونیوالون کو سلاح جنگ کے ساتھ دو ذمہ داریان اپنے سر لینی پڑتین - ایک تو یہ کہ سپہگری کو اپنا پیشہ سمجھین گے اور دوسری یہ کہ حسین عورتون کی خاطرداشت اور خدمت گذاری کرین گے - اس کا پتہ نہین چلتا کہ نائٹون کو عورتون کے ساتھ کیون خصوصیت تھی ؟ اور نازنینان ملک سے خاص تعلقات رکھنا نائٹ ہونے کی ذمہ داریون مین کب اور کیونکر داخل ہوا ؟ مگر اس سے یورپ کی اُسوقت کی اخلاقی حالت عالم آشکارا ہو جاتی ہے - یہ نوجوان نائٹ ہوتے ہی کسی نہ کسی حسینہ کے عاشقون مین شامل ہو جاتا - بلا لحاظ اسکے کہ وہ کس کی بیٹی کس کی بہن اور کس کی جورو ہے - اُس خاتون کو وہ "اپنی خاتون" کہتے - اور اُسکے لیے لڑنے بھڑنے اور کٹنے مرنے پر ہر وقت تیار رہتے - اس قسم کے بہت سے نائٹ اُن دنون ہسپانیہ اور فرانس مین پھیلے ہوے تھے جو مسلمانون سے لڑتے - اور اکثر ناکام و نامراد میدان جنگ سے واپس جاتے - اور یہی تھے جنھون نے ہسپانیہ کے علاقہ قسطلہ اور مملکت فرانس کو عربون کے ہاتھ سے بچا لیا -

نائٹون کی یہی حالت چلی آتی تھی کہ حروب صلیبیہ کا زمانہ شروع ہوا - اور راہبون کے شور و غوغا اور پوپ کے فتوے سے مذہب عیسوی کو سپاہیون کی ضرورت پیش آئی - جو چیز اسوقت تک ازروے دین ناجائز تصور کی جاتی تھی یعنے سپہگری اب وہ عبادات مین داخل ہوگئی - اور نائٹ ہونے مین ایک دینی تقدس پیدا ہوگیا - لہذا اب بجاے اسکے کہ خود نائٹ کسی کو اپنے زمرے مین شامل کرین مقتدایان ملت ملک کے بانکے ترچھے نوجوانون کو نائٹ بنانے لگے

اور پادریوں اور اُسقفوں نے لوگوں کو اِن مقدس زن پرستوں کے زمرے میں شامل کرنے کا یہ طریقہ جاری کیا کہ جسے شوق ہو پہلے چند روز تک روزے رکھے۔ شب زندہ داری وریاضت کرے۔ پھر غسل کر کے سفید کپڑے پہنے (جس میں بپتسما کا اشارہ تھا) اور سب سے بڑے محترم مقتداے دین کے ہاتھ سے تلوار لے جس میں بزرگان دین کی برکت شامل بتائی جاتی۔ اس رسم کے ادا ہو جانے کے بعد وہ "خدا کا سینٹ جارج کا۔ اور سینٹ میکائیل کا بانکا" کہا جاتا۔ اُس سے حلف لی جاتی کہ اپنے بانکپن کے فرائض کو سرگرمی سے ادا کرے گا۔ اپنے آپ کو خدا کا اور حسین عورتوں کا سپاہی تصور کرے گا۔ سچ بولے گا۔ حق کا ساتھ دے گا۔ مصیبت زدہ کی مدد کرے گا۔ ہر ایک کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئے گا۔ دشمنان دین سے لڑے گا۔ ہٹ انکاری۔ غفلت۔ اور اپنی جان بچانے کے جذبات کو حقیر سمجھ کے دل سے نکال ڈالے گا۔ اور اپنی عزت برقرار رکھنے کے لیے سخت سے سخت خطروں کو برداشت کرے گا۔

سپہ گری کے کاموں اور عشق بازی میں ان لوگوں کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بعض بعض جہلا میں خیال پیدا ہو گیا کہ سوا سپہ گری کے اور کوئی پیشہ اختیار کرنا نائٹوں کے لیے حرام ہے۔ اور نائٹوں کو دین کی برکتوں اور فیاضیوں سے یہ حق مل گیا ہے کہ مضرت سے بچنے کے لیے جس کسی سے جب انتقام چاہیں لے لیں۔ یہاں تک کہ قوانین تمدن اور فوجی باضابطگی کے قیود سے وہ آزاد ہیں۔ چنانچہ کسی قانون کا پابند ہونا وہ اپنی ذلت تصور کرتے۔

برچھا نائٹ کا خاص سلاح تھا۔ اُس کا گھوڑا اوروں کے جانوروں سے قد آور۔ بھاری بھرکم۔ اور طاقتور ہوتا۔ ایک خاص ملازم گھوڑے کا دہانہ پکڑے ہوے ہمیشہ اُس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ اور جب تک لڑنے کا وقت نہ آجاتا نائٹ صاحب اُس پر سوار نہ ہوتے۔ وہ کسی اور تیز قدم یابو یا معمولی گھوڑے پر سوار رہتے۔ نائٹ کا خود۔ زرہ۔ موزے۔ اور تلوار خاص شان اور آن بان کے ہوتے۔ میدان جنگ میں اُن کا قاعدہ تھا کہ برچھے کو دشمن کی طرف جھکا کے آڑا کر لیتے۔ اور گھوڑے کو ایڑ بتا کے آگے ریل دیتے۔ میدان جنگ میں ہر نائٹ

کے ساتھ اُس کا ایک وفادار رفیق رہتا جو "اسکوائر" کہلاتا - اسکوائر ہمیشہ اپنے نائٹ کا ہم سن اور شریف النسل ہوا کرتا - اور در اصل وہ نائٹ ہونے کا امیدوار ہوتا - تیر کمان - شمشیر و خنجر - یا اور حربے جن سے نائٹ صاحب لڑتے ساتھ ساتھ رہتے - اور صرف نیزے ہی کا اتنا سامان ہوتا جو پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں پر لدا ہوتا - اور وہ سب لڑائی مین سائے کی طرح اسکے ساتھ رہتے - عرصۂ جنگ مین اُن کا بانا اور اُن کا شعار ہر ایک مین کوئی جدت اور خصوصیت ہوتی -

اس گروہ کے پیدا ہو جانے سے یورپ کے زمیندارون اور سربرآوردہ لوگون کو یہ آسانی ہو گئی تھی کہ اپنے ذاتی جھگڑون مین اُن سے مدد لیتے - اور اُنکی کارگذاریون کا معاوضہ کرتے - گویا فدائی فوجدارون کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کو معتد بہ رقم دے کے جو چاہتا بُلا لیتا - اور اپنے جھنڈے کے نیچے آسانی سے ایک زبردست لشکر جمع کر لیتا -

(۲)

گر یورپ کے ان بانکے نائٹون مین اُس وقت اور زیادہ اہمیت پیدا ہو گئی جب صلیبی مجاہدون کا لشکر بیت المقدس کے فتح کرنے کے لیے یورپ سے چلا - کلیسائے مسیحی نے اپنے برکت کے آغوش مین لے کے اُنھین مذہبی وقعت پہلے ہی دے دی تھی - لیکن جب وہ اپنی جان و مال کو دین کی نذر کر کے جان دینے کے لیے گھرے نکلے اور سینے اور پیٹھ پر صلیبین بنا کے مشرق کی جانب روانہ ہوے تو اُن مین بالکل ایک نئی شان پیدا ہو گئی - اور باعتبار ذمہ داریون اور خدمتون کے اُن مین دو تفریقین ہو گئین -

بیت المقدس مین پہونچنے اور اُس پر قابض ہو جانے کے بعد ان لوگون کو اصلی سروکار تو ہولی سیلکر (کنیسۂ مرقد مسیح) سے تھا مگر حضرت سلیمان کا بنایا ہوا خانۂ خدا جو اب مسلمانون کی مسجد بنا ہوا تھا - جسے مسلمان مسجد اقصیٰ اور مسیحی مسجد عمر کہتے تھے دُنیا کی ایک قدیم یادگار تھا - اور عیسائی بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہی وہ مبارک بقعہ تھا جس پر اس سرزمین مین پہلا معبد الٰہی قائم ہوا - اس مین جتنے مسلمان پناہ گزین ہوے تھے وہ تو کمال بے رحمی سے شہید کیے گئے - اور اُن

حامیان توحید سے خالی کرانے کے بعد ضرورت تھی کہ اُس یادگار زمانہ عمارت سے بھی کوئی کام لیا جائے جس کی تعمیر مین خلفاے بنی اُمیہ نے لاکھون روپے صرف کر دیے تھے۔

چنانچہ صلیبی فاتحون مین سے چند شریف النسل اشخاص مسجد اقصیٰ مین جمع ہوے اور باہم حلف اُٹھائی کہ جو زائرین یہان آئین گے ہم اُن کی حمایت و خبرگیری کرین گے۔ یہ جماعت نائٹ ٹمپلرز (ہیکل سلیمانی والے بانکے) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور اپنے گروہ کو اِن لوگون نے حصول برکت کے لیے وَلی برنارڈ کے نام سے وابستہ کر دیا۔ حرم سلیمانی مین بیٹھ کے اُنھون نے جو حلف اُٹھائی تھی اُسکی رُو سے یہ لوگ صرف دین کے سپاہی بن گئے تھے۔ اُنھون نے دنیا چھوڑ دی تھی۔ وطن بُھلا دیے تھے۔ بیت المقدس کے سوا کسی شہر کو اپنا وطن اور شہر نہ سمجھتے۔ گھربار سے دست بردار ہو گئے تھے۔ اور سوا مسیح کے خاندان کے کسی کو اپنا گھرانا نہ بتاتے۔ جائداد سب کی مشترک رہتی۔ اور مشترک زندگی بسر کرتے۔ ایک ہی سرمایہ سب کی دولت تھا۔ خطرون اور مصیبتون مین ایک دوسرے کے جان نثار تھے۔ گویا ایک قوت اور ایک ہی روح سب پر حکومت کر رہی تھی ان کا سامان زینت صرف ہتھیار تھے۔ ان کے گھرون مین جو عبادت خانون کا حکم رکھتے۔ نہ روپیہ پیسہ ہوتا نہ سامان دولت وحشمت۔ زینت و نمایش کی چیزون سے اُنھین نفرت تھی۔ بہت ہی سادی اور بھدّی چیزون سے اپنے ضروریات زندگی کو پورا کرتے۔ نمایش کے لیے وہان صرف ڈھالین۔ تلوارین۔ نیزے۔ اور مسلمانون سے چھینے ہوے علم نظر آتے۔ لڑائی کا نام سُنتے ہی اپنے فولادی اسلحے لے کے دوڑتے۔ پھر نہ حریف کی کثرت سے ڈرتے اور دشمنون کے جوش و خروش کی پروا کرتے۔ فتحین اُن کا سرمایۂ ناز تھین۔ مسیح کے نام پر جان دینا اُن کی اعلیٰ ترین کامیابی تھا۔ اُنھین یقین تھا کہ فتح صرف خدا کی عنایت سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر کوشش مین جان دے دینا اپنا فرض ہے۔ غرض ان نائٹون کا پہلا گروہ یہ تھا۔

دوسرے گروہ کی بنیاد یون پڑی کہ صلیبی مجاہدین جب یورپ سے چلے

تو ان کے ہمراہ وہان سے ایک ہاسپٹل بھی آیا تھا جو فلاکت زدہ زائرون اور بیت المقدس کے مفلس و شکستہ حال نصرانیون کی خبرگیری کے لیے تھا۔ خصوصاً ان بہادرون کی تیمارداری کے لیے جو مسلمانون سے لڑین۔ اس خدمت کو جن لوگون نے اپنے ذمے لیا وہ بھی ایک قسم کے بانکے تسلیم کیے گئے۔ "نائٹ ہاسپٹلرز" کے نام سے مشہور ہوے۔ اور اُنھون نے اپنے کو ولی یوحنا کی طرف منسوب کرکے اپنا خطاب "نائٹس آف سینٹ جان" یعنی "ولی یوحنا کے بانکے" قرار دیا۔

یہ دونون قسم کے نائٹ فولادی خود اور چار آئینے پہنتے۔ نائٹ آف ہولی سپلکر "(مرقد مسیح کے بانکے) کہلانے کے باعث سب سے زیادہ معزز خیال کیے جاتے اور چونکہ "لاطینی سلطنت ارض مقدس" کو (جو لاکھون کرورون بندگان خدا کے خون کا سیلاب بہا کے عین مسلمانون کے بیچ مین قائم کی گئی تھی) ان لوگون سے مدد ملتی وہ انکی بے انتہا قدر کرتی۔ اور اپنی زندگی کو انھین کے اسلحہ پر منحصر تصور کرتی۔ زائرین یہان سے واپس جا جا کے ساری مسیحی دنیا مین انکی جان بازی اور بہادری کے قصے بیان کرتے۔ چندہی روز مین ان کی اس قدر شہرت ہوئی کہ ہر حصۂ ملک کے اُمرا اور دولتمند خصوصاً وہان کے پُرانے بانکے آ آ کے انکے گروہ مین شامل ہونے لگے۔ اور تھوڑے دنون بعد یورپ کا کوئی نامور اور دولتمند خاندان نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی گروہ اِن مذہبی بانکون اور وضعدار مجاہدون کی جماعت مین نہ شریک ہو گیا ہو۔ ایک تیسرا گروہ ٹیوٹانک نائٹون کا بھی قائم ہو گیا جو نائٹ ٹمپلرز کا ہم مذاق تھا۔ تینون گروہون مین فرق اور امتیاز یہ تھا کہ ٹمپلر سفید چُغہ پہنتے جس پر سرخ صلیب بنی ہوتی۔ ہاسپٹل والے سیاہ چُغہ پہنتے اور اُس پر سفید صلیب ہوتی۔ اور ٹیوٹانک نائٹ سفید چغہ پہنتے جس پر سیاہ صلیب ہوتی۔ نائٹ ٹمپلرز کو جن کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہین خاص مسجد اقصیٰ مین جگہ دی گئی تھی۔

مسجد اقصیٰ کو مسیحی لوگ متبرک نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ اُن کے اعتقاد مین اُس کا سارا تقدس حضرت مسیح کے بعد جاتا رہا تھا۔ اور خدا نے اُس پُرانے عبادت خانے کو چھوڑ دیا تھا۔ انھین تو صرف حضرت مسیح کے مولد و مرقد یا ارض مقدس کے پُرانے

کنیسیون سے کام تھا اس لیے عیسائیون کا قبضہ ہوتے ہی وہ عبدالملک بن مروان کی بنائی ہوئی عالیشان مسجد جو ہیکل سلیمانی کے اصلی آثار پر قائم تھی مسلمانون کا قتل و قمع کرکے قصر شاہی قرار دی گئی۔

ان جنگجو بانکون اور مذہبی فدائیون کے گروہ کی بنیاد یون پڑی کہ فرانس کے علاقۂ برگنڈی کے ایک نائٹ "ہیوڈ پکالنس" نے مع اپنے آٹھ رفقا کے (۱۱۱۸ء) میں بیت المقدس کی اسقف اعظم کے سامنے جاکے حلف اُٹھائی کہ "ہم اپنی زندگی بیت المقدس کے راستون کی نگہبانی اور زائرون کے بحفاظت لے آنے کے نذر کردین گے۔ باضابطہ طور پر قانون ملت کی پابندی کرین گے اور بے انتہا اطاعت کیشی اور خود فراموشی کے ساتھ آسمان کے بادشاہ کی طرف سے جدال و قتال کرین گے"۔ یہ پہلا عہد تھا جس نے ان مذہبی بانکون کے پیدا ہونے کی بنیاد قائم کی۔ اور جب شاہ بیت المقدس بلدون ثانی نے خاص مسجد اقصیٰ کے اندر اپنا کلب قائم کرنے کے لیے جگہ دے دی تو اس نئے گروہ کو اور مضبوطی حاصل ہو گئی۔

دس برس بعد شہر ٹرائے مین منظوری پوپ ہونوریوس ثانی ایک کونسل ہوئی جس مین دینی بانکون کے اس گروہ کے لیے ایک دستور العمل مدون ہوگیا۔ اس مین ۷۲ قاعدے تھے جو پوپ اور اُسقف بیت المقدس کی منظوری سے رائج ہوے۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگون کی دینی جان نثاری اور خاص جانبازی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ ساری مسیحی دنیا گرویدہ ہوگئی۔ اور ہر جگہ اور ہر سرزمین مین اُن کے لیے سرمایہ فراہم ہونے لگا۔ جس مین قوم نے اس قدر مستعدی دکھائی کہ ملوک و امرا اپنی سلطنتین اور ریاستین ان کی نذر کیے دیتے تھے۔ اور اطالیہ سے لے کے اسپین تک ہر چھوٹے بڑے حکمران نے بڑی بڑی جائدادین ان لوگون کی نذر کردین۔ اور یہ گروہ باوجود سادگی اور مشقت و تنگی کی زندگی بسر کرنے کے دنیا کے تمام تاجدارون سے زیادہ دولتمند ہو گیا۔ اسکے ساتھ ہی ہزارہا خلقت گھر بار چھوڑکے اُنکے جھتے مین ملنے لگی۔

ان کا پہلا سرغنا جو "ماسٹر ٹیمپلر" کہلاتا وہی "ہیو" قرار پایا۔ دوسرا ماسٹر اُسکے

بعد رابرٹ ڈکراؤن ہوا۔ اُن کا جانشین "ڈیورآرڈ" قرار پایا۔ اور یونہین ماسٹرون کے انتخاب کا سلسلہ جاری رہا۔ ڈیورآرڈ کے عہد مین ان لوگون کی سپہگری اس قدر کامیاب اور باقاعدہ تھی کہ اکثر سلطنتین اپنی فوجین انھین کے قواعد کے مطابق مرتب کرنے لگین۔ اور اب اس وقت سے ان کی تاریخ دیکھنے کا شوق ہو تو حروب صلیبیہ کی تاریخ پڑھنی چاہیے۔ اس لیے کہ صلیبی لڑائی مین اہم فوجی خدمات یہی لوگ انجام دیتے تھے۔

مگر دولتمندی نے چندہی روز مین اُن کی حالت مین تغیر پیدا کرنا شروع کیا۔ اور ناکامیون مین انکے طرز عمل پر بدگمانیان کی جانے لگین۔ جب ۵۴۳ھ محمدی (۱۱۴۸ء) مین جرمن فرمان روا کونراڈ بیت المقدس مین پہونچا ان لوگون نے اپنے کلب مین اسکی دعوت کی اور اُسے اپنا گرویدہ بنالیا۔ مگر اسی سال جب دمشق کے محاصرے مین مسلمانون نے صلیبیون کو فاش شکست دی اور انھین محاصرہ چھوڑ کے بدحواس بھاگنا پڑا تو اس شکست کا الزام انھین بانکون کے سر تھوپا گیا۔ اور کہا جانے لگا کہ صرف نائٹ ٹمپلرز کی دغابازی سے یہ شکست ہوئی۔ اسکے دوسرے برس شہر غزہ کا قلعہ ان لوگون کے حوالے کیا گیا جسے اُنھون نے خوب مضبوط کیا۔ اسکے چار سال بعد اُن کا ماسٹر ٹمپلرز برنارڈ چالیس نائٹون کو ہمراہ رکاب لے کے بڑی بہادری سے شہر عسقلان مین گھُس پڑا۔ مگر مسلمانون نے گھیر کے اس طرح مارا کہ ان مین سے ایک کو بھی زندہ واپس آنا نہ نصیب ہوا۔ سب مارے گئے۔ اور ہم مذہبون سے یہ داد ملی کہ یہ لوگ خود اپنی حماقت کی نذر ہو گئے اور طمع نے ان کو فنا کر دیا۔ چند روز بعد مشہور ہوا کہ ایک مصری شاہزادہ جو عیسائیون کے ہاتھ مین گرفتار ہو گیا تھا اور دین مسیحی قبول کرنے پر نیم راضی تھا اُسے ان نائٹون نے روپیہ لے کے اہل مصر کے حوالے کر دیا۔ اور اسی طمع مین انکی وجہ سے اور بھی کئی خون ہوے۔

۵۹۵ھ محمدی (۱۱۶۶ء) مین ان نائٹون کو یہ الزام دیا گیا کہ یردن کے پار کا ایک مضبوط قلعہ اُنھون نے روپیہ لے کے نورالدین زنگی کے کسی سردار کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ اس جُرم کی پاداش مین خود مسیحی بادشاہ بیت المقدس اَمَل ریق نے

بارہ ٹمپلروں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ یہی واقعات پیش آ رہے تھے کہ سلطان صلاح الدین اعظم لشکر لے کے مصر سے آ پہونچا۔ ہزاروں نائٹ مختلف میدانوں میں لقمۂ نہنگ شمشیر ہوے۔ اور بیت المقدس اور شام کے تمام شہروں پر اُس نے قبضہ کر کے مسیحی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اُسوقت ٹمپلرز مسجد اقصی اور بیت المقدس کو چھوڑ کے ساحلی شہر عکہ میں ہو پہنچے۔ اور جب ایک زمانے کے بعد عکہ بھی مسیحیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تو طرابلس الشام میں جا کے پناہ گزین ہوے۔

(۳)

اگرچہ ان لوگوں کے بہت سے حالات نومبر ۱۹۱۴ء کے دلگداز میں درج ہو چکے ہیں مگر اُن کے صدیوں کے واقعات اتنے نہیں ہیں کہ چند صفحوں میں ختم ہو جائیں۔ ہمیں اس سلسلے میں ابھی بہت سے حالات وخصائص کا بتانا باقی ہے جو کہ لطف سے خالی نہیں ہیں۔ انکے گروہ یا ان کی سوسائٹی میں تین طرح کے لوگ ہوتے تھے۔ اول خود نائٹ۔ دوسرے چیپلین۔ تیسرے اسلحہ بردار۔ نائٹ دو طرح کے تھے۔ ایک تو وہ جو زندگی بھر کے لیے شریک جماعت ہوتے اور عہد کر لیتے تھے کہ مرتے دم تک اسی گروہ میں رہیں گے۔ اور دوسرے وہ جو کسی محدود مدت تک کے لیے اپنی زندگی نذر کرتے۔ مگر دونوں کو ایک ہی قسم کے اصول وضوابط کی پابندی کرنا پڑتی۔ لازم تھا کہ وہ بلاناغہ گرجے میں آ کے شریک جماعت ہوں۔ صرف وہ نائٹ جو رات کی خدمت میں تھک جاتے اُنھیں خاص صورتوں میں ماسٹر کی اجازت سے گھر پر ٹھہرنے کی اجازت عطا کر دی جاتی۔ روز دو وقت اُنھیں قاعدے کے ساتھ کھانا ملتا۔ اور اگر ماسٹر کسی وجہ موجہ سے اجازت دے دے تو غروب آفتاب کے وقت ایک تیسری نہایت ہلکی غذا بھی مل سکتی۔ گوشت ہفتے میں صرف تین بار ملتا۔ اسکے سوا ہر وقت کے کھانے میں ساگ پات یا نباتی غذائیں ملتیں۔ اور اُن میں بھی وہ جو زود ہضم تصور کی جاتیں۔ کھاتے وقت دو دو آدمی ساتھ بیٹھتے اور دونوں کی نظر ایک دوسرے کے کھانے پر لگی رہتی تاکہ کسی سے کوئی نامناسب حرکت یا خلاف اصول نہ

بے اعتدالی نہ ہونے پائے ۔ شراب تو ہر غذا کے ساتھ مل جاتی مگر یورپ کی آجکل کی "ٹیبل ٹاک" (کھاتے وقت کی گپ شپ) نہ تھی ۔ یہ ہر نائٹ کے لیے لازم تھا کہ جب تک کھانا کھائے خاموش رہے ۔ اُسوقت ایک مذہبی وعا پڑھی جاتی تھی جس کا سُننا اور اُسپر کان لگائے رہنا فرض تھا ۔ سمعمر و مریض ارکان کے ساتھ خاص رعایتین تھین اور اُنکی دوشت کا اہتمام بھی اچھا تھا ۔ ہر ممبر پر اپنے افسر اعلیٰ یعنی اپنے ماسٹر کی اطاعت فرض تھی ۔ اور اسکے احکام بعینہٖ خدا کے احکام تصور کیے جاتے ۔ نامناسب نمائشین عام ازین کہ اسلحہ مین ہون یا گھوڑے کے ساز و یراق مین ممنوع تھین ۔ وہ لباس بھی اُنکے لیے جائز نہ تھا جس مین کئی رنگون سے رنگ آمیزیان کی گئی ہون ۔ اور سوا نائٹون کے باقی تمام ارکان سیاہ یا بھورے رنگ کے کپڑے پہنتے ۔ سب کا لباس علی العموم اُون کا ہوتا ۔ صرف ایک مذہبی تقریب کے زمانے مین تو اُنھین ایک سُوتی کُرتا پہننے کی اجازت ملجاتی باقی اور کبھی کوئی روئی کے کپڑے نہ پہن سکتا ۔ بال سب کے چھوٹے چھوٹے رہتے ۔ اور جھنڈولی بے کنگھی کی ہوئی ڈاڑھی ٹیپلرون کی پہچان قرار پا گئی تھی ۔ شکار کھیلنا یا شکاری کتون کو پالنا بھی اُن کے لیے ممنوع تھا ۔ فقط شیر کے شکار کی اجازت تھی اس لیے کہ شیر اُن لوگون کے خیال مین بُرائی اور جبر و جور کا شعار قرار پا گیا تھا ۔ اور اسکی بھی اجازت نہ تھی کہ اپنی گذشتہ بلنوتیون کو وہ کبھی زبان پر لائین اور عیش و عشرت کے گذرے واقعات کو یاد کرین ۔

یہ لوگ کہین باہر جاتے تو انکے آنے جانے کی خاص نگرانی کیجاتی اور کوئی نہ کوئی انکے ساتھ موجود رہتا ۔ سوا اُس وقت کے جبکہ رات کو وہ حضرت مسیح کے مقبرے (ہولی سپلکر) کی زیارت کو جاتے ۔ بڑی نگرانی اس بات کی رہتی کہ کوئی نائٹ یا اور رکن کسی سے خط وکتابت نہ کرنے پائے ۔ اپنے کسی عزیز و قریب کا خط بھی وہ بغیر ماسٹر کی موجودگی کے نہ کھول سکتے ۔ کسی کے پاس اُسکے کسی عزیز یا دوست کے پاس سے کوئی سوغات یا کھانے کی چیز آتی تو وہ لفافہ ماسٹر کے سامنے کھولا جاتا ۔ اور ماسٹر کو اختیار تھا کہ اُسے دے یا اُسکے سوا کسی اور شخص کو ضرورت خیال کرکے دے دے ۔ اور اگر ایسی صورت پیش آئے تو اصل مالک کو اُس پر بُرا ماننا یا پیشانی پر بل لانا بھی گناہ

تھا۔ سب جدا جدا بچھونون پر سوتے۔ اور شب خوابی کا لباس کرتا اور کسا ہوا گھٹنا تھا۔ خواب گاہ میں جس کی حیثیت خانقاہ کی سی ہوتی ایک چراغ رات بھر روشن رہتا۔ بچھانے کے لیے عموماً چٹائیان مروج تھین۔ اگر کسی کے پاس چٹائی نہ ہو تو اُسے ایک دری کے بچھانے کی اجازت مل جاتی۔ لیکن اس بات کا لحاظ کر کے کہ اس مین راحت طلبی اور عیش پسندی کو ذرا بھی دخل نہ ہو۔

وقتاً فوقتاً جو مہتم بالشان معاملات پیش آتے اُن کے تصفیے کے لیے کمیٹیان ہوتین کمیٹیان دو قسم کی تھین۔ ایک تو معمولی کمیٹیان جو خفیف باتون کے طے کرنے کے لیے جمع ہوتین۔ اُن مین صرف سوسائٹی کے چند ہوشیار رکن بلا لیے جاتے۔ مگر بڑی کمیٹیان جو اہم امور کے تصفیے کے لیے طلب کی جاتین اُن کی شرکت کے لیے گرینڈ ماسٹر کل ارکان کو طلب کرتا۔ کسی نئے رکن کو شریک جماعت کرنا یا کسی اراضی اور علاقے کو کسی کے حوالے کرنا اُن بڑی کمیٹیون کا کام تھا۔

ہر ممبر کو داخلے سے پیشتر چند روز آزمایش مین رہنا پڑتا۔ نابالغ لڑکے جو ہتھیار اُٹھانے کے قابل نہ ہون نہ لیے جاتے۔ اور آخر آخر شاید ارکان کی بے اعتدالیان دیکھ کے یہ قاعدہ بھی سختی سے جاری ہو گیا تھا کہ کوئی رکن کسی عورت کا بوسہ نہ لے سکے عام اس سے کہ وہ شوہر والی ہو یا بیوہ۔ یا اُس کی کوئی عزیزہ قریب ماں خالہ پھوپھی بچی یا بہن ہو۔ جو قواعد اول مین طے ہوے تھے آخر تک اُنھین پر عمل درآمد رہا۔ مگر جب کمیٹی کے قبضے مین بہت سی دولت جمع ہو گئی اور دنیا کے مختلف ملکون مین اُس کی ملکیتین اور جائدادین پیدا ہو گئین تو حسب ضرورت نئے قوانین منظور ہوے۔

اب انتظام کی یہ صورت تھی کہ سب کا حاکم اعلیٰ گرینڈ ماسٹر ہوتا۔ اُس کے احکام واجب التعمیل تھے۔ اور قانون مین بھی ردوبدل کا اُسے حق حاصل تھا۔ لیکن باوجود اسکے وہ اس کا مجاز نہ تھا کہ اشتہار جنگ دے دے۔ یا سوسائٹی کے کسی علاقے کو کسی کے حوالے کر دے۔ یا کسی نئے ممبر کو شریک جماعت کرے۔ اِن اُمور کے لیئے وہ ارباب حل وعقد کی رضامندی حاصل کرنے پر مجبور تھا۔ خود اُسکا انتخاب تیرہ رکنون کی منظوری سے ہوتا۔ مگر انتخاب کی کمیٹی مین جہان تک بنتا مختلف

قوموں اور ملکوں کے ارکان رکھے جاتے۔

اس کے بعد ایک دوسرے عہدہ دار کا درجہ تھا جو "سنشل" کہلاتا۔ یہ وائس پریسیڈنٹ تھا۔ اور گرینڈ ماسٹر کی عدم موجودگی میں اُس کا نائب اور قائم مقام تسلیم کیا جاتا۔ اُس کے علاوہ ایک عہدہ دار مارشل ہوتا۔ فوجی سازوسامان اصطبل اور گھوڑوں کا سازویراق اس کے اہتمام میں رہتا۔ اور نائٹ ہونے کے تمام امیدوار یعنی اسلحہ بردار براہ راست اُس کے مطیع فرمان ہوتے۔ مگر لڑائی کے وقت سپہ سالار کے ماتحت ہو جاتا۔

ان عہدہ داروں کے علاوہ سوسائٹی کے ضلعدار تھے۔ مگر چونکہ بڑے بڑے ملک اور وسیع ریاستیں ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تھیں۔ اس لیے ان کی حیثیت گورنروں بلکہ اُس عہد کے بادشاہوں کی سی ہوتی۔ سوسائٹی کی قلمرو چونکہ ایشیا اور یورپ کے ملکوں اور دور دراز مقامات میں پھیلی ہوئی تھی اس لیے ان گورنروں کی تعداد بارہ کے قریب رہتی اور کبھی اس سے زیادہ ہو جاتی۔ مگر ان لوگوں کے لیے بغیر گرینڈ ماسٹر کی منظوری حاصل کیے سمندر کا سفر اختیار کرنا اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا ممنوع تھا۔ یہاں تک کہ یورپ کا کوئی اعلیٰ حاکم بھی بے اجازت ایسی جرأت نہ کر سکتا۔ ان گورنروں کے انتخاب کے وقت جملہ ارکان کی شرکت ضروری تھی۔ انھیں گورنروں کے زیر اختیار اُن کا خزانہ بھی رہتا جس کی کنجی خود گرینڈ ماسٹر کو بھی نہ مل سکتی۔ سوسائٹی کی طرف سے جو گورنر ارض مقدس کے اضلاع کا منتظم و نگران تھا وہی اصلی صلیب کا محافظ و حکمران بھی رہتا۔ جس کی نسبت ساری مسیحی دنیا کا اعتقاد تھا کہ یہ خاص وہی صلیب ہے جس پر حضرت مسیح کا جسد انور لٹکایا گیا تھا۔

ٹیلروں کی سوسائٹی کے قبضے میں جہازوں کا بیڑہ بھی تھا جس کا غالب حصہ اُن کے والی و حاکم کے زیر فرمان رہتا۔ غرض ٹیلروں نے اپنے کارناموں سے ساری مسیحی دنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اور چند ہی روز کے اندر اُنکے ہاتھ میں اتنی بڑی قلمرو آگئی اور اُنکے خزانے میں اتنی دولت جمع ہو گئی کہ اُن دنوں نہ اُن سے زیادہ زبردست کوئی سلطنت تھی۔ اور نہ اُن سے زیادہ کوئی بادشاہ

دولتمند تھا۔ ساری عیسائی دنیا مین اُن کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ سلاطین و امرا اُن سے ڈرتے اور کانپتے تھے۔ اور عوام الناس اُن کے معتقد اور اُن پر جانین نثار کرنے کو تیار تھے۔ اور اُن کے سب سے بڑے مرکز دو تھے۔ مشرق مین شہر عکہ جس ساحلی شہر مین بیت المقدس سے نکالے جاتے کے بعد عیسائیون نے پناہ لی تھی۔ اور بڑی مضبوطی سے زمین پکڑ رکھی تھی۔ اور مغرب یعنی یورپ مین پیرس۔ جہان "تاجدارون اور فرمان رواؤن کو اُن سے دبنا اور اُن کے آگے سر جھکانا پڑتا اور صاحبان تاج و دیہیم اور مقتدایان ملک و ملت دونون کے مقابل مین اُن کا اثر غالب تھا۔

اب اس زمانے مین اُن کا قانون یہ تھا کہ جو شخص شریک جماعت ہونا چاہتا مذکورۂ بالا شرائط کے علاوہ اس بات کی حلف اُٹھاتا کہ مجھ پر کسی کا قرض نہین ہے اور دَین سے بالکل سبکدوش ہون۔ اور اس وقت کسی اور جماعت یا گروہ مین نہین شریک ہون۔ اپنے بالا دست سردارون کی بے عذر اطاعت و فرمانبرداری کرون گا۔ ہمیشہ عفت پاکدامنی کی زندگی بسر کرون گا۔ اور اپنی باقیماندہ زندگی ارض مقدس کی خدمت و حمایت کی نذر کرون گا" اپنے ان فرائض اور حمایت دین و کلیسیا کی اس خدمت پر ان لوگون کو بڑا فخر و ناز تھا۔ اور مسیحی دنیا کا اُنکی جماعت کی طرف اس قدر رجحان تھا کہ وہ مصرع "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کا اعلیٰ ترین نمونہ بن گئے تھے۔ اور اُن کے بھائیون اور سوسائٹی کے رکن بانکون کی تعداد پندرہ ہزار تک پہونچ گئی تھی۔ الحاد و بے دینی۔ یا مسلمانون کے مقابل بھاگ کھڑے ہونے کے الزامون پر وہ سوسائٹی سے نکال دیے جاتے۔ اور بعض چھوٹے چھوٹے قصورون مثلاً لڑائی مین اپنے جھنڈے کے سرنگون کر دینے۔ اور اسی قسم کی چند اور خفیف باتون پر وہ چند روز کے لیے اپنے درجے اور مرتبے سے گرا دیے جاتے۔

روم کے پاپاؤن کی ابتدا ہی سے یہ کوشش رہی کہ اس طاقت کو جو اُنکی منظوری سے اُس جماعت کے لیے قائم ہو گئی تھی حتی الامکان قوت پہونچائین۔ اور روز بروز بڑھاتے رہین تاکہ بیت المقدس کے مسلمانون سے چھیننے کی کوشش اسی طرح برابر

جاری رہے اور کامیاب ہو - چنانچہ گرگوری عاشر - نوئی تاسع - نکولس رابع - اور بنی فیس ثامن (پوپون) نے فتوے دیے کہ ٹیوٹن نائٹ - اور سینٹ جان کے بانکے بھی ٹیلرون کے گروہ مین شامل ہو جائین - باہمی محبت و اتحاد کو ترقی دیکر اپنی قوت بڑھائین - اور یہ تینون طرح کے بانکے ملکے ایک گروہ بن جائین - پوپ بنی فیس ثامن کو مرتے دم تک اسی بات کی دُھن رہی کہ بیت المقدس پر عیسائیون کا قبضہ ہو - اور ٹیلرون کے بڑھانے اور انکی تقویت مین اُس نے کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا -

مگر بجاے اسکے کہ اُس کی یہ تمنا برآئے اُسکے ہاتھ سے پاپائی کی وقعت بھی چھین گئی - اسوقت تک پاپاؤن کا ایسا زور رہا تھا کہ اصلی قوت اُنھین کے قبضۂ قدرت مین تھی - اور مسیحی دنیا کے وہ بادشاہ گر تھے جسے چاہتے بادشاہ بنا دیتے اور جسے چاہتے تاج و تخت سے محروم کر دیتے - مگر بنی فیس کے زمانے مین فرانس کے بادشاہ فلپ رابع نے اپنے تدبر سے ایسا زور پکڑ لیا تھا کہ دربار پاپائی کا سارا زور ٹوٹ گیا - اور بنی فیس بجاے مسجود قوم ہونے کے فلپ کے ہاتھ مین گرفتار ہو کے اُسی کی قید مین مرا - اور اُسکے بعد جب نئے پوپ کے منتخب ہونے کا وقت آیا تو فلپ نے رشوتین دے دے کے اور ڈرا دھمکا کے کارڈنلون (یعنی پوپ کی محترم مجلس کے ممبرون) کو اپنا ایسا غلام بنا لیا کہ سوا اُس شخص کے جسے وہ پیش کرے اور کسی کو وہ لوگ پوپ منتخب کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکتے تھے - یہ انتظام کر کے اُس نے ۷۰۴ھ محمدی (۱۳۰۵ء) مین کلیمنٹ خامس کو منتخب کرایا - اور انتخاب سے پہلے ہی اُس سے چھ شرطین اپنی مرضی کے موافق منوا کے اُن پر حلف اُٹھوالی - اُن چھ شرطون مین سے ایک آخر تک راز مین رہی اور کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ کیا تھی مگر واقعات اور پوپ کلیمنٹ کے طرز عمل سے لوگون نے پتہ لگایا کہ وہ شرط ٹیلرون یعنی اُن مذہبی بانکون کی پامالی تھی -

تقریباً نصف صدی پیشتر سے عوام مین ان بانکون کی نسبت طرح طرح کی افواہین اُڑنا شروع ہو گئی تھین - ان کی رازداری اور مخفی کارروائیون نے لوگون مین بدگمانیان پیدا کین - اور وہی لوگ جو ملک وملت کے سب سے

بڑے محسن تھے مورد سہام ملامت بننے لگے ۔ کہا جاتا کہ اپنی آدھی رات کی کمیٹیوں میں وہ لوگ شرمناک اور ناپاک ترین جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُس وقت وہ لوگ خدا اور مسیح سے بدعقیدگی پر قسمیں کھاتے ہیں۔ صلیب پر حقارت سے تھوکتے ہیں ۔ فحش اور مجرمانہ افعال کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ اور باہم عہد کرتے ہیں کہ اپنی ان مخفی سیہ کاریوں کو کبھی کسی پر نہ کھُلنے دیں گے ۔ اور اپنے گرینڈ ماسٹر کے سوا کسی کا کہنا نہ مانیں گے ۔ مشہور تھا کہ عبادت کی دعاؤں میں بھی اُنھوں نے نصف کو کے قطع و بُرید کر دی ہے ۔ "گڈ فرائیڈے" (یعنی جس جمعے کو حضرت مسیح کا مصلوب ہونا مانا جاتا) کے دن مقدس صلیب پاؤں کے نیچے روندی جاتی ۔ اور خیرات کا مروجہ مسیحی طریقہ ترک کر دیا گیا تھا ۔ عہد اولین میں ان لوگوں کی نسبت شہرت تھی کہ عورتوں سے نہایت ہی پاکیزگی کے اور شریفانہ تعلقات رکھتے ہیں اور کبھی اُن کی نیت بُری نہیں ہوتی ۔ مگر اب یہ اعتبار اُٹھ گیا تھا ۔ اور سمجھا جاتا کہ وہ نہایت ہی فحش بدکاریوں اور ناپاک ترین شہوت رانیوں میں مبتلا ہیں ۔ اور اپنے آدھی رات کے جلسوں میں وہ عورتوں کو فریب دے کے لیجاتے ہیں اور کمال بے رحمی سے ذلیل و بے آبرو کرتے ہیں ۔ اسی قدر نہیں اُن پر اغلام کے الزام بھی عائد کیے جاتے ۔ بعض باپوں نے اپنے نوعمر بیٹوں کو صرف اس وہم پر مار ڈالا کہ رات کو وہ ٹمپلروں کی صحبت میں چلے گئے تھے ۔ کیونکہ اُنھیں یقین تھا کہ وہاں جانے کے معنی یہی ہیں کہ اُن کی شہوت پرستیوں کے شکار ہوے ہوں ۔ یہ بدگمانی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ انگلستان تک میں لڑکے ایک دوسرے کو متنبہ کرتے کہ خبردار کسی ٹمپلر کو اپنا منہ نہ چومنے دینا ۔ مختلف حاکموں اور اُسقفوں کے سامنے اس قسم کے واقعات پیش ہوے کہ باپوں نے اپنے کم عمر لڑکوں کو اس ندامت میں مار ڈالا کہ وہ کبھی ٹمپلروں کی صحبت شب میں شریک ہو گئے تھے ۔

اسی قدر نہیں اب اُن پر طرح طرح کے مذہبی الزام بھی عائد کیے جاتے تھے ۔ یقین کر لیا گیا تھا کہ جو شخص ٹمپلروں میں شریک ہو جاتا ہے اُس کا اعتقاد نہ خدا پر رہتا ہے نہ مسیح پر ۔ صلیب کو وہ بُرا سمجھتا اور اُسے حقیر جان کے اُس پر تھوکتا ہے رات کو جلسوں میں وہ ایک بت کو پوجتے ہیں جس کی شکل بلی یا بچھڑے یا کسی

اور چوپائے کی سی ہے - اُن کا گرینڈ ماسٹر اپنی راز کی محفلون مین اُنکے سامنے یہ عقیدہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانون کی ڈاڑھی کا ایک بال مسیح کے سارے جسم سے زیادہ واجب التعظیم ہے - فرانس مین مشہور تھا کہ ٹمپلر اپنے حرامی بچون کو بھون ڈالتے ہین اور اُن کی جلتی ہوئی چربی اپنے دیوتاؤن کی مورت مین چپڑتے ہین -

ان سب باتون کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف ٹمپلرون کی قوت وسطوت اور دولت وحکومت کو روز بروز بڑھتے دیکھ کے تمام مسیحی فرمانرواؤن اور خود روم کے پاپاؤن کو اُن پر حسد معلوم ہوا - جس طرح شاہان فرنگ اپنے تخت وتاج کے لیے اُن سے خائف تھے ویسے ہی مقتدائے ملت پوپ ڈرتا تھا کہ ایسا نہ ہو میرا تہرا تاج مقتدائی میرے ہاتھ سے چھن جائے - اور دوسری طرف خود ٹمپلرون کو مدتون بلکہ صدیون تک مسلمانون کے قریب رہنے اور اُنکے حالات سے روز بروز زیادہ آشنا ہوتے جانے کے باعث اسلام سے ایک قسم کا اُنس ہو گیا تھا - پادریون نے مسلمانون کی نسبت جو غلط اور بے بنیاد افواہین مسیحی دنیا مین اُڑا رکھی تھین اُن سے وہ واقف ہو گئے تھے اور دین محمدی کی خالص و بےغش توحید اُن پر آشکارا ہو گئی تھی - اُن کے دلون مین دین اسلام کی طرف ایک میلان و رجحان پیدا ہو گیا تھا - جسے دیکھ کے مسیحیون نے اُن کی نسبت ویسی ہی بے بنیاد افواہین اُڑانا شروع کر دین جیسی کہ خود مسلمانون کی نسبت اُنھون نے مشہور کر رکھی تھین کہ اپنی مسجدون مین بت پرستی کرتے - محمد (صلعم) کو خدا مانتے - اور اُن کی ایک فیل نشین مورت کو اپنے معبدون مین رکھ کے پوجا کرتے ہین -

اور مسلمانون کی نسبت ان دنون یورپ مین پیشوایان ملت نے ایسا تعصب پھیلا رکھا تھا کہ کسی کو اُن سے ذرا بھی لگاؤ ثابت ہوتا تو وہ مغرب کی ساری دنیا مین واجب القتل تھا - اسی چیز نے غریب ٹمپلرون کے تمام سابقہ حقوق اور اُن کی ساری خوبیون کو خاک مین ملا کے اُنھین تباہ کرایا -

(۴)

چودھوین صدی عیسوی گویا یورپ کے ان نائٹون کے تباہ کرتے ہی کے

لیے آئی تھی۔ اس لیے کہ شاہ فرانس فلپ کے دل سے لگی ہوئی تھی کہ ٹمپلروں کو غارت کر کے اُن کے ملک و دولت پر قبضہ کر لے۔ دو سال تک اُس نے انتظار کیا کہ اُس کے منتخب کرائے ہوئے پوپ کلیمنٹ کے ہاتھ سے کارروائی شروع ہو مگر کلیمنٹ کو کسی طرح جرأت نہ ہوئی تھی۔ ناگہان یہ واقعہ پیش آیا کہ فرانس کے شہر طولون کے جیل میں ایک ٹمپلر کسی جرم کی بنا پر قید تھا۔ اُس نے بادشاہ فلپ پر ظاہر کیا کہ اگر مجھے آزادی دی گئی تو ایک ایسا راز بتا دوں گا جو سلطنت کے لیے نہایت ہی قابل قدر اور مایۂ ترقی ہوگا۔ بادشاہ نے ۱۴ ستمبر ۱۳۰۷ء کو اس کا اظہار لیا۔ اور ۱۳۔ اکتوبر کی شب کو ناگہان حکم دیا کہ مملکت فرانس میں جتنے ٹمپلر ملیں سب گرفتار کر لیے جائیں۔ اسی قدر نہیں بلکہ قرب و جوار کے دیگر حکمرانوں کے پاس بھی پیام بھیجا گیا کہ اپنی اپنی قلمرو میں بھی یہی حکم نافذ کر دیں۔ اور سب مقامات میں جو ٹمپلر اسیر و پابزنجیر کیے گئے اُن کے علاوہ خاص پیرس میں ٹمپلروں کا ماسٹر جنرل جیمس ڈی مولائی اپنی سوسائٹی کے ساٹھ ممبروں کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ اور بعد والے ہفتے کے روز وہ سب بے گناہ اسیر پیرس یونیورسٹی کے سامنے لائے گئے۔ کہ اپنے جرموں کی فہرست اور اپنی فرد قرار داد جرم سنیں۔ دوسرے دن اتوار کو پیرس کے شاہی باغوں کے اندر عوام الناس جمع ہوئے۔ اور مختلف واعظوں نے جو فلپ کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔ اُنھیں بھڑکانا اور سمجھانا شروع کیا کہ ٹمپلر لوگ سخت مجرم۔ بڑے بڑے خوفناک جرموں کے مرتکب۔ انتہا درجے کے بے دین و ملحد اور گردن کشتنی و گردن زدنی ہیں۔ اور عوام کو اطمینان دلانے کے ساتھ ہی مقدمہ کی کارروائی شروع کر دی گئی۔ تفتیش و تحقیقات کے بہانے اسیر شدہ ٹمپلروں پر ایسے مظالم ہونے لگے۔ اور انھیں ایسی جان گزا اذیتیں پہونچائی جانے لگیں کہ اُنھوں نے بہت سی ایسی باتوں کا اقرار کر لیا جو نہایت خوفناک اور سنگین جرم تھے۔ اس بے رحمی و جور کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فقط اکیلے پیرس میں چھبیس ٹمپلر حوالات کے اندر مر گئے۔ ۱۹ سے ۲۴ نومبر تک ایک سو چالیس ٹمپلروں کا بیان لیا گیا۔ ان میں سے بعض اس قدر سن رسیدہ تھے کہ اُن کے بیان کا اثر ٹمپلروں کی گذشتہ پچاس

سال کی تاریخ پر پڑتا تھا - قریب قریب سب نے تسلیم کر لیا کہ ہم صلیب اور مصلوبیت مسیح کی توہین کرتے ہین - بہتون نے بغض اور بے دینی کے الزام قبول کیے - اور فحاشی اور سیہ کاری کے جو شرمناک الزام لگائے گئے تھے اُن کا بھی اُن غریبون نے جبراً و قہراً اقرار کیا -

پوپ کلیمنٹ نے شاید ترس کھا کے ۲۷- اکتوبر کو اپنا ایک حکم جاری کر کے تفتیش کرنے والون کے ظالمانہ اقتدارات روک دیے تھے - مگر نومبر کے ختم ہونے سے پہلے غالباً فلپ کے اشارے سے اُس نے شاہ انگلستان ایڈورڈ دوم کو لکھا کہ جتنے انگریز ٹمپلر تمھارے علاقے مین ہون اُنھین بھی گرفتار کر لو - ۱۰ جنوری ۱۳۰۸ء کو انگلستان مین اس حکم کی تعمیل ہوئی - اور اسی زمانے کے قریب یورپ کے تمام ممالک مین ہر جگہ ٹمپلرون پر آفت نازل ہو گئی - پھر ۲۴ جنوری کو سسلی مین اور ۲۷ مئی کو سائپرس مین (جو ٹمپلرون کا خاص مرکز تھا) یہی کارروائی ہوئی - اور کوئی مقام نہ تھا جہان یہ بیچارے بیگناہ پکڑے اور مارے نہ جاتے ہون -

باوجود ایسے احکام جاری کر دینے کے پوپ روم ذرا رُک رُک کے اور بچا بچا کے ان احکام کو جاری کرتا تھا - یہ دیکھ کے فلپ سات سو مسلح سپہ گردن کے ساتھ اُسکے سر پر آ نازل ہوا - اور وہ بالکل اُسکے بس مین تھا - اور سب نے باتفاق طے کر دیا کہ بادی النظر مین اسیر ٹمپلر اُن کا روپیہ اور اُن کی اراضی و علاقے سب پوپ کے کمشنرون کے ہاتھ مین رکھے جائین - مگر اصل مین حکم دینے والا خود فلپ تھا -

۵- جولائی ۱۳۰۸ء کو پھر مقدس و معصومانہ دربار پوپ سے یہ حکم جاری ہوا کہ تفتیش کرنے والے اسیرون پر جیسی سختیان چاہین کرین - اور اسکے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ ضبط شدہ جائداد ارض مقدس کی بازیافت کی کوشش کی جائے - کلیمنٹ کا اب حکم تھا کہ ٹمپلرون کے جرائم کی از سر نو تحقیقات کی جائے - بہتیرا اقراری مجرمون کا بیان وہ خود سُن چکا تھا - اب شہر شنون مین گرینڈ ماسٹر مولائی اور تین بڑی پیشوائون کا بیان از سر نو لیا گیا - اور اُنھون نے اذیتون کے خوف سے پھر جرمون کا اقرار کیا -

آخر کار یکم اکتوبر سنہ ۱۳۱۰ء کو ایک بڑی بھاری کونسل شہر ویانا مین جمع ہوئی تاکہ ٹمپلرون کے جرائم پر غور کرے۔ مقدمے کی کارروائی ۱۱- اپریل سنہ ۱۳۱۰ء کو شروع ہوئی۔ ۲۲- اپریل کو اخبا لد پر دانیو نے اعتراض کیا کہ کارروائی انصاف سے نہین ہو رہی ہے۔ مگر کون سُنتا ہے؟ ۱۲- مئی کو ۵۴ ٹمپلر شہر سان کے اسقف اعظم کے حکم سے زندہ جلا ڈالے گئے۔ اور چند روز بعد چار اور ٹمپلرون کا بھی یہی حشر ہوا۔ ان واقعات کے مشہور ہوتے ہی لوگون پر ایک ہیبت چھا گئی۔ چنانچہ چھیالیس ٹمپلرون نے جوابدہی اور پیروی مقدمہ سے انکار کر دیا۔ مجبوراً کمشنرون نے نومبر تک کیلیے کارروائی ملتوی کر دی۔ اسکے بعد دوبارہ تحقیقات ۱۸- دسمبر سنہ ۱۳۱۰ء کو شروع ہوئی اور ۵ جون سنہ ۱۳۱۱ء کو اُس کی کارروائی ختم ہوئی۔ اس کارروائی کے دوران مین پوپ کلیمنٹ اور شاہ فلپ کے مابین سمجھوتہ ہو گیا جسکی بنا پر پوپ نے ٹمپلرون کو مجرم قرار دیا۔ اور ویانا کی کونسل مین اس مسئلے پر غور ہونے لگا کہ ٹمپلرون کو جوابدہی و عذرداری مین کچھ کہنے سننے کا موقع بھی دیا جائے یا نہین۔ اور کہتے ہین کہ جیسے ہی اس مسئلے پر بحث چھڑی پوپ نے فوراً کارروائی ملتوی کرا دی۔ تاکہ ایسے مسئلے پر غور ہی نہ کیا جائے جس سے اُس کی مرضی کے خلاف نتیجہ ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور جن سات ٹمپلرون نے مختار کی حیثیت سے جوابدہی کا دعویٰ اور ارادہ کیا تھا وہ گرفتار کر کے قید خانے مین بھیجدیے گئے۔

شروع مارچ سنہ ۱۳۱۲ء مین شاہ فلپ ویانا مین آکے خود کونسل مین شریک ہوا۔ پوپ کے داہنے بازو پر بیٹھا۔ اور اُسکی موجودگی مین پوپ نے ٹمپلرون کے خلاف اپنا روحانی فیصلہ اور اپنا حکم سُنایا۔ اس کے بعد ۲- مارچ سنہ مذکورۂ بالا کو پوپ نے اس مضمون کا حکم شایع کیا کہ "ٹمپلرون کی تمام جائداد سینٹ جارج کے نائٹون کو دے دی جائے۔ بجز اُس غیر منقولہ جائداد و مملکت کے جو ممالک کیسٹائل۔ ارغون۔ پرتگال۔ اور مجورقہ کے علاقون مین واقع ہے"۔

جو ٹمپلر ملزم و مجرم قرار دیے گئے تھے تین گروہون مین تقسیم کر دیے گئے۔ اول

وہ جنھون نے پکڑے جاتے ہی اقرار جرم کرلیا۔ دوسرے وہ جنھون نے انکار کیا۔ اور اپنے انکار پر آخر تک قائم رہے۔ تیسرے وہ جنھون نے ابتداءً اقرار کیا تھا اور بعد کو دوران مقدمہ مین انکار کردیا۔ اور اپنے پہلے اقرار کی نسبت ظاہر کیا کہ ہمارا وہ قبول کرلینا محض تکلیفون۔ ظلمون اور اذیتون سے بچنے کے لیے تھا۔ ان تینون گروہون کے لیے سزائین یہ تجویز ہوئین کہ گروہ اول کے مجرم اپنے گناہون سے توبہ کرین اور اپنے بے دینی کے افعال پر نادم ہون۔ دوسرے گروہ والے دائم الحبس کیے جائین۔ اور تیسرے گروہ والے زندہ آگ مین جلاکے مارے جائین۔ لیکن ان مجرمون مین سے گرینڈ ماسٹر مولائی اور دو ایک اور معزز عہدہ داران سوسائٹی مستثنی کرلیے گئے۔ اور کہا گیا کہ ان کے بارے مین پوپ جو فیصلہ کرینگے اُسپر عمل کیا جائے گا۔ آخر ۱۳۱۴ع کے آغاز مین وہ اس بات پر مجبور کیے گئے کہ علانیہ مجمع عام مین اپنے جرمون کا اقرار کرین۔ اور اگر ایسا کرتے تو اُن کے لیے دائم الحبس رہنے کا حکم نافذ ہوجاتا۔ مگر اتفاقاً نارمنڈی کے ماسٹر ٹمپلر اور ایک اور عہدہ دار نے بجاے اقرار گناہ کے اپنی بیگناہی کا علانیہ دعوے کیا۔ اور شاہ فلپ نے بغیر اس کے کہ پوپ کے مشورے کا انتظار کرے۔ اُنھین ایک چھوٹے جزیرے مین زندہ جلاکے مارڈالا۔

(۵)

ٹمپلرون کے آخری ماسٹر جنرل اور سردار و سرغنا غریب مولائی کے زندہ جلادیے جانے کے بعد ٹمپلرون کی قوت ہر جگہ ٹوٹ گئی۔ اور پھر کبھی اُنکی وہ اگلی وقعت و عزت قائم نہ ہوسکی۔ لیکن چند ہی روز مین ثابت ہوگیا کہ ٹمپلر بے گناہ و بے قصور تھے۔ اور اُن کے خلاف جتنی کارروائیان ہوئین فلپ شاہ فرانس کی عداوت و سازش اور حصول دولت کے ہوس کی وجہ سے تھین۔

فرانس کے سوا جہان جہان اور جن جن ملکون مین اُن کے بارے مین تحقیقات کی گئی یہی ثابت ہوا کہ وہ بے گناہ ہین۔ اور اُن فیصلون کے دیکھنے سے صاف آشکارا ہوجاتا ہے کہ فرانس مین اُن پر کیسی بے رحمی اور اُن کے ساتھ کیسا سنگدلی کا برتاؤ کیا گیا۔ اسپین کی سلطنت قسطلہ مین ابتداءً فرانس کی تحریک پر سارے نائٹ

ٹمپلر پکڑ کے قید کر لیے گئے تھے مگر جب سلاماکا کی کونسل کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو فوراً چھوڑ دیے گئے۔ اسی طرح ہسپانیہ کی ریاست اراغون میں اگرچہ اُنھوں نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور اپنی ایک گڑھی میں قلعہ بند ہو کے لڑے بھی تھے۔ مگر جب طراغونہ کی کونسل نے اُن کے الزامات پر غور کیا تو پوری تفتیش کے بعد نومبر ۱۹۱۲ء مین یہی فیصلہ صادر کیا کہ یہ لوگ بیگناہ ہیں۔ پورچگل مین بھی اُن کی تحقیقات ہوئی۔ اور سلطنت کی جانب سے جو کمشنر مامور ہوے تھے اُنھون نے رپورٹ کی کہ ہمین ان لوگون کے مجرم قرار دینے کی کوئی وجہ ہی نہین نظر آتی۔ علاقۂ مینز مین اُنکی تحقیقات ہوئی۔ سختی کے ساتھ چھان بین کی گئی۔ مگر وہان بھی اُنکی بیگناہی کا اعتراف کیا گیا۔ اسی طرح مقامات ٹرتوس۔ سینا۔ بولونیا رومانیا اور جزیرۂ قبرس مین بھی ٹمپلر پکڑے گئے۔ اُن پر مقدمہ چلایا گیا۔ کامل تحقیقات کی گئی۔ مگر نتیجہ یہی ہوا کہ یا تو اُن کے خلاف کوئی شہادت تھی ہی نہین۔ اور یا تھی تو ایسی نہ تھی کہ اُس پر وثوق کر کے اُنھین سزا دی جائے۔ چنانچہ سب جگہ ذہ بری کر دیے گئے۔ فرانس کے علاوہ بعض اور مقامات مین بھی بعض ٹمپلرون نے اُن جرمون کا اقرار کیا جو اُن پر عائد کیے جاتے تھے۔ مگر عدالت کو یہی رائے اختیار کرنا پڑی کہ اُن لوگون کا یہ اقرار محض جور و تشدد اور ایذا رسانی کی وجہ سے ہے۔

شہر فلارنس مین چند ٹمپلرون نے عدالت کے سامنے جو بیان کیا تھا وہ بعض مورخین نے بجنسہ نقل کر دیا ہے۔ وہ ایک عجیب احمقانہ طریقے سے اور بے حسی و بے عقلی کی شان سے یہ اقرار کرتے ہین کہ "ہم پر جتنے الزام عائد کیے جاتے ہین سب صحیح ہین۔ اور ہماری نسبت جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اُس مین ایک لفظ بھی غلط نہین ہے۔" اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان اُن کا ہرگز نہین ہو سکتا۔ کسی کا سکھایا ہوا ہے۔ اور جو کچھ بتا دیا گیا ہے اُسے وہ کسی خطرناک قوت کے ڈر سے بلا تکلف اور بے سمجھے بوجھے زبان سے ادا کر رہے ہین۔

انگلستان مین غالباً اُن پر کسی قسم کا جور و تشدد نہین ہوا تھا۔ وہان بھی اسّی اسیر شدہ ٹمپلرون کا اظہار عدالت کے سامنے ہوا۔ اُن اسّی مین سے صرف چار

نے اقرار کیا کہ ہم مسیح سے انکار کرتے ہین اور صلیب کی توہین وتحقیر کرتے ہین۔
اس قسم کے الزامات کی اصلیت بھی ہے۔ مسلمانون کے عقائد سے واقف ہونے اور اپنے اصول کی کمزوریون سے آگاہ ہوجانے کے بعد اُنھین اُن عقائد سے اختلاف ہوگیا تھا جن سے اصلی مسیحیت کو تعلق نہ تھا بلکہ یونان وروم کی بت پرستی کے اثر سے دین عیسوی مین مل گئے تھے۔ مسیحی رُہبان تعصب کے جوش مین اُن کو منکر و ملحد قرار دیتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ ہم دین مسیحی مین سے اُن جاہلانہ عقائد کو نکال ڈالین جنھون نے حضرت مسیح کے لائے ہوے دین کو غارت کردیا ہے۔ مثلاً اُنکے مختلف بیانون پر غائر نظر ڈالنے سے کُھلتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی نبوت کے منکر نہ تھے بلکہ اُس مسیح کے منکر تھے جو خدا بتایا جاتا تھا۔ اُن دنون تمام گرجون مین حضرت مسیح کی فرضی تصویرین مصلوبیت کی وضع مین قائم تھین اُن کو بُرا اور بُت پرستی کا نمونہ تصور کرتے۔ بعض نے یہ کہدیا کہ "جس مسیح نے گناہون کا اقرار کرکے اور اُنھین اپنے سر لے کے اُن کا خمیازہ بُھگتا اُس کے ماننے سے ہمارے گروہ کو انکار ہے۔ ہم خدائے واحد ذوالجلال پر ایمان رکھتے ہین۔ اسی طرح صلیب کی نسبت اُنھون نے کہا کہ ہمین نفس صلیب سے انکار نہین بلکہ صلیب کی جو تصویرین اور نقلین گرجون کے درو دیوار پر نصب ہین اور لوگون کے گلون مین لٹکتی نظر آتی ہین ہمین اُن سے انکار ہے۔ یہ عقائد صاف بتا رہے ہین کہ نائٹ لوگ ارض شام مین اور مسلمانون کے زیر سایہ رہتے رہتے اُن کے معتقدات کے دلدادہ ہوگئے تھے اور اگر مسلمان نہ بھی ہوے ہون تو چاہتے تھے کہ مسیحیت کو وہی اصلی مسیحیت بنادین جو دنیا کو حضرت مسیح سے ملی تھی۔ اور جس کی تصدیق اسلام کررہا تھا۔
لیکن یہ امر کس قدر قابل مضحکہ ہے کہ اُنھین مذکورہ عقائد کی بنا پر ٹمپلر ملحد بتائے جاتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُنھون نے یہ عقیدے بعض بت پرست قومون سے اخذ کیے۔ جو تحریک بت پرستی کا استیصال کرنا چاہتی ہو اُسکو بت پرستی بتانا اور اپنی صنم پرستی کو بھول جانا سچ یہ ہے کہ یورپ کے عجائبات مین سے ہے۔ اور اسپر زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ ٹمپلرون کے عقائد کو اکثر محققین یورپ دُور و دراز کے بُت پرست فرقون مین ڈھونڈھتے ہین اور اسلام پر نظر نہین ڈالتے جس نے

ٹیلروں کو ایک باضابطہ قانون توحید بنا کے اپنا والہ و شیدا بنا لیا تھا۔

کوریا

بر اعظم ایشیا کے مشرق مین کوریا ایک سلطنت ہے جس کا زیادہ تر حصہ ایک جزیرہ نما مین شامل ہے جو سلطنت چین کے شمال و مشرق مین ایک عضو معطل کی طرح جھول رہا ہے۔ اسکے شمال مین منچوریا کا زرخیز میدان ہے۔ مشرق مین بحیرۂ جاپان اور جنوب مین ایک آبنائے ہے جو اسی کے نام سے موسوم ہے اور مغرب مین بحیرہ اصفر ہے۔ کوریا کا شمار بھی دنیا کے اُن چند ملکون مین ہے جن کا حال باہر کے لوگون کو بہت کم معلوم ہو سکا ہے۔ وہان کے باشندون کا دعوٰی ہے کہ ملک کا طول تین ہزار لیس یعنی تقریبًا ایک ہزار میل اور عرض تیرہ سو لیس یعنی چار سو ساٹھ میل ہے۔ مگر اس مین یقینًا مبالغہ ہے کیونکہ پورا رقبہ ۸۲۰۰۰ مربع میل سے زیادہ نہین۔

کوریا کا بادشاہ اگرچہ پہلے چین کا اور اب روس و جاپان کی لڑائی کے بعد سے جاپان کا ماتحت ہے مگر یہ ماتحتی برائے نام ہے کیونکہ اپنے ملک کے بڑے سے بڑے امیر کی زندگی اور موت اُسکے اختیار مین ہے۔ ملک مین وہ ایک نہایت غیر معمولی عزت کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اُس کا نام اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ رعایا مین سے کوئی شخص زبان سے نہین نکال سکتا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کا ایک لقب قرار پاتا ہے جسے اس کا جانشین تجویز کرتا ہے۔ اُسکے جسم کو لوہے کے کسی اوزار یا ہتھیار سے چھونا اتنا بڑا جرم ہے کہ کسی طرح معاف ہی نہین ہو سکتا اور اس طرز عمل مین یہان تک سختی ہے کہ ۱۸۰۰ء مین بادشاہ کے ایک پھوڑا نکلا اور علاج بغیر عمل جراحی کے غیر ممکن تھا مگر بادشاہ نے مرجانا گوارا کیا اور یہ نہ پسند کیا کہ جراح کا نشتر اُسکے جسم کو مس کرے۔ شاہی قصر کے سامنے سے کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کے نہین گذر سکتا۔ یہ لازم ہے کہ اُس کے قریب پہونچتے ہی انسان گھوڑے یا سواری پر سے اُتر پڑے اور قصر کے سامنے کا راستہ پاپیادہ طے کرے۔ جو شخص دردولت کے اندر قدم رکھے اُسپر فرض ہے کہ تخت کے سامنے

زمین پر اوندھا لیٹ جائے ۔ اگر حسن اتفاق سے کسی خوش نصیب آدمی کے جسم
مین کہین بادشاہ کا ہاتھ چھو جائے تو وہ زندگی بھر اُس مقام پر ایک امتیازی
نشان تمغے کے طریقے سے لگائے رہتا ہے ۔ اسی قسم کے اور بہت سے رسوم ہین ۔
اور درباروداری کے ان سخت قواعد کا نتیجہ یہ ہے کہ بادشاہ بیگم کسی کی رسائی
نہین ہو سکتی ۔ مگر "بادشاہ کے کان ہمیشہ اپنی رعایا کی فریاد رسی کے لیے کھلے ہوے
رہنے چاہیین " اس لیے یہان ہر شخص کو عام اجازت ہے کہ بادشاہ کے سامنے جا کے
فریاد کرے ۔ اور بادشاہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے ملک کے غریبون کے لیے
کچھ نہ کچھ مہیا کر دے ۔ لہذا وظیفہ خوارون کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو صرف
شاہی فیاضی پر زندگی بسر کرتی ہے ۔ شاہی خاندان کے شاہزادے نہایت بدگمانی
کی نگاہ سے دیکھے جاتے ۔ اور ہر قسم کی قوتون اور اقتدارات سے محروم رکھے جاتے
ہین ۔ اور اگر کسی کی نسبت ذرا بھی معلوم ہو گیا کہ اُس نے ملکی معاملے مین کوئی مداخلت
کی یا رائے دی ہے تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ سے باغی ہو گیا ہے ۔ چند روز
سے امرا نے البتہ اپنا اثر بہت کچھ بڑھا لیا ہے اور اکثر بادشاہ کے اختیارات
مین دخل دینے لگے ہین ۔

ملک کا انتظام تین وزیرون مین بٹا ہوا ہے جو "شیر اعلیٰ" اور "داہنے جانب
کا شیر" اور "بائین جانب کا شیر" کہلاتے ہین ۔ ان کے ماتحت چھ اور حاکم ہین ۔ اور
اُن مین بھی ہر ایک کا ایک ایک مددگار ہے ۔ شاہی قصر کے متعلق تین اعلیٰ افسر ہین
جن کا فرض ہے کہ بادشاہ کے ہر وقت کے کامون اور احکام کو قلمبند کرتے رہین ۔
ملک آٹھ صوبون پر منقسم ہے ۔ ہر صوبے پر ایک گورنر مقرر ہے اور تمام ملک کے تین سو
تیس ضلعون مین سے ہر ایک پر ایک شخص حکومت کرتا ہے جسے منڈارن کہتے ہین ۔
ملک کے چار شہرون ۔ کانگ ہاؤ ۔ سوون ۔ کونگ سو ۔ اور سیانگ ٹو پر جن مین
قلعے ہین فوجی افسر حکمران ہین ۔ یہ سب خدمتین کوریا کے ہر باشندے کے لیے کھلی ہوئی
ہین ۔ مگر عام طور پر ہمیشہ امرا ہی مقرر کیے جاتے ہین ۔ ڈاک خانے کا انتظام بھی بڑی
بڑی سڑکون پر کر دیا گیا ہے جس کے لیے گھوڑے سلطنت کی طرف سے خریدے اور رکھے جاتے
ہین ۔ مگر اُنکے سائیسون اور سوارون کی حیثیت بادشاہ کے خانگی غلامون کی سی ہے ۔

کوریا کا ہر ایک باشندہ جو امرا مین داخل نہین ہے اور ہتھیار لگا سکتا ہے
فوج مین داخل ہے مگر اس قاعدے کے ذریعے سے بہت کم تعداد فوج مین داخل
کیجاتی ہے - فوجی منڈارن بھی اگرچہ امرا مین سے ہوتے ہین مگر دوسری قسم کے ہمرتبہ
منڈارن سے وقعت مین کم سمجھے جاتے ہین -

گورنرون اور دوسرے اعلیٰ حکام کی تنخواہین بہت بڑی بڑی ہین - مگر وہ
لوگ صرف دو سال کے لیے مقرر ہوتے ہین - اور ملک کے دستور کے لحاظ سے اُنھین
اپنے تمام خاندان کی خبرگیری کرتی پڑتی ہے لہذا اُن کی تنخواہ کا بہت کم حصہ خود
اُن کے کام آتا ہے - ان مذکورۂ بالا مستقل ملازمین کے علاوہ اکثر چند لوگ خاص
بادشاہ کی طرف سے مقرر کر کے ملک کے مختلف حصون مین بھیجے جاتے ہین جنھین غیر محدود
اختیارات حاصل ہوتے ہین - اور وہ حکومت کے معاملات کی خفیہ تحقیقات کرتے ہین -
رشوت ہر محکمے مین علانیہ جاری ہے اور ان غیر ذمہ دار عہدہ دارون کی نگرانی کے
با وجود بھی انصاف بہت کم ہونے پاتا ہے -

دراصل ملک کا پورا انتظام درمیانی عہدہ دارون کے ہاتھ مین ہے - ان لوگون
نے ایک ایسا گروہ قائم کر لیا ہے جو پشتہا پشت سے چلا آتا ہے - یہ لوگ بہت کم
باہر نکل کے شادیان کرتے ہین - ایک خاص حلقہ ہے اور یہی اُن خدمتون پر
مقرر ہوتے ہین -

فوجداری کے کُل مقدمات فوجی منڈارن فیصل کرتے ہین اور ہر مقدمے کی قطعی
اپیل ایک عدالت عالیہ مین ہو سکتی ہے جو دار السلطنت مین قائم ہے - اس عدالت
کے دو حصے ہین - ایک مین محض شہادت لی جاتی ہے اور دوسرے مین اُس شہادت
کی بنا پر فیصلہ سُنا دیا جاتا ہے - حکومت کے خلاف سازش کرنے والون اور باغیون
کا فیصلہ ایک خاص عدالت مین ہوتا ہے جسکے حکام ضرورت کے وقت خاص بادشاہ
کے حکم سے مقرر کر دیے جاتے ہین - بادشاہ کے خلاف سازش کرنے کے الزام مین
صرف وہ شخص ہی نہین بلکہ اُس کا پورا خاندان مجرم اور سزا کا مستوجب سمجھا جاتا ہے

عدالتی تحقیقات مین بھی زیادتی اور ظلم سے کام لیا جاتا ہے - اکثر ایسا ہوتا ہے
کہ بدنصیب مجرم کی ٹانگون کی ہڈیان جوڑون پر سے الگ کر دی جاتی ہین - رسّی کی

سخت بندش سے پنڈلیوں کا گوشت کٹ جاتا ہے۔ یا کبھی کبھی انسان کا پورا جسم بازوؤں میں رسی باندھ کے دیر تک ٹنکا دیا جاتا ہے۔ ملزم کو سولی یا پھانسی نہیں دی جاتی بلکہ اُس کا ایک ایک عضو کاٹ کے جان لی جاتی ہے۔

کوریا کی زبان چینی زبان کی ایک شاخ ہے۔ اس کا ایک ایک حرف علیحدہ لکھا جاتا ہے۔ سطریں اوپر سے نیچے کو آتی ہیں۔ زبان میں بہت سے چینی الفاظ ملے ہوئے ہیں اور بے شمار چینی الفاظ بگڑ کے کوریا کے بن گئے ہیں۔ گنتی میں نوے سے آگے کے لیے کوریا کی زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ لہذا اس کے لیے چینی شمار و اعداد سے کام لیا گیا ہے۔ اپنی مادری زبان کو خود کوریا والے بھی چھوڑتے جاتے ہیں۔ کیونکہ سب پڑھے لکھے لوگ ہمیشہ لکھنے بلکہ مباحثے میں بھی چینی زبان استعمال کرتے ہیں۔ سرکاری دفاتر۔ قانون۔ عام کتبے اور دوکانوں کے سائن بورڈ سب چینی زبان میں ہیں۔ لیکن کوریا والوں کی زبان کا تلفظ اسقدر مختلف ہے کہ چین کے لوگ بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ کنفیوشش کی مقدس کتابوں کا سرکاری ترجمہ ہے جس میں ایک لفظ بھی بغیر گورنمنٹ کی اجازت کے بدلنا یا گھٹانا اور بڑھانا سخت جرم ہے۔ مگر ایک اور کتاب ہے جو نہایت قدیم زمانے کی ایک عورت کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا پڑھنا بلکہ اپنے پاس رکھنا بھی قانوناً منع ہے مگر وہ خفیہ طور پر لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۸۶۶ء میں امیر البحر روز نے جب شہر کانگ ہو پر قبضہ کیا ہے تو اُنھیں وہاں ایک نہایت شاندار کتب خانہ ملا۔ جس میں چار ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں۔ ہر کتاب پر سرخ یا سبز رنگ کا ریشمی کپڑا چڑھا تھا۔ اور سب نہایت عمدہ ترتیب وار حفاظت سے رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کتاب خاص طور پر نمایاں تھی۔ اس میں کاغذ کے ورقوں کے بجائے سنگ مرمر کے برابر کے ٹکڑے لگے تھے جو تانبے کی قلعی کیے ہوئے تاروں کے ذریعے سے ایک جانب باندھ دیے گئے تھے تاکہ کتاب کے ورقوں کی طرح کھلیں اور بند ہو سکیں۔ اور اس خیال سے کہ سنگ مرمر کے ٹکڑے ایکدوسرے سے ٹکرا کے ٹوٹ نہ جائیں۔ ہر سنگ مرمر کے بیچ میں ریشم کی ایک سرخ گدی بنا کے رکھدی گئی تھی۔ اس کی عبارت سونے کے حرفوں میں لکھی تھی۔ جو سنگ مرمر کھود کے پیوست کر دیا گیا تھا۔

چین کی طرح کوریا مین بھی تعلیم کی بہت قدر کی جاتی ہے۔ سب عہدہ دارون اور سرکاری ملازمون کے لیے امتحان مین کامیابی حاصل کر لینا لازم ہے۔ طالب علم کو بالکل اختیار ہے کہ جس قسم کی اور جس اُستاد سے چاہے تعلیم حاصل کرے۔ مگر ممتحن سرکار کی جانب سے مقرر ہوتے ہین۔ جو امتحان کے نتیجے کے علاوہ اور کسی بات پر لحاظ نہین کرتے۔ خاص خاص امتحان سال مین ایک مرتبہ دار السلطنت مین ہوا کرتے ہین اور اس زمانے مین تمام اضلاع سے امیدوار وہان آ کے جمع ہوتے ہین۔ امتحان کے بعد جو لوگ کامیاب ہو جاتے ہین وہ اپنے درجے کے مطابق نئے کپڑے پہن کے اور گھوڑے پر سوار ہو کے باجے کے ساتھ سلطنت کے خاص خاص عہدہ دارون اور اپنے ممتحنون وغیرہ سے ملنے جاتے ہین۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اونچا نشان ساتھ ہوتا ہے جس مین اُن کی کامیابی کا حال لکھا ہوتا ہے۔ ان باتون کا اگرچہ قانوناً کوئی حکم نہین ہے مگر رسم ورواج کے لحاظ سے بہت ضروری ہین۔ اس وقت اس کامیاب طالب علم کے ساتھ طرح طرح کا مسخرہ پن کیا جاتا ہے عام طور پر اُس کا چہرہ سیاہی مین رنگ دیا جاتا ہے اور سر پر خاک ڈال دی جاتی ہے۔ سب سے بڑی تین ڈگریان ہین مگر ہر شخص بڑی سی بڑی ڈگری بغیر ابتدائی ڈگریان حاصل کیے لے سکتا ہے۔ اکثر یہ ڈگریان رشوت دے کے بھی حاصل کر لی جاتی ہین۔ ان ڈگریون کے کامیاب طلبہ مین سے صوبون کے گورنر۔ ضلعون کے حاکم اور شاہی محل کے اعلیٰ عہدہ دار مقرر کیے جاتے ہین۔ مگر انکے علاوہ بھی اور بہت سی مختلف شعبون کی ڈگریان ہین۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ درمیانی درجے کی خدمتون کے لیے ایک ڈگری ہے جس مین متوسط درجے کے لوگ ہوتے ہین۔ طبابت جس کی دو شاخین ہین ایک سرکاری ملازمت کے لیے اور ایک عوام کے علاج کرنے کے لیے۔ واقعہ نویسی۔ جس مین بیرونی ممالک زیادہ تر چین وجاپان سے مراسلت کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہین۔ مصوری۔ جس مین نقشہ کشی اور اپنے بادشاہ کی تصویر کھینچنا بتایا جاتا ہے۔ یہ تصویر بادشاہ کے مرنے کے بعد شاہی تصویرخانے مین رکھ دی جاتی ہے۔ قانون۔ دیوانی فوجداری اور جنگی جس مین زیادہ حصہ تعزیرات کا ہے۔ ایک اور ڈگری ہے جس مین سرکاری پانی کی گھڑیون کا بنانا اور اُنکی مرمت

کرایا سکھایا جاتا ہے۔
کوریا کے باشندون کا مذہب بودھ ہے جو چوتھی صدی عیسوی سے قانوناً ملکی مذہب قرار دیا گیا۔ مگر چودھوین صدی مین کنفیوشش کے اصول اس مین بھی شامل ہوگئے۔ اور وہی اب تک رائج ہین۔ لہذا چین کے تمام اصول کوریا مین بھی موجود ہین۔ مگر اُس مین چند ضعیف الاعتقادیان بھی شامل ہو گئی ہین۔ خشک سالی یا وبائی امراض کے دفعیہ کے لیے سور۔ بھیڑ۔ اور بکریون کی قربانیان کی جاتی ہین۔ تعلیم یافتہ گروہ مین اگر کوئی چیز خاص طور پر قابل عبادت ہے تو وہ اپنے آبا و اجداد ہین۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ تجہیز و تکفین۔ ماتم اور مقبرون پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ ملک کے ہر ضلع مین کنفیوشش کا مندر ہے۔ جسکے لیے بہت بڑی بڑی زمینین وقف ہین۔ لیکن اگر اُس کی آمدنی مندر کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہو تو ضلع کے خزانے سے اس کی کمی پوری کی جاتی ہے۔
کوریا کے لوگون کو بھوتون اور پلیدون پر بہت اعتقاد ہے۔ عوام کے سب کام وقت اور موسم کی موزونیت یا ناموزونیت کے تابع ہین۔ ہر ایک واقعہ کسی آیندہ بدقسمتی یا خوش نصیبی کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ گھر مین سب سے بڑی برکت کی چیز یہ ہے کہ باپ دادا کے زمانے کی آگ کسی وقت خاموش نہ ہونے پائے۔ اور اُس آگ کا روشن رکھنا ہر گھر والی عورت کا فرض ہے۔ ملک مین نجومی اور قسمت کا حال بتلانے والے بے شمار ہین۔ اندھون کی نسبت اعتقاد ہے کہ اُنھین غیب کی باتین معلوم ہو جاتی ہین۔ لہذا اُن کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اُس سے خوب فائدہ اُٹھاتے ہین۔ دارالسلطنت مین اندھون کی باضابطہ جماعت قائم ہے۔ اور وہان سے لوگ اُنھین رازون کے دریافت کرنے۔ قسمت کا حال پوچھنے اور شیطانون کے دفع کرنے کے لیے بلائے جاتے ہین۔
کوریا مین عورتین بہت کم وقعت رکھتی ہین۔ قانوناً اُنھین کسی قسم کا اختیار نہین دیا گیا ہے۔ اُن کی ذات۔ اُنکے افعال کی ذمہ دار نہین ہوتی بلکہ زندگی بھر وہ کسی نہ کسی کی حفاظت اور سرپرستی مین رہتی ہین۔ امرا کی عورتین کہین نکلنے

نہین پاتین مگر عام عورتون کو باہر نکلنے کی آزادی ہے - عوام مین مردون اور عورتون دونون کو بیوی یا شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لینے کی اجازت ہے - مگر امرا مین دوسری شادی جائز نہین - اپنے بچون سے انتہا درجے کی محبت رکھنا کوریا والون کے خصائص مین سے ہے - اگر کسی کی اولاد نہ ہو تو خاندان کے بقا کے لحاظ سے وہ کسی کو متبنّیٰ کر سکتا ہے مگر لڑکے کا انتخاب نہایت سخت قواعد کے تابع ہے - بزرگون کا بہت ادب کیا جاتا ہے - بیٹے کو اپنے باپ کا ہمیشہ مطیع و فرمان بردار رہنا چاہیے - اگر وہ کہین راستے مین اپنے باپ سے ملے تو بہت جھک کے سلام کرے - خط خاص آداب والقاب سے شروع اور ختم کرے - اگر باپ بیمار ہے تو بیٹا شب وروز اُس کی تیمارداری مین مصروف رہے - بدقسمتی سے اگر باپ قید خانے بھیج دیا جائے تو بیٹے کے لیے بھی لازم ہے کہ قید خانے کے باہر ہی پڑا رہے اور اگر باپ جلا وطن کر دیا گیا ہے تو بیٹا بھی مسافرت مین اسکے ہمراہ رہے -

مقیاس نیل

جنوری ۱۹۱۷

کسی دریا کے مقیاس سے مراد وہ پیمانہ یا میٹر ہے جسکے ذریعے سے اُس کے بڑھنے اور گھٹنے کا اندازہ کیا جا سکے - یون تو دنیا مین سیکڑون ہزارون ندیان ہین مگر کسی کے چڑھاؤ اُتار کا اندازہ کرنے کی لوگون کو اگلے دنون اس قدر فکر نہ تھی جس قدر کہ دریاے نیل کے بڑھنے گھٹنے اور اُس کا کوئی خاص پیمانہ مقرر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی -

اصل یہ ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی متمدن سرزمین ارض مصر ہے - اور مصر کے فلاح وبہبود بلکہ وہان کے لوگون کی زندگی کا دارومدار قدیم الایام سے آج تک صرف دریاے نیل پر رہا ہے - ملک مصر ایک طرف وادی تیہ سے دوسری جانب دشت سوڈان سے اور تیسری سمت ریگزار طرابلس سے گھرا ہوا ہے - غرض کہ بالکل صحرا وجبال کے آغوش مین ہے - بارش اس قدر کم ہوتی ہے کہ زراعت اور پیداوار کے لیے بالکل ناکافی ہے - صرف ایک دریاے نیل نے جو جنوبی دشت سوڈان

سے بہتا ہوا آکے بحیرۂ روم میں گرا ہے۔ اس بیاباں زمین کو دنیوی جنت بنا دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نیل ہی مصر کی کل کائنات ہے۔ یہ دریا نہ ہوتا تو مصر بھی ایک دشت بے گیاہ ہوتا جس میں اہرام کی جگہ ریگ رواں کے تودے اور دولتمند زمینداروں کے بدلے بدوی خانہ بدوش پانی کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتے نظر آتے۔

دریاے نیل کی سب سے بڑی برکت اُسکی یہ خصوصیت ہے کہ گرمیوں میں وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے چادر آب زمین پر کوسوں اور منزلوں تک پھیل جاتی ہے۔ اور جب زمین اچھی طرح پانی پی کے سیراب ہو لیتی ہے تو دریا اُترنے لگتا ہے۔ میدان کھل جاتے ہیں۔ اور ہر طرف ہرے ہرے کھیت لہلہا اُٹھتے ہیں۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مصر والوں کی زندگی کا دارومدار دریاے نیل ہی پر نہیں بلکہ اُس کی طغیانی پر ہے۔ طغیانی میں ذرا بھی تاخیر ہوئی تو لوگوں میں ہل چل پڑ جاتی ہے۔ اور کمی ہوتی ہے تو قحط باعث ہلاکت ہو جاتا ہے۔ اسی کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ مسیحیت نے اگرچہ بت پرستی کے تمام پُرانے طریقوں کو مٹا دیا۔ مگر مصری قبطیوں کی اس مشرکانہ ضعیف الاعتقادی کو نہ مٹا سکی کہ دریاے نیل کی طغیانی میں تاخیر ہوئی اور لوگوں نے شہر کی کسی خوبصورت کنواری لڑکی کو چھانٹ کے بنا بنا چُنایا۔ اور آبی دیوتا کی بھینٹ کے لیے دریا کنارے کسی چٹان میں باندھ کے بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ طغیانی شروع ہوئی۔ پانی اُس معصومہ کے ٹخنوں سے گھٹنوں تک۔ گھٹنوں سے کمر تک۔ کمر سے سینے تک۔ سینے سے گلے تک۔ اور گلے سے سر تک پہونچ کے اونچا ہو گیا بے گناہ لڑکی چیختے چیختے ڈوب کے مر گئی۔ کسی نے خبر نہ لی۔ اور اُسکے مر چکنے پر سب کو اطمینان ہوا کہ دیوتا نے نذرانہ قبول کر لیا اب طغیانی اچھی ہو گی۔ بت پرستوں کی یہ سنت قدیم کئی صدیوں تک عیسائیوں کے ہاتھ سے انجام پاتی رہی تھی کہ حضرت عمر فاروق رضہ کے عہد معدلت مہد میں مصر قلمرو اسلام میں شامل ہوا۔ صحبت یافتہ رسول فاتح دوالی عمرو بن عاص رضہ نے پہلے پہل جو مصر میں یہ رنگ دیکھا کہ نیل کی طغیانی میں تاخیر ہوئی اور

ایک بیگناہ کنواری جل دیوتا کی بھینٹ کے لیے چھانٹی جا رہی ہے تو کھٹکے - اور دربار فاروقی مین اطلاع کی - حضرت فاروق اعظمؓ یہ حال سنتے ہی خوف خدا سے کانپ گئے - فوراً اس رسم بد کو رُکوایا - اور دریاے نیل کے نام ایک خط یا یون کہیے کہ جل دیوتا کے پاس اپنا مراسلہ بھیجا - جس کا مفہوم یہ تھا کہ "اگر تیری طغیانی خدا کے حکم سے ہے تو اُسے ہونا چاہیے - اور اگر بغیر اس کے ہے تو ہمین ضرورت نہین" یہ مراسلہ حسب ہدایت خلافت دریا مین ڈال دیا گیا - اور بغیر اسکے کہ ایک غریب لڑکی کی جان جائے زور وشور سے طغیانی شروع ہوگئی - اور پھر اسکے بعد کبھی اُس رسم کا اعادہ نہین ہوا -

بہر حال اس طغیانی کی ملک کو اس درجہ ضرورت تھی اور لوگون کو اس کی اس قدر فکر رہا کرتی تھی کہ قدیم الایام ہی مین فراعنہ کے زمانے مین اس قسم کے مقیاس بنا کے دریا مین قائم کر دیے گئے تھے جن سے اندازہ ہوجایا کرتا کہ پانی کس درجے تک بڑھا - اور جتنا بڑھا ہے وہ ملک کی زراعت کے لیے کس حد تک کافی ہے - غرض دنیا مین سب سے پہلا پیمانۂ طغیانی مصر مین اور دریاے نیل کے اندر قائم کیا گیا - مورخین عرب کا بیان ہے کہ نیل کی طغیانی کا پیمانہ پہلے پہل حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانۂ وزارت مین بنوایا تھا - جو شہر منف مین تھا اسکے بعد دلوکہ عجوزہ نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے والے فرعون کے غرق ہونے کے بعد فرمان روا ے مصر ہوگئی تھی دو مقیاس بنوائے - ایک مقام انصنا مین اور دوسرا شہر اخمیم مین - اس کے بعد قبطیون نے ایک اَور مقیاس قصر شمع مین دیر نبات کے کھنڈرون کے متصل بنایا تھا - جسکے آثار تین سو برس پیشتر تک باقی تھے - اور شاید اب بھی نظر آسکین -

اسکے بعد زمانۂ اسلام مین خلفاے متقدمین کو نیل کے مقیاس کے قائم رکھنے کی فکر رہا کرتی تھی - سب سے پہلے اُموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے ایک مقیاس بنوایا تھا - عمر بن عبد العزیز نے ایک چھوٹا سا مقیاس شہر حلوان مین قائم کیا تھا - اُسکے بعد مامون رشید عباسی نے ایک مقیاس مقام سردان مین بنایا - پھر حاکم مصر احمد بن طولون نے شہر فسطاط مین ایک مقیاس قائم کرایا -

گر ابن طولون سے پہلے خلیفہ متوکل علی اللہ عباسی نے یہ سُن کے کہ مصر کے پُرانے مقیاس خراب اور بیکار ہو گئے ہیں اپنے والی یزید بن عبداللہ کے نام فرمان بھیجا کہ خاص دمیاط میں جو دریائے نیل کے دہانے کے قریب ہے ایک نیا مضبوط مقیاس قائم کرے۔ اور پُرانے بگڑے ہوے مقیاسوں کو مٹا دے تاکہ لوگوں کو دھوکا نہ ہو۔ یزید مذکور نے ۲۴۷ھ میں بڑے اہتمام سے ایک نیا اور نہایت پائدار مقیاس تعمیر کرایا جو غالباً آج تک موجود ہے۔

اس مقیاس کی تعمیر میں جو اہتمام کیا گیا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس مقام پر اسکی بنیاد پڑی ہے وہاں دو ہزار کشتیاں پتھروں کو لیجا کے ڈالنے میں ٹوٹ لیں تو بنیاد قائم اور مضبوط ہوئی۔ اس عمارت کی وضع یہ تھی کہ دریا کے اندر پختہ دیواروں سے ایک مربع حوض بنایا گیا۔ جس میں نالیوں اور جھنجریوں سے پانی آتا تھا۔ اُسکے درمیان میں سفید بُراق سنگ مرمر کی ایک بڑی بھاری لاٹ قائم کی گئی۔ اس لاٹ میں ایک ایک اُنگل کے فاصلے سے خط کھینچے گئے جو قیراط کہلاتے۔ اور بہت سے قیراطوں کا ایک گز قرار دیا گیا۔ مگر نیچے کے بارہ گز اٹھائیس اٹھائیس قیراط کے قرار دیے گئے۔ پھر اُسکے اوپر کے گز چوبیس چوبیس قیراط کے رکھے گئے۔ اس مقیاس کے حساب سے پوری غیر مضر طغیانی کا درجہ سترھواں گز تھا۔ اس سے کم طغیانی ہوتی تو ناکافی ہوتی۔ اور اُس سے زیادہ بڑھتی تو مُلک کو سیلاب سے نقصان پہونچ جاتا۔

مصر میں یہ مقیاس اس قدر اہم چیز تصور کیے جاتے تھے کہ سلطنت کی جانب سے ہمیشہ ان کا ایک مستقل مہتمم رہا کرتا تھا۔ جس کا فرض تھا کہ اُنکو درست رکھے۔ اور اُن میں دیکھ دیکھ کر برابر رپورٹ کیا کرے کہ طغیانی کس درجے تک پہونچی۔ یا پانی کتنا چڑھا اور اترا۔ مگر خلفاے سلف کے دور میں مدت دراز تک یہ خدمت مسیحی قبطیوں کے سپرد رہی۔ یا تو یہ سمجھا جاتا کہ وہی اس کام کے جاننے والے تھے۔ اور اس کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ کہ محض مذہبی تعصب کی بنا پر یہ خدمت عیسائیوں سے لے لی جائے۔ مگر متوکل کے عہد میں اُس کے حکم سے جب یزید بن عبداللہ نے نیا مقیاس تعمیر کرایا تو مسیحی منتظم کو موقوف کر کے جامع عمرو بن عاص کے منتظم و امام شیخ

عبداللہ بن عبدالسلام بن ابی الرداد کو مقیاس کا منتظم مقرر کر دیا - یہ بزرگ بڑے عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے -

اس خدمت کے لیے آج کل ایک مسجد کا امام موزون نہ نظر آتا ہوگا - مگر اصل یہ ہے کہ وقت کی نگہداشت اُن دنون مسجد کے اماموں ہی سے متعلق تھی - مسجدون مین اوقات پنج گانہ کی تحقیق کے لیے دائرۂ ہندیہ ہیأت کے قواعد سے بنایا جاتا اور اس سے دھوپ گھڑی کا کام لیا جاتا - ان دھوپ گھڑیون کو مسجد کے امام ہی خوب سمجھتے اور بنواتے - اور اسی مناسبت سے غالباً دریائے نیل کے مقیاس کی نگرانی بھی شہر کی سب سے بڑی مسجد کے امام کے سپرد کی گئی - اگر آج کل کا کوئی امام مسجد ہوتا تو واقعی اس خدمت کے قابل نہ ہوتا - مگر شیخ عبداللہ بن عبدالسلام نے اس کام کو ایسی خوبی سے انجام دیا کہ اُن کے بعد بھی اُنکے فرزندون کے سپرد کیا گیا - اور علامہ محمد عبدالمعطی بن ابوالفتح اسحاقی اپنی کتاب "اخبار الاول" مین فرماتے ہین کہ "اُنکے زمانے تک مقیاس نیل کے منتظم اُنھین شیخ عبداللہ اسحاقی کی نسل کے لوگ تھے"

لیکن ساتھ ہی علامۂ موصوف یہ بھی فرماتے ہین کہ اب ملک کی حالت مین انقلاب ہوگیا - بعض زمینین بلند ہوگئین - نالیان جا بجا سے اَٹ گئین - پلون کا استظام بگڑ گیا - جن خرابیون سے پُرانا مقیاس بھی جھوٹا پڑ گیا - یا تو ۱۷ گز تک کی طغیانی مین سارا ملک سیراب ہو جاتا تھا - یا اب اُسی مقیاس مین جب تک طغیانی ۲۰ گز کو نہ پہونچے پیداوار اچھی نہین ہوتی -

یقین ہے کہ اب دولت برطانیہ ان سب باتون کی اصلاح کر لے گی - کیونکہ یہ کام اب پُرانے منتظمون کی گرفت سے باہر ہوگیا اور آج کل کا سائنس اور موجودہ علم ریاضی ایسے اعلیٰ درجۂ کمال کو پہونچ گیا ہے کہ پُرانی چیزین تقویم پارینہ ہوتی جاتی ہین - لہذا اُمید ہے کہ اب آج کل مغربی باکمالون کے ہاتھ سے جو کام انجام پائیگا سب سے بڑھا چڑھا ہوگا -

ہمارا سفر پالن پور

(۱)

ایک مدت سے ہمین اپنے مکرم دوست سید گلاب میان صاحب مصنف تاریخ پالن پور سے ملنے کا شوق تھا۔ اکثر قصد کیا مگر نوبت نہ آئی۔ اب کی ماہ ذیحجہ کے اوائل مین اُنھون نے کچھ ایسے ذوق و شوق کی تحریر اور تاکیدی الفاظ سے ہمین بُلایا کہ انکار کرتے نہ بنی اور جانا ہی پڑا۔

سب سے زیادہ شوق ہمین اُس چھوٹے اسلامی دربار کے دیکھنے کا تھا جسے ہمارے مکرم گلاب میان صاحب نے اپنی تاریخ مین بتایا ہے کہ ۵۸۶ برس سے مارواڑ اور گجرات کے درمیانی حدود پر واقع ہے۔ اور اپنی تاریخی قدامت مین تمام موجودہ ریاستون سے پُرانا اور ہندوستان مین مغل امپائر سے بھی پہلی فتوحات اسلام کی یادگار ہے۔

غرض اسی ذوق و شوق کا اثر تھا کہ ہم جو لکھنؤ کے ایک محلے سے دوسرے محلّے مین مُنتقل جاتے ہین ۴ - اکتوبر ۱۹۱۶ء (۵ - ذیحجہ ۱۳۳۴ھ) کو برخوردار محمد صدیق حسن سلمۂ کو اپنے ساتھ لے کے چل کھڑے ہوے۔ اور ۷ - ذیحجہ کی صبح کو پالن پور کے اسٹیشن پر تھے۔ گلاب میان صاحب اور اُنکے رشتے کے ایک عزیز بھائی شبیر میان صاحب اسٹیشن پر موجود تھے۔ وہ محبت بھری صورتین دکھین جن کے لطف سے تو مدت سے بہرہ یاب ہوتے رہے تھے۔ مگر اُن کا دیدار آج نصیب ہوا۔

اپنے کرم فرما کی عنایت سے ہمین ریاست کی مہمانی کی عزت دی گئی۔ اور باغ دلکشا کے چھوٹے بنگلے مین ٹھہرائے گئے جس کی پشت پر شہر پناہ ہے۔ تین طرف ایک فرحت بخش باغ ہے اور بائین جانب چند قدم پر ایک باؤلی پر رہٹ چلتا رہتا ہے جو ہر وقت اپنی گردش سے انقلاب عالم کا اور باغ کی آبیاری سے والی ملک کی دریادلی و رعایا پروری کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔

گلاب میان صاحب پہلے تو میر منشی ریاست تھے مگر فی الحال میر عمارت ہین۔ اور چونکہ رئیس دولت ہز ہائینس دیوان شیر محمد خان بہادر جی - سی - آئی - ای

کے سب سے بڑے معتمد علیہ ہین۔ اس لیے اُنھین بہت ہی کم فرصت رہتی ہے۔ تاہم دو تین گھنٹے ہمارے پاس ٹھہرے اور پھر معذرت خواہ ہو کے شبیر میان صاحب کو ہمارے پاس چھوڑ کے چلے گئے۔ جنھون نے پورے زمانۂ قیام مین بڑے لطف و محبت کے ساتھ ہماری رفاقت کی۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ریاست کے مختصر حالات ہم اپنے ناظرین کی خدمت مین بیان کر دین۔ تاکہ اُنھین معلوم ہو سکے کہ یہ ریاست ہندوستان کی تاریخ اسلام کا کتنا پُرانا۔ اہم۔ اور قابل قدر ورق ہے۔

اس قدیم اسلامی دربار کی بنیاد سلطان محمد تغلق کی وفات کے سال یعنی ۷۵۱ھ مین پڑی جبکہ پٹھانون کے ایک سرغنا ملک خرم نے اِس علاقے کو ہندو راجپوتون سے فتح کر کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اور دو سال بعد دولت تغلقیۂ دہلی کے صوبہ دار گجرات سے مسند نشینی کی سند بھی حاصل کر لی۔ تھوڑے ہی دنون کے بعد سلطان ملوک گجرات کا دور شروع ہوا۔ اور یہ دربار جس کا دار الریاست اُن دنون شہر جالور تھا اُسی سے وابستہ ہو گیا۔

اس خاندان کے پانچوین مسند نشین دیوان عثمان خان کے عہد مین سید محمد صاحب جونپوری نے دعوائے مہدیت کیا۔ جن کی طرف وسط ہند اور دکن کا فرقۂ مہدویہ منسوب ہے۔ سید صاحب ممدوح اپنی سیر مین اس ریاست کی قلمرو مین بھی تشریف لائے۔ اور دیوان عثمان خان نے غالباً ۹۰۵ھ مین ان کو مہدی موعود تسلیم کر کے اُنکی پیروی اختیار کر لی۔ اُسوقت سے آج تک اِس ریاست کے مسند نشینون کا مذہب "مہدوی" ہے جو سوا دو ایک باتون کے جملہ اُمور مین فقہ حنفیہ پر عمل کرتے ہین۔ سید محمد جونپوری کو مہدی موعود ماننا جزو ایمان جانتے ہین۔ اور زیادہ تر اُن کا رجحان تصوف اور روحانی ترقیون اور باطنی تعلیمون کی طرف ہے۔

نوین مسند نشین ریاست ملک سکندر خان کے عہد یعنی ۱۰۳۸ھ مین وزیر ریاست کے فرزند ملک خان بن ہیتم خان نے بزور شمشیر مسند ریاست پر قبضہ کر لیا۔ ملک خان بھی اسی گروہ افاغنہ مین سے تھے اگرچہ ملک خرم خان کی نسل سے نہ تھے۔ لہذا اس عہد سے حکمرانون کی قوم تو وہی رہی مگر خاندان امارت بدل گیا۔ ملک خان کے عہد

گجرات کا فرمان روا سلطان بہادر شاہ تھا - گجرات کی اسلامی سلطنت سے یہ ریاست پونے دو برس تک وابستہ رہی تھی کہ اُس دولت کا خاتمہ ہوگیا - ۹۹۸ھ مین شہنشاہ اکبر نے جو پورے گجرات کا مالک ہوگیا تھا اس خاندان کے مسند نشین غزنی خان کو اپنی طرف سے خلعت عطا کرکے رئیس ریاست تسلیم کرلیا - جو اس ریاست کے بارہوین مسلمان رئیس تھے -

اب اس ریاست اور دربار مغلیہ مین بہت اچھے تعلقات تھے - اور یہان کے رئیس دولت چغتائیہ کے بڑے بڑے اہم خدمات بجا لائے - چودھوین مسند نشین فیروز خان اول عرف کمال خان نے جالور کو چھوڑ کے موجودہ شہر پالن پور کو اپنا دارالریاست قرار دیا - اور اُسی وقت سے پالن پور کا زمانہ شروع ہوا - یہ ۱۰۴۵ھ کا واقعہ ہے -

چھبیسوین مسند نشین ریاست فتح محمد خان کے زمانے مین باہمی جھگڑے پیدا ہوے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بغرض رفع شر دخل دینا پڑا - اور کمپنی کی جانب سے کیپٹن مائلس نے بڑی خون ریزیون کے بعد فتح محمد خان کو مدد دی اور انھین مستقل فرمان روا بنایا - اور وہی پہلے انگریزی پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور مقرر ہوے - ۱۲۷۱ھ مین فتح محمد خان نے انتقال کیا تو دیوان زور آور خان مسند نشین ہوے - ۱۸ - شعبان ۱۲۹۴ھ کو اُنھوں نے بھی سفر آخرت کیا - اور اُنکے جانشین موجودہ رئیس زبدۃ الملک دیوان نواب سر شیر محمد خان بہادر - جی - سی - آئی - ای ہوے -

نواب صاحب ممدوح ۱۲۶۹ھ مین پیدا ہوے تھے - ۲۶ سال کی عمر مین عنان ریاست ہاتھ مین لی - اِسوقت سن شریف ۶۶ سال کا ہے - اور اس قدیم اسلامی ریاست کے اٹھائیسوین فرمان روا ہین -

اس ریاست کے یہ خصائص تاریخی حیثیت سے نہایت ہی قابل قدر ہین کہ اس نے ہندوستان کے چار مختلف دورون کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے اپنے موافق بنا لیا - پہلے دہلی کے خاندان تغلق دلودی کو - پھر احمد آباد کی اسلامی دولت گجرات کو - اُس کے بعد دولت مغلیہ دہلی کو - اور سب کے آخر مین دولت برطانیہ

انگریزی کو۔ اور اس سے بھی زیادہ قابل حیرت و قدر یہ ہے کہ مرہٹون سے اس قدر قریب ہونے پر بھی یہ ریاست اُن پہاڑی لٹیرون کی دست برد سے ہمیشہ محفوظ رہی۔

اس خاندان کی فرمان روائی کی تاریخ سے ایک اور بہت ہی نئی بات کا انکشاف ہوتا ہے۔ جو مورخین ہند کے لیے انتہا سے زیادہ قابل غور و لحاظ ہے۔ دعوے یہ کیا جاتا ہے کہ ہندو مسلمانون کو ملا کے ایک قوم بنانے اور یکسان کر دینے کے لیے ان دونون قومون مین باہمی شادی بیاہ کے رواج دینے کا سہرا شہنشاہ اکبر کے سر ہے۔ مگر رؤسائے پالن پور کی تاریخ بتا رہی ہے کہ دولت مغلیہ سے پہلے ہی یہان کے رئیسون نے ایسے نکاحون کی بنیاد ڈال دی تھی۔ کیونکہ دولت مغلیہ سے پہلے ہی معزز ہندو خاندانون کی لڑکیان اس ریاست کی رانیان ہوا کرتی تھین۔ چنانچہ ملک خان نے جو ۹۱۷ھ مین مسند نشین ہوے تھے ارجن سنگھ بھیاوت کی بیٹی آمران بائی سے شادی کی جس کے بطن سے ولیعہد ریاست ملک غزنی پیدا ہوئے اکبر کی تخت نشینی کے تین سال بعد ۹۶۲ھ ہجری مین ہوئی جس کے مدت دراز بعد اُس نے ہندو رانیان اپنے محل کے لیے حاصل کین۔ اور لطف یہ کہ سلطنت مغلیہ مین یہ طریقہ آخر تک نہ نبھ سکا تھا مگر رؤسائے پالن پور کے محل مین آج تک جاری ہے اور موجودہ رئیس کی والدۂ محترمہ بھی ایک شریف گھرانے کی ہندو راج کنواری تھین۔ اور چاہے ہندو لوگ اس طریقے کو چھوڑ دین مگر ریاست پالن پور اور اُس کے تمام معزز امرا آج تک اس اتفاق و یکجہتی کی رسم کے زندہ رکھنے کو موجود ہین۔

اور شاید ہندو مسلمانون مین یہان اس قدر میل جول ہونے کا بھی یہی سبب ہے کہ رؤسائے پالن پور کے یہان بمقابل دیگر مقامات کے مسلمان رئیسون کے ہندو رسمون اور ہندو معاشرت کا اثر زیادہ نظر آتا ہے۔

جس سرزمین مین یہ ریاست واقع ہوئی ہے بہت پُر لطف ہے۔ مناظر قدرت کا اچھا نظارہ ہوتا ہے۔ مغرب جانب شہر سے دس بارہ میل ہٹ کے کوہستان اراولی کا سلسلہ گذرا ہے۔ جو ٹیان ابر و باد کے زمانے مین اکثر بدلیون کا ہار پہنے نظر آتی ہیں۔

اسی سلسلے کی بلندی پر آبو کی آبادی نظر آتی ہے - اور آبو کے جس جنوبی و مشرقی پہلو سے پالن پور نظر آتا ہے وہ پالن پور پوائنٹ کہلاتا ہے -

اب ہم اپنے قیام پالن پور کا تذکرہ شروع کرتے ہیں - ہز ہائنیس کی منظوری اور گلاب میاں صاحب کی تجویز سے یہ پروگرام مقرر ہوا تھا کہ ہم دوسرے دن ہز ہائنیس اور اُن کے بلند اقبال فرزندوں سے ملیں گے - مگر ہماری بدقسمتی سے اُسی شب کو محل میں ایک غمی کا سانحہ ہوگیا - وہ یہ کہ ولیعہد بہادر کے سالے کی انیسۂ زندگی بیوی جو ایک مدت سے دق میں مبتلا تھیں سفر آخرت کر گئیں - خاندان ریاست میں سوگ ایک معتدبہ زمانے تک مانا جاتا ہے - لیکن اس موقع پر عید الضحیٰ کی تقریب سر پر آ چکی تھی - اور سب سے زیادہ دشواری یہ کہ مرشد علی پیر اور قاضی انور میاں کے عرس درپیش تھے - جن بزرگوں سے ہز ہائنس اور تمام اہل پالن پور کو بڑی عقیدت ہے - اور اُن کے عرس کو ہز ہائنیس کی توجہ سے نواب زادہ تاج محمد خان صاحب ولیعہد ریاست خاص اہتمام سے نصرام فرماتے ہیں چنانچہ یہ عرس اب ایک نہایت ہی بارونق نمائش گاہ بنا دیا گیا ہے - جو ہر سال دسہرے کے موقع پر ہوتا ہے - اور دسہرہ جس قمری مہینے میں پڑے اُسکی ۷ تاریخ سے شروع ہو کے ۱۷ تک یعنی ۱۰ روز تک قائم رہتا ہے -

اس میلے کا اہتمام گلاب میاں کے سپرد ہے - چنانچہ اُن کی کوشش سے احمد آباد گجرات اور دیگر بلاد دور و دراز کے تاجر اور دُکاندار آئے ہوئے تھے - اور شہر پناہ کے باہر درگاہ کے آس پاس نہایت صفائی - خوشنمائی اور قرینے سے ایک ایسا ستھرا اور بارونق بازار قائم ہوگیا تھا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے -

ہر حال بقرید اور اس میلے اور عرس کی وجہ سے سوگ صرف محل کے زنانے حصے تک محدود رکھا گیا - اور دربار کی بیرونی شان میں کوئی فرق نہیں آیا - لیکن جنازے کے ساتھ خود حضور اور صاحبزادے اور اراکین دولت قبرستان تک تشریف لے گئے - چنانچہ دن بھر ان غمناک مشاغل میں مصروف رہنے کی وجہ سے ہز ہائنیس کو کسی اور کام کے لیے فرصت نہ ملی - اور گلاب میاں صاحب کو جو ہجوم کار سے پہلے ہی خستہ ہو رہے تھے حرارت آ گئی -

یہ خاص دسہرے کا روز تھا۔ جس دن ہر سال حضور کی سواری پورے اہتمام اور شان و شوکت سے نکلا کرتی ہے۔ ہندو رعایا کی دلدہی کے لیے اور دونوں گروہوں میں اتحاد وارتباط کے قائم رہنے کے لیے قدیم سے معمول چلا آتا ہے کہ جس طرح عیدین کو ہز ہائینس سوار ہو کے عیدگاہ تشریف لے جاتے ہیں اُسی طرح دسہرے کو بھی پورے جلوس سے شہر میں برآمد ہو کے ہندو رعایا کی مسرت دوبالا فرماتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس سال اس سانحے کی وجہ سے یہ جلوس نہ نکل سکا اور ہندوؤں کی تمنا نہ برآئی۔

عام رعایا کے ساتھ رئیس کا اخلاق اور برتاؤ ایسا اچھا ہے کہ ہر شخص جان نثار کرنے کو تیار رہا کرتا ہے۔ ہز ہائینس ہر ادنیٰ شخص کی طرف بھی بہ نفس نفیس متوجہ ہو کے اُس کی فریاد سنتے اور جہاں تک امکان میں ہوتا ہے چارہ جوئی فرماتے ہیں۔ اپنے سفر کے باقی حالات ہم آیندہ نمبر میں عرض کریں گے۔

(۲)

۹۔ ذیحجہ ۱۳۳۳ھ کی صبح کو ہمیں حضور نواب صاحب کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقع ملا۔ گلاب میاں صاحب باوجود ناسازی طبع کے تشریف لائے اور مجھے اور صدیق سلمہٗ کو اپنے ہمراہ ایوان ریاست میں لے گئے۔ دربار کا ہال نہایت ہی پر تکلف سامان زینت سے آراستہ تھا۔ صدر میں مسند یا کرسی کے عوض ایک پر تکلف اطلس کا کوچ تھا جو ہنڈولے کی وضع سے دو چوبی ستونوں میں لٹکا ہوا تھا اور جھولے کی طرح جھلایا جا سکتا تھا۔ اُس ہنڈولے کے دونوں جانب دو طلاکار کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اُس کے سامنے بیش قیمت ترکی قالینوں پر داہنی بائیں جانب چھ چھ کرسیوں کی آڑی آڑی دو صفیں تھیں۔ بائیں صف کی کرسیوں پر گلاب میاں صاحب اور دو تین اور معززین دربار بیٹھ گئے۔ اور داہنی جانب کی کرسیوں پر ہم دونوں اُمیدواران باریابی بٹھائے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بیٹھے تھے کہ نواب صاحب مع دونوں صاحبزادوں کے برآمد ہوئے۔ ہم سب کا سلام لیا اور خود حضور اُس جھولنے والے کوچ پر اور دونوں صاحبزادے اُس کے پہلو کی دونوں کرسیوں پر رونق افروز ہو گئے۔ نواب زادہ طالع محمد خان بہادر ولی عہد ریاست چونکہ اپنے

مسند نشین والد بزرگوار کی داہنی جانب تھے اس لیے ہم سے زیادہ قریب تھے۔
ہم نے حصول باریابی کی خوشی مین بڑھ کے نذر دکھائی۔ اور اپنی چند کتابین جن کو ساتھ لیتے گئے تھے پہلے حضور نواب صاحب کے ملاحظے مین پھر ولی عہد بہادر کی خدمت مین پیش کین۔ جو شگفتگی و مسرت کے ساتھ قبول کی گئین۔ نواب صاحب نہایت ہی معمر و سن رسیدہ اور ہر طرح واجب الاحترام ہین۔ اور ان خوبیون کے ساتھ اس قدر خلیق و متواضع کہ اُن کی شفقت و مرحمت کا اثر ہر ملنے والا اپنے دل مین ایک جذبۂ مسرت و ناز کی شان سے لے جاتا ہے۔ اور کبھی نہین بھولتا۔ حضور کے اخلاق پیرانہ سالی کے ضعف پر غالب آکے ہر شخص محتشم الیہ کو گرویدہ بنا لیتے ہین۔
اور بڑی خوشی کی یہ بات ہے کہ ولی عہد بہادر کو بھی یہ تمام اخلاق اپنے والد محترم کے ورثے مین ملے ہین۔ اُنھون نے حسب مذاق زمانہ انگریزی تعلیم پرائیوٹ اساتذہ سے پائی ہے۔ حد سے زیادہ خلیق و متواضع اور ملنسار ہونے کے ساتھ ہر شخص کے حال پر نہایت ہی شفیق و مہربان ہین۔ انگریزی اور اُردو دونون زبانین بہت ہی اچھی اور صاف بولتے ہین۔ اور کاروبار ریاست مین اس قدر دلچسپی لیتے ہین کہ اُن پر بھروسا کر کے کل کاروبار ریاست اُنھین کے ہاتھ مین دے دیا گیا ہے۔ اور وہ نہایت ہی محنت و خوش اسلوبی سے کُل محکمون کے کامون کو انجام دے رہے ہین۔
اس امر پر حضور نواب صاحب کے سامنے مین نے اپنی مسرت ظاہر کی کہ اکثر ریاستون مین ولیعہدون اور رئیسون کے مابین صفائی نہین۔ جس کا باعث کہین تو ولیعہدون کی آزادانہ خودسری و بے پروائی ہوتی ہے اور کہین اُنکے مصاحبون کی دراز ازی و فتنہ انگیزی۔ الحمدللہ کہ حضور کے فرزند جوانِ صالح۔ اعلیٰ اخلاق سے متصف۔ اور ایسے ہوشیار ہین کہ حضور کو اُن پر پورا بھروسا اور اعتبار رہے۔ اور یہان ایسے فتنہ جو مصاحب بھی نہین جو خلل انداز ہو سکین۔ پھر مین نے عرض کیا کہ "ایسے ہونہار اور نیک فرزند حضور کی اعلیٰ ترین خوش اقبالی ہین" اسپر نواب صاحب نے بہت مسرت ظاہر کی اور فرمایا کہ "مجھے اپنے بیٹون

سے کوئی شکایت نہین - مین انھین ہرطرح سعادت مند پاتا ہون - اور انکی خوبیون پر مجھے اس قدر بھروسا ہے کہ مین نے انھین پر سب کام چھوڑ دیے ہین - اور کمال اطمینان کے ساتھ اپنی ضعیفی و فارغ البالی کی زندگی بسر کرتا ہون"

اس دوران مین صاحبزادے صاحب سے بھی مختلف امور کا تذکرہ رہا اور اُنھین حسب ضرورت زمانہ قابلیت اور واقفیت مین نہایت ہی مکمل پایا - چھوٹے صاحبزادے ذرا خاموش ہین - مگر جہان تک مجھے معلوم ہو سکا وہ بھی بہت قابل اور ہونہار ہین -

تقریباً ایک گھنٹہ بھر صحبت رہی جس کے بعد ہم حضور سے رخصت ہوکے اپنی فرودگاہ مین واپس آئے اور حضور کے حکم سے جس کا وعدہ ہم نے اُسی ملاقات مین کر لیا تھا شام کو عرس مین گئے جہان گلاب میان صاحب نے اپنی جانب سے ٹی پارٹی دی تھی - حضور نواب صاحب مع دونون فرزندون کے مجھ سے پہلے ہی رونق افروز ہو چکے تھے - مجھے بھی میز پر حضور کے مقابل عزت دیگئی - اس موقع پر بھی نواب صاحب نہایت ہی محبت و اخلاص کے ساتھ باتین کرتے رہے - یہان مسٹر دہلوی بیرسٹرایٹ لا سے شرف نیاز حاصل ہوا جو ہندوستان کے منتخب سیاسیین اسلام مین سے ہین - اُن کا خاندان تو دہلی کا ہے مگر فی الحال اطراف بمبئی مین وطن ہے - اور کئی سال سے ریاست پالن پور کے جوڈیشل سکرٹری ہین اعلیٰ ترین عدالتی اقتدارات اُنھین کے ہاتھ مین ہین -

چاے وغیرہ سے فارغ ہوکے حضور نواب صاحب اُٹھ کے اُس وسیع مسجد مین تشریف لے گئے جو مرشد علی پیر اور قاضی انور میان قدس اللہ اسرارہا کے مزارون کے پاس ہے - دونون صاحبزادے اور تمام ارکان دولت ہمراہ رکاب تھے جن کے زمرے مین مین بھی تھا حضور کے مسجد مین پہونچتے ہی بعض واعظین نے فضائل محمدی کا بیان شروع کیا - اس سلسلے مین مولود شریف ہوا - جسکے ختم ہوتے ہی سرکار نواب صاحب نے مجھے واپس آنے کی اجازت عطا فرمائی اور مین اپنی فرودگاہ مین چلا آیا -

دوسرے دن گلاب میان صاحب کی طبیعت پھر ناساز ہوگئی - اُنھین سخت بخار آگیا - اور مجھے اُنکے بیمار پڑ جانے سے بڑا تردد ہوا - مگر صاحبزادۂ ولیعہد بہادر نے

سہ پہر کو اپنی موٹر بھیج کے مجھے بُلا بھیجا۔ اور اپنے ساتھ لیجا کے شہر اور اُسکے بیرونی حصے کی سیر کرائی جو اسٹیشن اور آبادی کے درمیان مین واقع ہے۔ یہان صاحبزادے صاحب کی اُلوالعزمی نے بہت سی جدید عمارتون کی بنیاد ڈالی ہے۔ ایک عالیشان کوٹھی معزز یورپین حکام کے ٹھہرانے کے لیے بن کے نصف کے قریب تیار ہوگئی ہے۔ جو بعد تکمیل نہایت عالیشان عمارت ہوگی۔ اور اُس کے کوٹھے پر سے چارون طرف نہایت ہی اعلیٰ درجے کا منظر نظر آتا ہے۔ کوہ اراولی کا سلسلہ اپنی پوری شان سے دکھائی دیتا ہے۔ اور اُسکی ایک بلندی پر کوہ آبو کی بعض عمارتین اس جگہ سے دیکھی جا سکتی ہین۔ اسی عمارت کے قریب ایک شاہی محل تیار ہونیوالا ہے۔ اسی سلسلے مین عالی جناب سر شیر محمد خان کے عہد کی ایک یادگار بننے والی ہے جو رعایا مین نہایت ہی ہردل عزیز ہین۔ خاص اسی غرض کے لیے ہندوستان کی مشہور عمارتون کے نقشے اور پلین جمع کر لیے گئے ہین جن مین سے لکھنؤ کے میڈیکل کالج کی عمارتون کو بہت پسند فرمایا ہے اور یہی وضع جو قدیم یونانی و شاہجہانی عمارتون کا معجون مرکب ہے پسند آئی ہے۔

ان تمام عمارتون کے مقامون اور پلینون کا معائنہ کرا کے صاحبزادے صاحب ہمین اپنے کلب مین لے آئے۔ جس کی عمارت ابھی حال مین گلاب میان صاحب کے اہتمام سے بن کے تیار ہوئی ہے۔ ایک چھوٹی سی نہایت ہی خوبصورت اور شاندار عمارت ہے۔ اس کلب کو کھلے تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے۔ مگر ہر قسم کے تفریح و ورزش کے سامان اُس مین جمع کر دیے گئے ہین۔ بلیرڈ اور ٹینس اور دوسری قسم کے اِنڈور سامان تفریح کے علاوہ ہندوستان و یورپ کے اخبارات اور رسالے بھی آتے ہین۔ دونون صاحبزادے صاحبان۔ مسٹر دہلوی۔ اور صاحب پولٹیکل ایجنٹ اور اُنکی میم صاحب پابندی کے ساتھ آتے ہین۔ جن کی موجودگی سے کلب مین سہ پہر کو ایک بہت اچھی مہذب و شایستہ صحبت قائم ہو جاتی ہے۔ جو باہمی تبادلۂ خیالات اور ترقی اخلاص و محبت کا ذریعہ بن گئی ہے۔ اس کلب مین اسکے بعد بھی مین کئی بار گیا۔ اور نواب زادے صاحب کی عنایت و مرحمت سے بیحد لطف اُٹھایا۔

مغرب کے وقت مین اپنی فرودگاہ مین واپس آیا - اور آٹھ بجے پھر محل مین ولیعہد بہادر کے قصر مین گیا - اس لیے کہ ممدوح الشان نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی عزت دی تھی - یہ ڈنر بہت ہی شاندار اور اپنی قسم کا بالکل نیا تھا - ڈنر پر دونون صاحبزادے - مسٹر دہلوی برخوردار صدیق حسن اور دیگر معززین دربار ملا کے کُل آٹھ آدمی تھے - گلاب میان صاحب کے نہ شریک ہو سکنے کا سب کو افسوس تھا - کھانا لذیذ تھا - مگر بجاے اسکے کہ ہر ہر غذا یکے بعد دیگرے لا کے پیش کردی جائے - ہر شخص کے سامنے ایک نہایت ہی براق اور صاف پیتل کی تھالی تھی اور اُسی مین چھوٹے بڑے ظروف مین انواع و اقسام کے الوانِ نعمت تھے - مگر کھانون کی اس قدر کثرت تھی کہ یہ تھالیان اُنکے لیے کافی نہ ہو سکین - اور کئی غذائین اُنکے باہر لگا دی گئین - اس مین شک نہین کہ یہ طریقہ ہندو معاشرت کا نمونہ ہے - مگر میرے خیال مین ہندو معاشرت کے اندر اسلامی اور مغربی خوبیان جس طرح اس ڈنر مین جمع کردی گئی تھین شاید اور کسی ہندو دربار مین نہ نظر آسکتی ہون گی - ہر حال یہ ڈنر اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت دلچسپ تھا - کھانے کے بعد بھی کچھ دیر تک صحبت رہی - اور اُسکے بعد ہم دلکشا کے بنگلے مین واپس آئے -

زمانۂ قیام پالن پور مین وہان کے اکثر معززین اور صاحب علم حضرات مجھ سے ملنے کو تشریف لائے اور مین اُن سے مل کے بہت ہی خوش ہوا - بعض علماے مہدویہ سے بھی گفتگو ہوئی - اور مین نے اُنکے عقائد اور نظام دینی کے متعلق بہت سی باتین دریافت کین - مہدوی حضرات حیدرآباد دکن مین بھی کثرت سے ہین - اور اُنکے بعض اہل علم احباب سے وہان مجھے اکثر ملنے اور لطف اُٹھانے کا موقع ملا تھا - مگر حیدرآباد دکن مین مولوی محمد زمان صاحب کے واقعۂ شہادت نے عام اہل سنت اور مہدویون مین تعصب بڑھا دیا ہے - جس کی بنیاد یہ ہوئی کہ نظام مرحوم میر محبوب علی خان کے اُستاد مولوی مسیح الزمان خان صاحب کے بھائی مولوی محمد زمان خان صاحب نے مہدویون کی تردید مین ایک کتاب لکھی تھی جس مین سید محمد جونپوری پر جابجا سخت حملے تھے - مہدوی لوگ چونکہ علی العموم

پٹھان اور سپاہی مِش ہین اُنھین ناگوار گذرا اور ایک مہدوی طالب علم نے طیش مین آکے اُنھین مار ڈالا - جس پر سخت برہمی ہوئی - اور گورنمنٹ نظام کو وہ ہنگامہ بڑی مشکلون سے فرو کرنا پڑا - اور قاتل پر حکم قصاص مشکل سے جاری ہو سکا -

اسوقت سے وہان سنیون اور مہدیون مین سخت اختلاف ہو گیا ہے اور دونون ایک دوسرے کو وحشت و مغائرت کی پُرخطر نظر سے دیکھتے ہین - مہدویون نے بھی وہان اپنے مذہبی تعلقات بالکل جدا کر لیے ہین - مسجدین جُدا ہین - امام و پیشوا جدا ہین - اور مہدیون کے معابد وہان عجیب عجیب نا معلوم اسرار سے مملو خیال کیے جاتے ہین -

پالن پور مین اس منافرت کا نام و نشان بھی نہین ہے - مہدوی لوگ حنفیون سے کسی فقہی مسئلے مین مخالف نہین ہین - فقہ حنفیہ پر پورا پورا عملدرآمد ہوتا ہے - سوا دو ایک جزئی مسئلون کے - جیسے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جس مین وہ محدثین سلف اور گروہ اہل حدیث کے موافق ہین - جو کچھ زیادتی ہے یہ ہے کہ سید محمد جونپوری کے ولی کامل اور سچے مہدی موعود ہونے کے قائل ہین اور اعتقاد رکھتے ہین کہ "اسلام مین جن "مہدی من آل محمد" کے آنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے وہ پوری ہو چکی - حضرت سید محمد صاحب وہی مہدی موعود تھے جو ظاہر ہو کے اپنا کام پورا کر چلے - اور اب کسی مہدی کا انتظار کرنا بے سود ہے"

مہدیون کا صرف ایک مسئلہ ہمین اچھا نہین معلوم ہوا - وہ یہ کہ اُن کا اعتقاد ہے کہ جو شخص حضرت سید محمد صاحب کی مہدیت پر ایمان نہ رکھتا ہو اُس کے پیچھے فرض نمازین نہین ہو سکتین - ہان وہ نمازین جو سنون ہین ادا ہو جاتی ہین - پالن پور کے مہدوی جمعہ اور عیدین کی نمازون کو سنت مانتے ہین - اور اسی وجہ سے یہ دونون نمازین بلا تکلف حنفی امام کے پیچھے پڑھ لیتے ہین - مگر پنج وقتہ مفروض نمازین اُسکے پیچھے نہین پڑھ سکتے - ہمارے نزدیک علماے مہدویہ اگر کوشش فرما کے اس تفریق کو دُور کر دین اور پانچون مفروض نمازین بھی ایک دوسرے کے پیچھے ادا کرنے لگین تو وہ چیز جو جماعت اسلام مین تفرقہ ڈالنے والی ہے دُور ہو جائے اور حنفیون اور مہدیون مین ویسا ہی اتحاد ہو جائے جیسا کہ حنفیون شافعیون یا مقلدون اور

غیر مقلدون مین ہے۔
اسی سلسلے مین مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب "بہشتی زیور" کا بھی ذکر آیا۔ جس کی نسبت ان دنون اخبارات مین چرچا تھا کہ ریاست پالن پور نے اپنی قلمرو مین اُسکی تعلیم جبراً رُکوا دی ہے۔ بہشتی زیور کو مین خود بھی ناپسند کرتا ہون۔ اور اس قابل نہین سمجھتا کہ تعلیم درکنار وہ عورتون کے ہاتھ مین بھی دی جائے۔ مگر اس آزادی کے دور مین ایک ریاست کی طرف سے اس قسم کے احکام کو مین بھی قطعاً جائز نہین رکھ سکتا تھا۔ یہان دریافت کرنے سے صورتِ واقعہ یہ معلوم ہوئی کہ پالن پور مین مہدویون سے کچھ زائد تعداد حنفیون کی ہے۔ جو کمال بے تعصبی کے ساتھ رہتے اور باہم خلوص و محبت سے ملتے جُلتے ہین۔ فی الحال ایک مولوی صاحب دیوبند سے تعلیم پاکے پالن پور مین تشریف لائے۔ اور اُنھون نے پالن پور کے حنفیون مین اُس سچی اور بے داغ حنفیت کی تعلیم شروع کی جس کا مرکز دیوبند ہے۔ پُرانے حنفیون مین جو قبر پرستی اور شرک و بدعات کے دلدادہ ہین مخالفت کا جوش بڑھا۔ اور حنفیون کے دو گروہ ہوگئے جن مین اختلاف اور رد و قدح یہان تک بڑھا کہ فساد اور بلوے کا اندیشہ ہوا۔ اور بنائے مخاصمت زیادہ تر یہ جھگڑا قرار پا گیا کہ ان نئے مولوی صاحب کو بہشتی زیور کی تعلیم پر اصرار تھا اور مخالف حنفیون کو اس سے قطعاً انکار۔ ایک ایسے مقام پر جہان قانون اسلحہ نہین ہے اور لوگ ہتھیار رکھ سکتے ہین اس جھگڑے کے نتیجے مین خون ریزی کا اندیشہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کے ریاست نے مصلحتاً یہ حکم دیدیا کہ "چند روز کے لیے فی الحال بہشتی زیور کی تعلیم موقوف رکھی جائے۔" اگر غور سے دیکھیے تو ریاست ایسا حکم دینے پر مجبور تھی مگر بہشتی زیور کے طرفدارون نے اپنی ناراضی صفحات اخبار مین شایع کر کر کے ریاست کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اور اکثر ایڈیٹران اخبار جو اصل واقعات سے بیخبر تھے اُن کے مؤید ہوگئے۔ رئیس پالن پور اور اُن کے ارکانِ دولت عموماً مہدوی ہین۔ اور مہدویون کو اس جھگڑے سے کوئی ذاتی تعلق نہین۔ یہ دراصل حنفیون کا اندرونی جھگڑا ہے۔ جسکو واعظین بڑھا کے اکثر جگہ عام مسلمانون کے امن و امان مین خلل ڈال دیا کرتے ہین۔ فرنگی محل کے علما نے بھی بہشتی زیور کے خلاف فتوے

دیے ہین - اگرچہ اُن کا یہ فعل بھی ہمین پسند نہ آیا اور ہم اسے نہایت ہی شتبہ نگاہون سے دیکھتے ہین - مگر اس سے پالن پور کی گورنمنٹ کو اپنی قدیم حنفی رعایا کی خواہش کے مطابق اُسکے روکنے کے جواز کا فتویٰ بھی مل گیا -

مہدویون مین فقہ حنفیہ کے ساتھ تصوف کی تعلیم اور قبر پرستی کا بہت رواج ہے - اور وہ دعوی کرتے ہین کہ ہماری تعلیم خالص روحانی تعلیم ہے - ہم کلامی استدلال سے نہین بلکہ روحانی اثر سے مسلمانون کو عقائد اسلامیہ کی حقیت باور کراتے ہین - اُن مین مذہبی تبلیغ و تلقین کے لیے جابجا متعدد "دائرے" قائم ہین اور وہی اُنکی مذہبی تعلیم کے مرکز ہین - مین نے موجودہ حالت مین جہان تک غور کیا ان دائرون کو بہت کمزور حالت مین پایا - اگرچہ بعض دائرون کے معلم و مرشد نہایت ہی نیک نفس اور پاک باطن بزرگ ہین مگر دائرے کا سسٹم جن اصول پر قائم کیا گیا تھا اُن مین تبلیغ و تلقین کے ساتھ انتظامی کانسٹیٹوشن کی بھی ضرورت ہے جو بالکل مفقود ہے - اگر ان دائرون کی حالت درست ہو جائے اور جو نظام اُن کے ذریعے سے جاری کرنا مقصود تھا وہ زندہ کر دیا جائے تو مہدویت روحانیت اور تعلیم باطن کا سب سے اعلیٰ آلہ بن جائے -

مجھے عید الضحیٰ پالن پور مین ہوئی - اگرچہ یہان کے مسلمانون مین دینی سرگرمی کم ہے مگر عید بہت ہی اچھی اور شاندار ہوتی ہے اور قومی وقار کا ایک اچھا نمونہ نظر آ جاتا ہے - مین نے جن اسلامی شہرون کو دیکھا اُن سب سے یہان کی عید مجھے زیادہ بارونق نظر آئی - ولیعہد بہادر نے براہ کرم موٹر بھیجدی تھی جس پر بیٹھ کے مین عیدگاہ مین گیا - ایوان ریاست راستے مین تھا جہان سے گذرتے وقت مین نے حضور نواب صاحب کو محل کے کوٹھے پر نمودار دیکھا - آداب بجا لایا - اور جلوس کو جو جمع ہو رہا تھا دیکھتا ہوا عیدگاہ پہونچا - وہان شہر کے تمام مہدوی اور حنفی جمع تھے اور اچھا جمع تھا - تھوڑی دیر کے بعد طبل و قرنا کی آواز آئی - اور معلوم ہوا کہ حضور نواب صاحب کی سواری آگئی - علم ریاست لائے منبر کے دونون جانب کھڑے کر دیے گئے - یہ اُس سنت قدیم کی پیروی تھی جس کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین رواج تھا - یعنی شہر کے باہر میدان مین

جا کے نیزہ گاڑ دیا جاتا - خود نواب صاحب اور محتشم الیہ کے دونوں جوان بخت فرزند اندر آئے - اور حضور نے بکمال مرحمت مجھے بھی آگے بڑھا کے اپنے قریب کر لیا - جب نواب صاحب کو معلوم ہو گیا کہ جلوس کے تمام مسلمان ہمراہی عیدگاہ مین آ کے بیٹھ گئے تو شہر کی جامع مسجد کے حنفی امام نے نماز پڑھائی - اور بعد فراغ نماز امام صاحب منبر پر کھڑے ہو کے اور جریب ہاتھ مین لیکے خطبہ پڑھنے لگے اُسوقت ریاست کے دو چوبدار اُن کے داہنے بائین جانب کھڑے ہو گئے - اور خطبے کے درمیان ہی مین ایک چوبدار نے اُنکے سر پر پگڑی باندھ دی جو ہر سال ریاست کی جانب سے عطا ہوا کرتی ہے - بعد نماز سب لوگ حسب معمول ملنے لگے - مین فوراً اُٹھ کے باہر آیا - اور موٹر پر سوار ہو کے واپس روانہ ہوا - مگر راستے مین ایک جگہ ٹھہر کے ارادہ کیا کہ حضور کی سواری اور جلوس کی پوری شان دیکھ لون تو باغ دلکشا کی راہ لون -

اب اس وقت سلامی کی توپین چل رہی تھین - اور باجا بج رہا تھا - تھوڑی دیر مین جلوس آ پہونچا - اونٹون پر نقارے اور علم وغیرہ تھے - اُنکے بعد باجے اور ریاست کی مختصر فوج تھی - اُسکے بعد خود حضور مع صاحبزادون اور دہلوی صاحب کے فٹن پر سوار تھے - ہمیشہ حضور گھوڑے پر سوار ہوا کرتے تھے - مگر اِکی ناتوانی و ضعف کی مجبوری سے گاڑی پر سوار ہو کے عیدگاہ تشریف لے گئے - جیسے ہی حضور کی گاڑی میرے قریب سے گذری مین جھک کے اداب بجا لایا - اور نواب صاحب نے ہنس کے فرمایا "آپ یہان کہان؟" عرض کیا "حضور کا جلوس دیکھنے کے لیے کھڑا ہو رہا" اس جواب پر خوش ہوے - اور سواری آگے بڑھ گئی -

حضور کے پیچھے منصبدارون اور نظم جمعیت والون کا ایک بڑا گروہ تھا - وہ سب گھوڑون پر تھے - اُنکے گذر جانے کے بعد مین روانہ ہو کے اپنی فرودگاہ مین آیا - اور عید کے منظر کی دلچسپیون سے دل ہی دل مین لطف اُٹھاتا رہا - ان پُرانی وضعون کے نباہنے والے رئیسون سے ہندوستان خالی ہوتا جاتا ہے - عید کے دن پُرعظمت جلوس اور شان و شکوہ سے نکلنا مسلمان رعایا کے لیے ایک بہت ہی دلچسپ نظارہ ہے - قطع نظر اسلیے کہ اس سے قدامت کی پُرلطف یاد تازہ ہو جاتی ہے بڑا

فائدہ یہ ہے کہ دلون مین حاکم کی قدر بڑھتی ہے اور قومی بندشین مضبوط ہوتی رہتی ہین۔ مگر عہد جدید کے ہندوستانی رئیسون کو اسکی مطلق پروا نہین - میرے نزدیک رئیس پالن پور کے رعایا مین ہردلعزیز ہونے کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ اُن قدیم رسمون کا وہ بہت لحاظ کرتے ہین - اور ایسے شاندار جلوس کے ساتھ برآمد ہوتے وقت راستے مین ہر طبقے کے لوگون سے بخندہ پیشانی ملتے - اور مختلف حیثیتون کے لوگون سے اُنکے رتبے اور درجے کے مطابق صاحب سلامت اور مزاج پُرسی فرماتے ہین جس سے لوگون کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔

اس کے بعد اور دو روز کے لیے مین حضور کے اصرار سے ٹھہر گیا - اور صاحبزادے صاحبون خصوصاً ولیعہد بہادر کی عنایت و توجہ سے بہت لطف اُٹھایا - اُنھون نے صاحب پولیٹکل ایجنٹ سے ملایا جو خلیق اور ملنسار آدمی ہین - کلب مین اتفاق سے اُسی زمانے مین ٹورنامنٹ تھا اور بڑی ہی مستعدی سے ٹینس وغیرہ کے کھیل ہو رہے تھے - جن کو مین نے گھنٹون بیٹھ کے دیکھا - حضور ولیعہد بہادر بڑے روشن خیال رئیس ہین - اور یہ امر غور کے قابل ہے کہ انھون نے اگرچہ اپنے گھر مین بالکل پرائیوٹ تعلیم پائی ہے مگر بیدار مغزی اور اخلاقی خوبیون مین اُن تمام رئیسون اور رئیس زادون سے بدرجہا زیادہ بڑھے ہوے ہین جنھون نے اجمیر کے چیفس کالج مین تعلیم پائی ہے۔

میری آخری رخصتی ملاقات حضور نواب صاحب بہادر سے بہت ہی دلچسپ تھی - حضور نے نہایت ہی شگفتگی کے ساتھ رخصت کیا - کھڑے ہو گئے - اپنے کوچ سے دو قدم آگے بڑھ آئے - ہاتھ ملایا - اور کچھ ایسے محبت بھرے الفاظ ارشاد فرمائے کہ مین دل مین اُن کی محبت و مرحمت کا نہایت ہی گہرا اثر لے کے آیا ہون اور زندگی بھر شکر گزار اور رہین منت رہون گا - اور حضور سے زیادہ امید فلاح و بہبودگی مجھے نواب زادۂ طالع محمد خان صاحب سے ہے جو اپنی قابلیت اور بیدار مغزی سے پالن پور کے لیے آیندہ ایک بڑی برکت اور نعمتِ الٰہی ثابت ہونے والے ہین۔

جہان تک مجھے پتہ لگا ہے اُنکے عادات و اطوار نہایت ہی اچھے اور پاکیزہ

ہین - میکشی - عیاشی - کاہلی - اور بے پروائی جن آفتون مین اکثر دولتمندان وطن مبتلا نظر آتے ہین اُن سے خدا نے اُنھین بالکل الگ اور آج تک اُنکے دامن کو پاک وصاف رکھا ہے - اُنھین ریاست کے انتظامی مشاغل سے اتنی فرصت ہی نہین ملتی کہ اِن اخلاق کُش باتون مین مبتلا ہون - اور عمر اُنی پختگی کو پہونچ گئی ہے کہ آیندہ بھی اُن کے چال چلن پر کسی مضر اثر کے پڑنے کا بہت ہی کم اندیشہ ہو سکتا ہے -

پالن پور کے موجودہ عہدہ دارون مین مسٹر دہلوی بہت ہی خلیق اور غیر معمولی قابلیت کے بزرگ ہین - وہ ایک مدت تک سندھ مین رہے ہین جس ملک کے حالات مین وہان کی تاریخ لکھنے کے باعث مجھے بہت لطف آتا ہے - مسٹر دہلوی سے مجھے انگریزی مین حالات سندھ کے متعلق چند ایسی سرکاری رپورٹین مل گئین جن سے اُس سرزمین کے تمام حالات آئینہ ہو جاتے ہین - جس کی بابت مین اُن کا نہایت ہی شکر گزار ہون -

اور اسی طرح بندۂ احسان شبیر میان صاحب کا ہون - جنھون نے میرے زمانۂ قیام پالن پور کو ایک نہایت مسرت بخش خواب بنا دیا جو ہمیشہ یاد آئے گا اور مزہ دے گا - شبیر میان صاحب کی یادگار میرے پاس ایک تاریخ گجرات بھی ہے جس سے مجھے علمی ضرورتون مین وقتاً فوقتاً مدد ملتی رہے گی - اور ہمیشہ اُن کا شکر گزار رہون گا -

مگر سب سے زیادہ برکت یہ گلاب میان صاحب کی قدیم محبت و مرحمت کی ہے جسکی کشش مجھے آراولی کے دامنون مین کھینچ لے گئی - ورنہ کہان مین اور کہان وہ مینو سواد سرزمین ؟

انسانی ہمیت کا ایک نیا نمونہ

دُنیا مین خدا جانے کیا کیا ہو چکا ہے اور کیا کیا ہو گا - لوگون کی سازش سے رستم نے اپنے بیٹے کا جگر خود اپنے ہاتھ سے چاک کیا - مگر اُس سے بھی بڑھ کے یہ ہے کہ باپ بیٹے پر مہربان ہے - اور وہ مہربانی ہی اُسکے قتل کا باعث ہو گئی -

بنی عباس کا دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور بڑا زبردست خلیفہ تھا۔ اُسکی تخت نشینی کے وقت تک بنی اُمیہ کے ہزارہا شاہزادے اور معززین دولت کمال بے رحمی سے قتل ہو چکے تھے اور قتل و قمع کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ محض بنی ہاشم کی دشمنی کے گمان پر لاکھوں بندگان خدا طرح طرح کے عذابوں سے قتل کیے گئے۔ اور جب اُموی خاندان کی زندہ یادگاریں فنا ہو گئیں تو گذشتہ خلفاے بنی امیہ اور عمائد گروہِ اُموی کی لاشیں قبروں سے کھود کھود کے نکالی گئیں۔ اُن کی ہڈیوں کی تشہیر و تفضیح کی گئی۔ اور آخر وہ ہڈیوں کے ڈھانچے بھی جلا کے خاک کیے گئے اور خاک ہوا میں اُڑا دی گئی۔

جس زمانے میں یہ خوفناک خون ریزی ہو رہی تھی خدا کو منظور ہوا کہ اُن سنگدل قاتلوں کے دل کو بھی ایک ایسا چرکا لگے جو مرتے دم تک نہ بھولے۔ یہ خلیفۂ منصور بنی امیہ کا بخت برگشتہ ہونے سے پہلے جب ایک معمولی ہاشمی تھا اور سلطنت کے خوف سے ادھر اُدھر بھاگتا پھرتا تھا اُنھیں دنوں اتفاق سے ایک دن شہر موصل میں اُس کا گذر ہوا اور چند روز تک وہیں چھپا رہا۔ اس رُوپوشی کے زمانے میں وہاں اُس نے قبیلۂ آزد کی ایک لڑکی سے نکاح کر لیا۔ جس سے وہ حاملہ ہو گئی۔ مگر وضع حمل کا زمانہ نہیں آنے پایا تھا کہ منصور کو موصل سے بھی بھاگنا پڑا۔

چلتے وقت اُس نے اُس ازدیہ بیوی کو ایک تحریر لکھ دی۔ اور زبانی کہا "اگر کبھی سُننا کہ بنی اُمیہ کا زوال ہوا اور بنی ہاشم کا کوکبِ اقبال عروج پر ہے تو جو کوئی حاکم و فرمان روا ہو اُس کے پاس میری یہ تحریر بھیجدینا" منصور یہ کہہ کے غائب ہو گیا۔ اور چند روز بعد جب اُس عورت کے لڑکا پیدا ہوا تو اُس نے جعفر نام رکھ کے اُسے پالا۔ لڑکے نے تعلیم پائی۔ خصوصاً خطاطی و خوشنویسی میں بہت اچھی نمود حاصل کی۔

اب سلطنت کا انقلاب ہو گیا۔ اور بنی امیہ و طرفداران بنی امیہ کے قتل عام سے دنیا پر ایسی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ نہ اُس ازدیہ خاتون کو فرمان رواے وقت کے پاس اُس تحریر کے بھیجنے کی نوبت آئی اور نہ منصور ہی کو انتقام کے جوش میں

اپنی وہ بیکس منکوحہ یاد آئی۔ یہان تک کہ تاج و سریر خلافت خود اُسکے قبضے مین آئے مگر اُس کی موصل والی بی بی کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ آج کل کا فرمانروا اسلام وہی میرا مفقود الخبر شوہر ہے۔

اب منصور نے شہر بغداد کو آباد کرکے اپنا دار الخلافت بنایا۔ اور ہر طرف سے صاحبان کمال قدردانی کے شوق مین دُور دُور کے شہرون کو چھوڑ چھوڑ کے بغداد مین آنے اور بسنے لگے۔ اُنھین نو واردون مین اُس ازدیہ خاتون کا بیٹا نوجوان جعفر بھی تھا۔ جو بہ تلاش معاش موصل سے بغداد مین آیا۔ اور دربار عباسی کے میر منشی ابو ایوب موریانی سے ملا۔ اُسے تو ضرورت تھی ہی۔ اپنے دفتر مین خوشنویسی و محرری کی خدمت پر مقرر کر لیا۔

ایک دن منصور کو اپنے سامنے کچھ لکھوانے کی ضرورت پیش آئی۔ ابو ایوب کے پاس کہلا بھیجا کہ کوئی اچھا خوشنویس بھیجدو۔ وہ اُسی نوجوان جعفر کو جو سب کاتبون سے زیادہ ہوشیار اور اعلیٰ درجے کا خوشنویس تھا خود ساتھ لے کے حاضر ہوا۔ جعفر ایک خوش رُو نوجوان تھا۔ چہرے پر عنفوان کی رونق و دلکشی تھی۔ اور پھر اُس مین ہاشمیت کی خُوبُو بھی موجود تھی۔ صورت دیکھتے ہی منصور کا دل اُسکی طرف کھنچا۔ اگرچہ گردش زمانہ نے ایک صاحب تاج و سریر بادشاہ کو اپنے فرزند سے ملایا تھا مگر اس شان سے کہ دونون ایک دوسرے کو نہ پہچانتے تھے تاہم محبت پدری کی کشش بھلا بے اثر کیسے رہ سکتی تھی؟ ایک مخفی روحانی قوت نے دونون پر اثر ڈالا۔ اور منصور نے اُس سے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے؟" کہا "جعفر" پوچھا "اور تمھارا گھر کہان ہے؟" جواب دیا "موصل مین"۔ اسکے بعد منصور نے کام لیا۔ اور اُس کا کام اس قدر پسند آیا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی اُسی کو بُلوا بھیجتا۔

اب محبت پدری کا جوش آپ ہی آپ اور اندر ہی اندر اثر کرتا جاتا تھا۔ ایک دن منصور نے نوعمر جعفر سے پوچھا "تم نے یہ نہ بتایا کہ تمھارے والد کون ہین؟ اور تم کس قبیلے کے فرزند ہو؟" جعفر نے عرض کیا "امیر المومنین۔ میری مان تو بنی ازد سے ہین مگر والد کی صورت کبھی نہین دیکھی۔ والدہ سے اکثر پوچھا کہ میرے والد کون ہین؟ اور مین اپنے آپ کو کس خاندان کی طرف منسوب کرون؟ مگر وہ ہمیشہ ٹال دیا کین۔

یہان تک کہ مین نے ہوش و حواس سنبھالے۔ شرفا کی صحبت مین اُٹھنے بیٹھنے لگا۔ اُسوقت مجھے اپنی مجہول النسبی پر نہایت شرم آئی۔ اور والدہ سے جاکے کہا کہ "اب مجھ مین تاب نہین ہے۔ میرا نسب اور قبیلہ اور میرے والد کا نام بتاؤ۔" ورنہ مین مُنہ چھپا کے کسی طرف نکل جاؤن گا۔ بغیر اسکے شرفاے عرب مین بیٹھنا درکنار مین کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہین ہون۔"

مین نے جب یہان تک مجبور کیا تو والدہ نے بتایا کہ "تم عرب کے شریف ترین گھرانے سے ہو۔ اور ہاشمی نژاد ہو۔ تمھارے والد عبد اللہ بن محمدؑ نام ایک معزز و شریف شخص تھے جو بنی اُمیہ کے خوف سے چھپتے پھرتے تھے۔ اور چند روز تک موصل مین روپوش رہے تھے۔ اُنھون نے مجھ سے نکاح کیا۔ مگر تمھارے پیدا ہونے سے پہلے ہی اُنھین موصل چھوڑ کے چلا جانا پڑا۔ پھر اُسوقت سے پتہ نہ لگا کہ وہ کیا ہوے اور کہان گئے؟" مین نے کہا "دنیا مین آپ کے اس بیان کو کون مانے گا؟ جو کچھ آپ کہتی ہین اس کا کوئی ثبوت بھی آپ کے پاس ہے؟" بولین "ہان ہے۔ جاتے وقت وہ مجھے ایک تحریر دے گئے تھے۔ اور کہا تھا کہ جب سننا کہ ہاشمیون کے ہاتھ مین سلطنت و خلافت آئی ہے اُسوقت یہ تحریر فرمان رواے وقت کے پاس بھیجدینا۔" یہ کہکے والدہ اپنا ایک صندوقچہ اُٹھا لائین اور وہ تحریر نکال کے مجھے دکھا دی۔ بہرحال امیر المومنین۔ اُس تحریر سے اطمینان تو ہوا مگر مین کسی کے سامنے اُس کا ذکر نہین کرتا۔ اس لیے کہ اس قصے کو کوئی کیون ماننے لگا تھا؟"

یہ واقعات سُن کے منصور نے خوبصورت نوجوان جعفر کو سر سے پانون تک دیکھا دل مین بہت ہی خوش ہوا۔ اور جی چاہا کہ سادہ مزاج اور ہونہار فرزند کو بے اختیار گلے سے لگالے۔ مگر شاہانہ متانت نے روکا۔ اپنے دل کو سنبھالا اور کہا "اب تو ہاشمیون کا زمانہ شروع ہو گیا۔ تمھاری والدہ نے وہ تحریر میرے مرحوم بھائی عبد اللہ بن سفاح کے پاس نہ بھیجی؟"

جعفر "نہین۔ والدہ نے خیال کیا کہ اُنھین ملک گیری اور سلطنت کے عظیم الشان

ؑ یہ یاد رہے کہ منصور کا نام و نسب عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس تھا۔

کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ ایسے حقیر کاموں کی طرف توجہ کریں"۔
منصور: "مگر تمھاری والدہ کو اپنے شوہر کی خواہش تو پوری کر دینی چاہیے تھی؟ وہ توجہ کرتے یا نہ کرتے۔ خیر اب تم وہ تحریر اپنی والدہ کے پاس سے منگوا کے مجھے دکھاؤ۔ تاکہ میں جستجو کر کے تمھیں تمھارے والد سے ملا دوں"۔
جعفر: "بہت خوب"۔ اسکے بعد سادہ دل نوجوان جعفر نے گھر میں آدمی بھیج کے وہ تحریر اپنی ماں کے پاس سے منگوا کے رکھ لی کہ امیرالمومنین خود ہی کسی دن پوچھیں گے تو اُسے پیش کر دوں گا"۔

اب منصور کی مہربانی اور عنایت نوجوان جعفر کے حال پر روز بروز بڑھتی جاتی تھی اسکے سوا کسی سے کام ہی نہ لیتا۔ جتنے فرمان جاری ہوتے سب اُسی کے دستخط سے جاری ہوتے۔ اور چونکہ وہ خلیفہ کا معتمد علیہ بن گیا تھا اس لیے اُنکے اجرا میں اُس کی رائے کو بھی بہت کچھ دخل ہوتا۔ بہرحال چند ہی روز کے اندر وزیر و دیوان سب الگ پڑے رہ گئے۔ اور کل کاروبار سلطنت نوجوان جعفر کے ہاتھ اجرا پا رہا تھا۔

میر منشی دربار ابو ایوب موریانی نے جب یہ دیکھا کہ میرا ایک ادنیٰ ماتحت خلیفہ کے دل پر اتنا حاوی ہوا جاتا ہے کہ میں بیکار ہو گیا ہوں تو اُسے جعفر پر حسد آیا۔ اور اُس کے اُکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ بارہا یہ ہوا کہ خلیفہ نے کاتب کو بلوایا اور اُس نے جعفر کے سوا کسی اور کو بھیج دیا۔ مگر خلیفہ نے ہمیشہ اُسے واپس کر کے صاف الفاظ میں کہلا بھیجا "جعفر کو بھیجو"۔ جوں جوں ایسے واقعات پیش آتے ابو ایوب کی پریشانی اور بڑھتی جاتی۔ نوجوان کاتب کے اُکھاڑنے کی لاکھ کوشش کرتا مگر ایک نہ چلتی۔ اور ہمیشہ ذلیل ہوتا۔

اسی اثنا میں ایک دن منصور نے کہا "تم نے وہ تحریر اپنی والدہ سے منگوائی؟" جعفر نے دست بستہ عرض کیا "جی ہاں حاضر ہے"۔ اور فوراً نکال کے پیش کر دی۔ خط کو دیکھتے ہی منصور کی عجب حالت ہوئی۔ ایک بیقراری و بیتابی تھی جسکو جعفر بھی محسوس کر رہا تھا۔ بھولے پن سے اُس کی صورت دیکھتا اور کوئی بات سمجھ میں نہ آتی۔ اُسوقت پھر منصور کو محبت پدری کا جوش ہوا۔ آنکھوں میں خوشی کے

آنسو بھر آئے ۔ اور قریب تھا کہ بیٹے سے لپٹ کے رونے لگے ۔لیکن پھر جی کڑا کیا ۔ دل جو آپے سے باہر ہوا جاتا تھا اُسے قابو مین کیا ۔ اور دل مین کہا "اس مین شک نہین کہ ایک جیتے جاگتے فرزند سے مدت ہاے دراز کی مفارقت کے بعد ملنے سے زیادہ لذت کسی چیز مین نہین ہوسکتی ۔لیکن اگر یہ پردہ میری آزدیہ محبوبہ کے سامنے اُٹھے ۔ اور مان بیٹے دونون ایک ساتھ ملین توبہت زیادہ لطف ہوگا ۔ اور ایسا مزہ آئے گا کہ زندگی بھر نہ بھولے ۔ جب میری غربت کی ساتھی بیوی بچھڑی انیس زندگی اور میرا خوبصورت اور لائق اور ہونہار فرزند ایک ساتھ مجھ سے ملین گے ۔ بیوی اپنے مفقود الخبر شوہر سے ہم آغوش ہوگی اور بیٹا اپنے مجہول الحال باپ کے گلے لگے گا ۔ اور دونون مجھے دنیا کا سب سے زبردست شہنشاہ اور خلیفۂ وقت پائین گے ۔ وہ وقت اور منظر دیکھنے کے قابل ہوگا ۔ دل مین یہ منصوبہ ٹھہرا کے کہا" تو تم اپنی والدہ کو بھی یہان بُلا لو ۔مین اُن سے مل کے دو ایک باتین دریافت کرلون تو پھر تمھین تمھارے والد سے ملا دون ۔ کچھ کچھ اُن کا پتہ لگا ہے ۔ تمھاری والدہ سے چند باتین دریافت کرتے ہی کھُل جائے گا کہ وہ کون ہین اور کہان ہین ۔"

جعفر: "مگر امیر المومنین وہ بغیر میرے گئے نہین آسکتین ۔ اور مجھے ہر وقت حضور کی خدمت مین حاضر رہنا پڑتا ہے ۔"

منصور: "کوئی مضائقہ نہین ۔ مین بخوشی اجازت دیتا ہون ۔ جاکے لے آؤ ۔ مگر جلدی آنا ۔"

خلیفہ سے اور دراصل باپ سے اجازت لے کے جعفر نے سفر کا سامان کیا اور موصل کی راہ لی ۔ اور اب منصور کو اُس کے انتظار مین ایسی بیقراری وبیصبری تھی جسے برداشت کرنا دشوار تھا ۔

ابو ایوب نے جب دیکھا کہ جعفر نے مجھے بیکار کردیا ہے اور اُس کا حسد حد زیادہ گذرا تو اُس نے قصر خلافت مین خفیہ جاسوس مقرر کیے جو گھڑی گھڑی کی خبر پہونچاتے کہ امیر المومنین نے آج جعفر سے کیا کام لیا ؟ کیا باتین کین ؟ کیا حکم دیا ؟ اور کن کن امور مین مشورہ لیا ؟ یہان تک کہ اُسے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جعفر اپنی

ماں کے لینے کو موصل جاتا ہے۔ اور تاکید کر دی گئی ہے کہ جلدی واپس آئے خلیفہ سے یہ ربط وضبط سُن کے اُسکے دل مین آتش حسد اور بھڑکی۔ اور سادہ مزاج نوجوان کے ساتھ ہر طرح کی ذلیل سے ذلیل دشمنی کرنے پر آمادہ ہوگیا۔

اب جعفر کو گئے کئی مہینے گذر گئے۔ نہ آج آتا ہے نہ کل۔ منصور ابوایوب سے روز پوچھتا ہے "وہ نوجوان خوشنویس جعفر نہین آیا؟" اور ابوایوب جواب دیتا ہے کہ "ابھی تک نہین آیا"۔ اور جب کئی مہینے ہوگئے تو ایک بار اُس نے یہ بھی کہا کہ "اب تو مجھے اُسکے آنے کی اُمید نہین ہے"۔ اس جواب پر منصور نے متعجب ہو کے دریافت کیا "کیون؟" اور ابوایوب نے کہا "فقط میرا خیال ہے۔ اُس کے آج تک نہ آنے سے مین نے یونہین کہدیا"۔

آخر منصور کی بیقراری بڑھی۔ اور کسی کو مخفی طور پر موصل مین بھیجا کہ جعفر کا پتہ لگائے اور دریافت کرے کہ اب تک کیون نہین آیا۔ سریر آرائے خلافت کا اشارہ ہوتے ہی لوگ دوڑے اور موصل مین پہونچ کے اُس خاتون سے دریافت کیا کہ "تمھارا فرزند جعفر کہان ہے؟" اُس نے کہا "بغداد مین ہے اور امیرالمومنین کے دفتر انشا مین ملازم ہے"۔ لوگون نے کہا "وہان تو نہین ہے۔ کئی مہینے ہوے رخصت لے کے گھر مین آیا تھا جب سے واپس نہین گیا"۔ اذدیہ خاتون نے کہا "یہان تو نہین آیا۔ وہ تو جب سے گیا ہے گھر ہی کو بھول گیا"۔

یہ حالات منصور کے گوش زد ہوے تو بہت ہی پریشان ہوا۔ اور اپنے تفتیش کے افسرون اور جاسوسون کو حکم دیا کہ جس طرح بنے پتہ لگاؤ کہ وہ کہان غائب ہوگیا؟ جاسوسون نے بڑی کوشش اور دوڑ دھوپ کی اور آخر آکے کہا "امیرالمومنین ہم نے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے۔ فقط اتنا پتہ چلتا ہے کہ جعفر یہان سے روانہ ہو کے ایک گانون تک گیا جو بغداد و موصل کے درمیان مین ہے۔ پھر اُس سے آگے اُس کا جانا ثابت نہین ہوتا۔ اور ہمین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسی گانون کے آس پاس وہ کہین مارڈالا گیا"۔

یہ سُن کے منصور کا جگر پاش پاش ہوگیا۔ دل مین پچھتایا کہ مین نے اُسے کیون جانے دیا۔ بہت آسان تھا کہ مین خود ہی اُس کی ماں کے بلوانے کا انتظام

کر لیتا۔ اُن ظالموں پر نہایت ہی غصہ تھا جنھوں نے ایسے معصوم صفت نوجوان کی جان لی۔ جاسوسوں سے کہا "اتنا پتہ اور لگاؤ کہ اُسے کس نے مار ڈالا؟ وہ تو بہت ہی بے آزار نوجوان تھا" چند ہی روز کے اندر جاسوسوں نے رپورٹ کی کہ حضور ہی کی نظر عنایت نے اُس کی جان لی۔ آپ کے میر منشی ابو ایوب موریانی کو اُس سے حسد تھا۔ اس لیے کہ جعفر پر حد سے زیادہ مہربانی ہوئی اور ابو ایوب کو حضور نے نظر سے گرا دیا۔ جب ابو ایوب سے اُسکے زیر کرنے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو اُس کا دشمن اور اُسکے خون کا پیاسا ہو گیا۔ یہان تک کہ جب وہ حضور سے اجازت لے کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تو ابو ایوب نے کسی شخص کو اُسکے پیچھے لگا دیا۔ اور اُس نے اثنائے سفر مین ایک جگہ موقع پا کے اُس کو مار ڈالا" یہ سنتے ہی منصور کو نہایت ہی حیرت ہوئی۔ کہ میرا میر منشی اور ایسی حرکت کرے! مگر جب سراغ رسانوں نے پورا ثبوت پیش کر کے اُسے اس واقعے کا یقین دلا دیا تو اُس نے نہایت ہی طیش مین آکے ابو ایوب کو اپنے سامنے بُلوایا۔ اور صورت دیکھتے ہی کہا "او محسن کُش نمک حرام! او دغا باز ظالم! تجھ پر میرے احسانات تھے۔ مین نے تجھے عزت دی۔ اختیارات دیے۔ تیرا اعتبار کیا۔ اور تجھپر بھروسا کیا۔ تجھے ادنیٰ اور ذلیل شخص سے ایک اعلیٰ عہدہ دار سلطنت اور بہت بڑا دولتمند بنا دیا۔ اور ان سب احسانوں کا بدلا تجھ سے یہ ملا کہ تو نے میرے ہونہار فرزند۔ میرے جگر گوشہ۔ اور میرے لخت جگر کی جان لے کے خود میرا جگر چاک کر ڈالا! افسوس مین چاہے کیسا ہی سخت انتقام لون مگر میرا کلیجہ نہین ٹھنڈا ہو سکتا۔ جس نوجوان جعفر کو تو نے مار ڈالا وہ میرا بیٹا اور بہت ہی پیارا بیٹا تھا"

ثبوت ایسا کافی تھا کہ ابو ایوب کو انکار کی تو گنجایش نہ تھی عذر خواہی کے طریق سے عرض کیا کہ "امیر المومنین۔ غلام کو اسکی خبر نہ تھی کہ وہ حضور کا لخت جگر فرزند تھا"

منصور: "مگر او نمک حرام محسن کُش! تیرے خون آلود ہاتھوں سے میرے دل مین جو زہریلا زخم پڑا ہے اُسکی جلن سوا تیرے خون کے بھلا کسی اور مرہم سے بھی موقوف ہو سکتی ہے؟" یہ کہتے ہی حکم دیا کہ اُس کا سر کاٹ لیا جائے۔ ابو ایوب موریانی

کے بعد ہی اُسکے تمام بھائی بھتیجے گرفتار کرکے طرح طرح کے عذابون مین مبتلا کیے گئے اور اُس کا گھر اور مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔

اس کے بعد ہمین نہین معلوم کہ منصور نے اپنی ازدیہ بیوی کو بلوایا یا نہین لیکن ہمارے ناظرین سمجھ سکتے ہین کہ نوجوان فرزند جعفر کی مظلومانہ موت سے منصور کے دل کو ایسا سوزش پیدا کرنے والا چرکا لگا تو اُس کی حسرت نصیب ماں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ جسکی آرزوؤن کا پُتلا اکیلا وہی ایک دم تھا؟

یہ ایک نہایت ہی عبرتناک واقعہ ہے جو بتاتا ہے کہ شاہی دربار کیسی خطرناک چیز ہے جہان کی سازشون نے خود بادشاہ کے فرزند کی جان لی۔ اور بادشاہ کی محبت ہی اُس کی قاتل ثابت ہوئی۔

سلف کا ایک غیر مشہور مدعی خلافت

یزید بن معاویہ کے مرنے کے بعد جب مکۂ معظمہ مین لوگون نے عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی ہے۔ اور شام مین معاویہ بن یزید کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد مروان نے دعوائے خلافت کیا ہے تو ان دنون ارض عراق مین ایک اور شخص بھی موجود تھا جو خلافت کا دعوے کرتا۔ اور اُسکے رفقا اُسے "امیرالمومنین" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

شیعیان کوفہ اور حضرت علیؓ کے رفقا مین سے جو گروہ آپ سے ٹوٹ کے مقام حروراء مین جمع ہوا تھا اور خود اپنے امام کی مخالفت کرکے خوارج کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا اُن لوگون نے عراق کے کونون مین بیٹھے بیٹھے قوت پکڑ لی اور دعوے کیا کہ سوا خدا و رسول کی اطاعت کے کسی کی فرمان برداری جائز نہین اور خلیفہ کا وہی حکم مانا جا سکتا ہے جو از روے نص ثابت ہو اور کسی امر مین اُسکی اطاعت ناجائز ہے۔ ان لوگون نے اپنے جھنڈے پر یہ آیت لکھی کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی خدا کے سوا کسی کا حکم حکم نہین ہے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ تک کے دشمن ہو گئے اور اُنھین پر کیا موقوف ہے ہر ایسے حاکم و خلیفہ کے عدوے جانی تھے جسکو یہ دعوے ہوتا کہ خدا و رسول کی اطاعت کے بعد "اولوالامر" یعنی حاکم وقت کی اطاعت

بھی ایک دینی فرض ہے - اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی خلیفہ ہو بنی امیہ سے ہو یا بنی ہاشم سے - عباسی ہو یا فاطمی یہ اُس سے لڑنے اور بغاوت کرنے کو تیار ہو جاتے - فقط شیخین یعنی ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو تو اپنے معیار خلافت میں پورا پاکے اُن کا ادب اور اُن کی تعظیم کرتے باقی تمام فرمانروایانِ اسلام کے دشمن تھے -

اُنھیں میں سے ایک شیبانی النسب شخص ابو الضحاک شبیب بن یزید بن نعیم تھا اُس کا باپ یزید بن نعیم اُن معزز شرفاے عرب میں سے تھا جو صحراے عرب کو چھوڑکے کوفے میں آباد ہو گئے تھے - ۲۵ھ میں سلیمان بن ربیعۂ باہلی نے شمالی شام کے اُن شہروں پر جہاد کیا جو سیحیون کے قبضے میں تھے - اُن مجاہدین میں یزید کو بھی تھا - اس لشکر نے مختلف شہروں کو لوٹا مارا - اُن پر قبضہ کیا - اور بہت سے لونڈی غلام اسیر کر کے کوفے میں واپس آیا - ان لونڈیوں میں سے ایک جو رنگت میں سرخ و سفید - گوری چٹی - کشیدہ قامت اور بڑی جمال تھی اُسے یزید بن نعیم نے کسی اور مجاہد سے مول لے لیا - اپنے قبضے میں لانے کے بعد چاہا کہ وہ مسلمان ہو جائے مگر اُس نے نہ مانا - مارا پیٹا - لیکن اُس نے اپنی ضد نہ چھوڑی - مجبوراً یونہیں اُسے اپنی حرموں میں شامل کر لیا - چند روز بعد وہ یزید سے حاملہ ہوئی - حمل کو بھی جب کئی مہینے گذر گئے تو حسب معمول بچے نے پیٹ میں حرکت شروع کی - پیٹ میں حرکت محسوس کر کے وہ عورت سخت متحیر ہوئی اور بار بار کہتی میرے پیٹ میں کوئی چیز رہ رہ کے ٹھونٹھیں مارتی ہے - اُس کا یہ قول مشہور ہوا تو کوفے کی تمام عورتیں اُس کا مضحکہ اُڑانے لگیں - اور جب کوئی کسی کو بیوقوف بناتا تو کہتا " احمقُ من جہیرہ " (یعنی جہیرہ سے بھی بڑھ کے احمق) جُہیرہ اُسی عورت کا نام ہے جو کیا عجب کہ اسی شہرت کی وجہ سے پڑ گیا ہو - اسی زمانۂ حمل میں وہ خود ہی سے مسلمان ہو گئی -

مدتِ حمل پوری ہوئی تو ۲۶ھ میں خاص بقرعید کے دن اُسکے بطن سے شبیب پیدا ہوا جس کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہیں - اسکے پیدا ہونے کے بعد جُہیرہ نے اپنے آقا (شبیب کے باپ) سے کہا " میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پیٹ سے

ایک شعلۂ نار نکل کے اوپر کی طرف گیا اور زمین و آسمان کے درمیان مین قائم ہو گیا - اسکے بعد وہ یکایک سمندر مین گر پڑا اور پھر اُس مین سے نکل کے آیا - علاوہ اسکے خاص قربانی کے دن یہ بچہ پیدا ہوا ہے - ان واقعات سے مجھے یقین ہے کہ میرے بچے کی کوئی خاص شان ہونے والی ہے - یہ بہت بڑا شخص ہوگا - اور اسکے ہاتھ سے بہت سے لوگ مارے جائین گے :: مان کی یہ پیشین گوئی اُسوقت تو باپ کی سمجھ مین نہ آئی ہوگی - مگر شبیب نے بڑے ہوتے ہی اسے پورا کر دکھایا -

اِس سے زیادہ لطف یہ کہ اُسکی مان جہیرہ جو زنان کوفہ مین بیوقوف اور احمق مشہور تھی بیٹے کے عروج کے زمانے مین وہ بھی اتنی بڑی بہادر سپہگر - نبرد آزما - جان باز اور سرفروش ثابت ہوئی کہ اُس زمانے مین کوئی عورت اُس کی ہمسری کا دعوے نہ کر سکتی تھی - اسکے بعد شبیب نے غزالہ نام ایک نازک اندام عورت سے شادی کی تو اُس نے شہسواری اور جوان مردی مین ساس کو بھی مات کر دیا - اُن دنون دمشق مین عبد الملک بن مروان خلیفہ تھا - اور عراق کی حکومت حجاج بن یوسف ثقفی کے ایسے سنگدل جابر و ظالم کے ہاتھ مین تھی - جس نے آزاد مشرب شرفاے عرب کے حق مین کوئی ظلم وجور نہین اُٹھا رکھا - بڑے بڑے لوگ اُس کے سامنے دب گئے - عبد اللہ بن زبیر کے ایسے صاحب اثر اور نیک نفس صحابی کو ۷۳ھ مین اُس نے جام شہادت پلا دیا - اور کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مار سکے - مگر شبیب نے مطلق اسکی پروا نہ کی - اپنے گروہ خوارج مین نئی زندگی و گرمجوشی پیدا کر کے شہر موصل مین اُٹھ کھڑا ہوا - اور فوجی نقل و حرکت شروع کر دی - اور ایسی پامردی و دلیری سے کہ حجاج کی طرف سے جو لشکر آتا اُسے شکست ہو جاتی اور سپہ سالار مارا جاتا - یونہین یکے بعد دیگرے مسلسل پانچ بہادر سردار فوجین لے گئے اور شبیب کے مقابلے مین مارے گئے - اُنکے شکست خوردہ سپاہیون نے جا جا کے شبیب اور اُس کی مان اور بیوی کی شجاعت کے ایسے کارنامے بیان کیے کہ حجاج کے حواس جاتے رہے -

اب شبیب موصل سے نکل کے کوفہ کی طرف چلا - حجاج بصری مین تھا -

اُس کے چل کھڑے ہونے کا حال سُنا تو خود بھی کوفے کی راہ لی تاکہ اُس نامور شہر کو جو اُن دنوں خوب آباد تھا خارجیوں کی دستبرد سے بچائے۔ شبیب چاہتا تھا کہ حجاج کے پہونچنے سے پہلے ہی کوفے میں داخل ہو جائے۔ مگر حجاج تابڑ توڑ کوچ کر کے اُس سے پہلے ہی پہونچ گیا۔ لیکن شبیب کو کوفے میں داخل ہونا لازمی تھا۔ فوجی ضرورت یا فتحمندی کے خیال سے نہیں بلکہ اس لیے کہ اُسکی دلیر و جنگجو اور محبوبہ و خونریز بیوی غزالہ نے منت مانی تھی کہ جس طرح بنے گا مسجد کوفہ میں جا کے دو رکعت نماز پڑھوں گی۔ اور اُن رکعتوں میں سے پہلی میں سورۂ بقرہ اور دوسری میں سورۂ آل عمران پڑھوں گی۔ شبیب کو اپنی زندگی بیوی کی منت پوری کرنا واجب تھا۔ حجاج کے کوفے میں داخل ہو جانے کا حال سُنا تو ماں اور بیوی کے علاوہ ستر بہادر مردمیدان اُس نے ساتھ لیے اور بلا تامل ایک تاریخ کو آخر شب میں حملہ کر کے کوفے میں گھُس پڑا۔ سیدھا جامع مسجد میں گیا سارے ہمراہی تلواریں کھینچے مسجد کے دروازے پر کھڑے رہے۔ اور غزالہ نے خوب اطمینان کے ساتھ فجر کی فرض رکعتیں اُنھیں دونوں سورتوں کے ساتھ پڑھ لیں۔ اور یہ منت پوری ہوتے ہی سب لوگ دھڑلّے سے اپنا کام کر کے کوفے سے چلے گئے۔

کوفے میں ان لوگوں کے گھُس پڑنے کی خبر حجاج کو ہوئی تو مارے خوف کے کانپنے لگا۔ دارالامارت میں چھپ کے بیٹھ رہا۔ پھاٹک بند کروا لیے۔ اور اپنی حفاظت کے لیے پہرہ مقرر کر لیا۔ اسکے بعد جب یہ سُنا کہ وہ لوگ چلے گئے۔ تو اُسکی جان میں جان آئی اور بصرے میں واپس گیا۔

آخر مجبور ہو کے حجاج نے دارالخلافت دمشق میں یہ سب واقعات لکھے اور عبدالملک بن مروان کو اطلاع کی۔ اُس نے اپنی خلافت کو معرض خطر میں دیکھ کے ایک بہت بڑا عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر شام سے روانہ کیا۔ جس کا سپہ سالار سفیان بن ابرو کلبی نام اُس عہد کا ایک آزمودہ اور نامور امیر الجیش تھا۔ سفیان کوفے میں پہونچ لیا تو حجاج بصرے سے ایک بہت بڑا بھاری زبردست لشکر لیے نکلا۔ اور دونوں نے دو جانب سے شبیب پر حملہ کیا۔ شبیب اگرچہ جانتا تھا کہ

اب کی اتنا بڑا زبردست لشکر میرے مقابلے پر آیا ہے کہ مجھے اُس سے بیش پانے کی اُمید نہیں - مگر جوش شجاعت میں لڑائی سے منہ نہ پھیرا - اور فوراً لڑائی چھیڑ دی
بہت بڑی خون ریزی ہوئی - بہتوں نے جام اجل پیا - لیکن انجام وہی ہوا جو پہلے سے ظاہر تھا کہ شبیب کو شکست ہوئی - اُس نے اور اُس کی ماں اور بیوی نے غیر معمولی دلیری ظاہر کی - جان پر کھیل کھیل کے دشمنوں کے دریائے فوج میں پھاندتے اور گویا خون کے دریا میں غوطے لگا کے یہاں ڈوبتے تو وہاں نکلتے - لیکن تقدیر سے چارہ نہ تھا - دونوں نامور عورتیں جہیرہ اور غزالہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کے گریں اور جان دیدی - لیکن شبیب کی زندگی باقی تھی چند سواروں کے ساتھ جان بچا کے بھاگا - اور دشمنوں کے نرغے میں سے نکل گیا -
سفیان نے فوراً تعاقب کیا - اور شبیب اہواز تک نہ پہونچنے پایا تھا کہ جا لیا دشمن کو سر پر دیکھ کے شبیب کی شجاعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ پیٹھ پھیرے - فوراً پلٹ پڑا - اس واپسی میں دریائے دجیل ؏ کے پُل پر سے عبور کرنا تھا جسکے پار جا چکا تھا واپسی میں اس کا تھکا ہوا گھوڑا پُل کے اوپر بھڑکا - اور ایسی جست کی کہ شبیب اُس کی پیٹھ پر سے اُچھل کے بیچ دھارے میں گرا اور گرتے ہی ڈوب گیا - اس لیے کہ سرسے پاؤں تک دریائے آہن میں غرق تھا - اور خود - زرہ - چار آئینہ - اور جوشن و خفتان کا بوجھ اتنا نہ تھا کہ پانی میں اُسے اُبھرنے دے - تاہم پانی میں گر کے ابھرا اور اُسکے ایک رفیق کی زبان سے بیساختہ نکل گیا "امیر المومنین! (اُس کے پیرو اُسے اسی خطاب سے یاد کیا کرتے تھے) کیا آپ ڈوب کے جان دیں گے؟" اُس نے پانی میں سے جواب دیا "مضائقہ نہیں - خدائے عزیز و دانا کی یہی مرضی ہے" یہ کہہ کے پھر ڈوبا تو قیامت تک کے لیے آنکھیں بند کر لیں -"
مگر خدا کی قدرت پانی نے زندگی میں تو اُسے اُبھرنے نہ دیا مگر اُس کی لاش مرنے کے بعد کسی جگہ کنارے سے جا لگی -

؏ دریائے دجیل کو کوئی صاحب دجلہ نہ سمجھ لیں - یہ دریا ایران سے بہتا ہوا آیا ہے اہواز اُس کے کنارے آباد ہے - اور دریائے دجلہ کے دہانے کے قریب خلیج فارس میں گرا ہے -

لاش فوراً بذریعہ ڈاک حجاج کے پاس بھیجی گئی - حجاج کی سنگدلی و بیدردی مشہور ہے۔ لاش کو دیکھ کے بہت خوش ہوا - پھر اُس کا پیٹ چاک کرواکے دل سینے سے نکلوایا - اور اُسے ہاتھ مین لے کر دیکھا تو اس قدر سخت تھا کہ معلوم ہوا جیسے پتھر کا بنا ہے - غصے مین آ کے زمین پر زور سے ٹپک دیا تو وہ گیند کی طرح گرتے ہی اُچھل کے دُور جا گرا - پھر اُس دل کو چاک کرایا تو اُسکے اندر سے گول گنبد کا سا ایک اور لوتھڑا نکلا - اور جب اُسے بھی چاک کیا تو اُس مین سے منجمد خون کا لوتھڑا برآمد ہوا -

شبیب کے ڈوبنے کا واقعہ ۷۷ھ مین عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے چار سال بعد ہوا -

ایک راوی کا بیان ہے کہ شبیب جب مسجد کوفہ مین داخل ہوا ہے اُسوقت مین نے خود اپنی آنکھون سے اُسے دیکھا تھا - وہ ایک طیالسی جُبّہ پہنے تھا جسپر مینہ کی بوندیان پڑنے سے بُنکیان بُنکیان سی بن گئی تھین - رنگت کھلتی ہوئی گندم گون تھی - قد لمبا تھا - اور جھبرے جھبرے جھنڈولے بال تھے -

ایک خارجی شاعر عتبان حروری بن اصیلہ جس نے شبیب کی موت پر مرثیہ لکھا تھا گرفتار کرکے عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا تو عبدالملک نے نہایت غیظ و غضب اور طیش کے لہجے مین اُس سے کہا "کمبخت تو نے یہ شعر نہین کہا ہے؟" اور اُس کا ایک شعر پڑھا جس مین اُس نے بنی اُمیہ کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ "تم مین اگر فلان فلان نامور لوگ ہین تو ہم مین فلان فلان اور امیرالمومنین شبیب ہین"۔ عتبان نے کہا: "امیرالمومنین مین نے یون نہین کہا - بلکہ یون کہا ہے"۔ اور اُس شعر کو امیرالمومنین کے حرف "ر" کی حرکت بدل کے پڑھا جس سے امیرالمومنین کا لفظ بجاے شبیب کی صفت ہونے کے عبدالملک کی جانب خطاب ہوگیا - اگرچہ یہ جواب نہاین ایک مذاق تھا مگر عبدالملک کو یہ ادبی چالاکی اس قدر پسند آئی کہ جان بخشی کی اور اُسی وقت چھوڑ دیا -

مُلک چین ایک ہزار سال پیشتر

مُلک چین مین آج کل مسلمانون کی کئی کرور آدمیون کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ مگر اس کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ مسلمان وہان کب اور کس عہد مین پہونچے۔ خود مسلمانان چین کا دعویٰ ہے کہ اُنکی ہدایت وتعلیم کے لیے ایک صحابی رسول اللہ قرن اول ہی مین وہان پہونچ گئے تھے۔ جن کی قبر اسوقت تک زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ اگرچہ ہمارے کتب آثار وسیر مین ایسے کسی صحابی کا پتہ نہین لگتا۔ لیکن ممکن ہے کہ ایسے کوئی محترم صحابی ہون جن کے حالات سے ہم محروم رہ گئے ہون۔ لیکن چین مین اُسی زمانے مین اسلام کے پہونچ جانے مین کوئی شک نہین اس لیے کہ ہمین اپنی تاریخون سے آج سے ایک ہزار ستر برس پہلے چین مین مسلمانون کے بکثرت موجود ہونے کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

علامۂ ابن اثیر ۲۶۴ھ کے حالات کے سلسلے مین بیان کرتے ہین کہ اس سال ملک چین مین ایک مجہول الحال شخص نمودار ہوا جس نے سلطنت کی مخالفت مین جھنڈا بلند کیا اور اکثر متفنی اور بدمعاش لوگ اسکے ساتھ ہوگئے۔ خاقانِ چین نے اُس کے حالات سُنے مگر اُسے حقیر وذلیل سمجھ کے پروا نہ کی اور اُس نے موقع پاکے اپنی قوت بہت بڑھالی چنانچہ ہر طرف سے شریر وفتنہ جو لوگ آآکے اُسکے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔ جن کو ساتھ لے کے اُس نے ملک مین لوٹ مار شروع کردی اور اُس کے دست ستم سے سارا مُلک چیخ اُٹھا۔ یہان تک کہ اُس نے آکے خاص دارالسلطنت خانقوا کا محاصرہ کرلیا۔ یہ غالبًا پیکن کا قدیم نام ہے۔ یہ بڑا زبردست اور مضبوط شہر ہے۔ اور بڑے بھاری دریا کے کنارے آباد ہے۔ جس مین مسلمانون۔ نصرانیون۔ یہود اور مجوس کا ایک عالم کثیر آباد ہے۔ جو سب خاص چین کے باشندے ہین۔

جب اس باغی نے خاص دارالسلطنت کا محاصرہ کیا تو شاہی لشکر نے اُس سے مقابلہ کیا۔ مگر فاش شکست کھائی۔ میدان چھوڑ کے بھاگے۔ باغیون نے شہر بزور لڑ بھڑ کے قبضہ کرلیا۔ اور بے شمار اہل شہر اُن جفاکشون کے ہاتھ سے مارے گئے۔

خاقان چین اپنا دارالسلطنت دشمنون کے ہاتھ مین چھوڑ کے ایک اور

شہر میں چلا گیا - اور دشمنوں نے کوشش کی کہ بڑھ کے اُس شہر کا بھی محاصرہ کر لیں -
آخر خاقان نے لشکر جمع کر کے اُس مجہول الحال دشمن سے مقابلہ کیا - اور برابر ایک
سال تک لڑائی ہوتی رہی - لیکن انجام پھر یہی ہوا کہ خاقان میدان چھوڑ کر بھاگا
اور دشمن نے تعاقب کیا - یہان تک کہ خاقان بھاگتے بھاگتے اپنی قلمرو کے ایک
سرحدی قلعے میں داخل ہو کے قلعہ بند ہو گیا - اور باغی دشمن اکثر صوبوں اور بڑے
بڑے شہروں پر متصرف ہو گیا -

لیکن باوجود ان سب فتحوں اور کامیابیوں کے اس سرکش باغی کو یقین
تھا کہ چاہے کچھ ہو میں نہ خاقان چین بن سکتا ہوں - اور نہ تاج و تخت مجھے نصیب
ہو سکتا ہے - اس خیال سے اُس نے سارے ملک کو جی کھول کے دونوں ہاتھوں
سے لوٹنا شروع کر دیا - اور سلطنت کے تمام شہروں اور خزانوں پہ اب وہی قابض
تھا -

خاقان چین کو سب طرف سے یاس ہوئی تو اُس نے راجگان ہند سے مدد
مانگی - انھوں نے اس نازک موقع پر اُس کا ساتھ دیا اور اپنے زبردست لشکر
اسکی کمک پر بھیجے - ان ہندی فوجوں نے جا کے اُس عجیب و غریب باغی کی
روک تھام کی - اور ایک سال تک پھر میدان جدال و قتال گرم رہا - اسی
اثنا میں خبر آئی کہ وہ گمنام باغی جس نے یہ اندھیر مچا رکھا تھا یکایک غائب
ہو گیا اور اُسکی فوجیں بے سر رہ گئیں - اس شخص کی نسبت طرح طرح کی افواہیں
مشہور تھیں - کوئی کہتا کہ دریا میں ڈوب گیا - کوئی شخص اُسکی غیبت کا کچھ اور قصہ
بیان کرتا - اور کوئی کہتا کہ لڑائی میں مارا گیا - مگر ثبوت کسی بات کا نہ ملتا تھا -

اُسکے غائب ہوتے ہی خاقان نے حملے شروع کیے - اور چند ہی روز میں
باغیوں اور سرکشوں کو شکستیں دیں - پھر بھی ملک پر قبضہ نہ پا سکا - اس لیے کہ
ہر صوبے کو کوئی جدا گانہ شخص دبا بیٹھا - اور مملکت چین کی وہی حالت ہو گئی جو سکندر
کے حملے کے بعد ملوک طوائف یا طوائف الملوکی کے عہد میں دولت ایران کی ہو گئی
تھی - خاقان نے اس حالت میں اسی کو غنیمت جانا کہ ان تمام متغلب حکمرانان
صوبجات سے اپنی فرمانبرداری و اطاعت کا وعدہ کرا لیا - چنانچہ مدت دراز تک

ملک چین کی یہی حالت رہی۔

شاہان چین "فغفور" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے جسکے معنی "آسمان کا فرزند" ہین۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خدا کی جانب سے اُن کے تاجدار و حکمران مانے جاتے۔ اور دیوتا سمجھ کے ان کی پرستش کی جاتی۔

ایک زنانی خانقاہِ اسلام

عیسائیون مین اُن کی نفس کُش اچھوتیون کی بدولت قدیم الایام سے زنانی خانقاہون کا رواج چلا آتا ہے جو قرون وسطےٰ مین عجیب و غریب اسرار کا مرکز تصور کی جاتی تھین۔ مگر اسلام مین تصوف و رہبانیت کے پیدا ہونے کے بعد اگرچہ ہر اسلامی شہر اور اکثر قریون تک مین عظیم الشان خانقاہین بن گئین مگر مسلمانون مین کسی زنانی خانقاہ کا ذکر لوگون نے شاید نہ سنا ہو گا۔ لیکن ایک نیک اور پارسا شاہزادی کی فیاضی سے قاہرۂ مصر مین ایک بہت ہی مشہور و مقبول عام زنانی خانقاہ قائم ہو گئی تھی۔ جو ۶۸۴ھ ہجری سے ۸۰۶ھ یعنی ۱۲۲ سال تک موجود رہی۔ اُس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

مصر و شام مین صلاح الدین اعظم کی وفات کے بعد سے طوائف الملوکی ہو گئی۔ اُسکے بیٹے۔ اعزا۔ اور سرداران فوج جدا جدا شہرون کے فرمان روا بن گئے جن مین ہمیشہ لڑائی رہا کرتی اور کوئی کسی کا دوست نہ تھا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ آخر سلطنت خاندان ایوبی یعنی صلاح الدین کے گھرانے سے نکل کے فرمانروایانِ مصر کے پروردہ غلامون کے ہاتھ مین آگئی۔

چنانچہ ۶۵۷ھ مین سیف الدین قطز نام ایک سردار نے ملک پر قبضہ کر لیا اور اپنا لقب الملک المظفر قرار دیا۔ انھین دنون دنیا مین تاتاریون کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ وہ لوگ بغداد کو تباہ کر کے ملک شام مین پہونچے تو اسی ملک المظفر نے مصر سے جاکے اُنھین ایسی زبردست شکست دی کہ اسی لڑائی مین اُنکا زور ٹوٹ گیا۔ اُنھین بھگا کے ملک المظفر مصر مین آیا تو قصر شاہی ایک منزل باقی رہا تھا کہ نامور اور بہادر و منتظم شاہی غلامون مین سے رکن الدین بیبرس بندقداری نے

اُسے قتل کرڈالا - اور سب نے اُسی کو تخت پر بٹھادیا - جو الملک الظاہر کا لقب اختیار کرکے فرمانروائے مصر ہوگیا -

یہ فرمانروا اگرچہ اصل مین غلام تھا مگر نہایت ہی منتظم اور بہادر تھا - اُس نے تخت و تاج پر قبضہ پاتے ہی سارے مصر و شام کو اپنی قلمرو مین شامل کرلیا - شام سے بڑھ کے رومی علاقے کے بعض مقامات فتح کیے - صلیبیون کو شکستین دین - اور ایسا نام پیدا کیا کہ لوگون کو صلاح الدین اعظم کا زمانہ یاد آگیا - اور ساری دنیائے اسلام اُسکے نام کا ادب کرتی تھی -

ان فتوحات کے ساتھ وہ بڑا دیندار بھی تھا - چنانچہ عابد و زاہد متصوفین کے رہنے کے لیے اُس نے ایک عالیشان خانقاہ بنائی جو خانقاہ بیبرس کے نام سے صدیوان تک اہل زہد و تقوےٰ اور صاحبان حال و قال کا مرجع و ماوی بنی رہی -

مگر اُس کی اس سے بھی زیادہ قابل یادگار برکت اُس کی دیندار بیٹی تذکار بائی خاتون کے ہاتھون سے اُسکی وفات کے بعد دُنیا کو نظر آئی جس سے ہماری مراد یہی "زنانی خانقاہ" ہے - جس کا حال ہم اس مضمون مین بیان کرنا چاہتے ہین -

اس شاہزادی کے نام مین "بائی" کا لفظ دیکھ کے اکثر لوگون کو حیرت ہوگی - معزز شاہزادیون اور بیگمون کے نام کے ساتھ یہ لفظ جنوبی ہند مین مدتہائے دراز سے چلا آتا ہے - اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہندی الاصل لقب ہے - مگر اس مصری شاہزادی کے نام مین بھی اس لفظ کے ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ پہلے مصر و عرب مین پیدا ہوا - اور عرب مسلمانون کے ساتھ سواحل ہند پر آیا -

تذکار بائی خاتون کی نسبت مورخین کہتے ہین کہ بڑی نیک بیوی تھی - باوجودیکہ آغوش سلطنت مین پرورش پائی مگر بڑی عابدہ و زاہدہ تھی - اور نہایت متقی و پرہیزگار - اسکے ساتھ مخیر و فیاض ہونے مین مصر مین کوئی اُس کا مماثل نہ تھا - جہان کسی متقی و پرہیزگار - اور عالم و درویش کا نام سُن پاتی اُس کی خدمتگذاری کو موجود ہوجاتی - خصوصاً عابدہ و زاہدہ عورتون اور دیندار و پاکدامن بیویون کی تو وہ عاشق تھی -

جہان تک ممکن ہوتا اُنکی مدد کرتی۔ اور پاکدامن وبیکس خاتونون کا ایک بڑا بھاری گروہ اُس کی فیاضی پر زندگی بسر کر رہا تھا۔

چنانچہ اسی شوق مین اُس نے دیندار اور نکوکار بیویون اور تارک الدنیا خاتونون کے رہنے کے لیے ایک عالیشان خانقاہ بنوادی جو رباط بغدادیہ اور رواق بغدادیہ کہلاتی۔ اور خانقاہ بیبرس کے قریب قاہرہ کے محلہ دب اصفر مین عین بازار کی جگہ واقع تھی۔

علامہ مقریزی اس خانقاہ کے حالات مین لکھتے ہین "اس خانقاہ کو خاتونِ محترم سیدہ تذکار بائی خاتون ملک الظاہر بیبرس کی بیٹی نے ۶۸۴ھ مین تعمیر کرایا تھا"

بیبرس نے ۶۷۶ھ مین وفات پائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دیندار بیٹی نے باپ کی وفات کے آٹھ سال بعد اسے قائم کیا۔ اور اس کے قائم ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اُن دنون مصر مین ایک بڑی مشہور و ممتاز بیوی زینب بنت ابوالبرکات تھین۔ جو ولیہ بے ہمتا اور مرشدہ صاحبدل تسلیم کی جاتی تھین۔ یہ ولیہ "بنت بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھین۔ تذکار بائی کو اُن سے بڑی عقیدت تھی اس لیے کہ اُنکی وجہ سے سارے مصر کی عورتون مین دینداری اور زہد و تقوی کا چرچا ہو گیا تھا۔ وہ دراصل بغداد کی رہنے والی تھین اور اندیشہ تھا کہ اپنے وطن مالوف مین واپس نہ چلی جائین۔ بس اسی خیال سے اور محض اُن کے روکنے کے لیے تذکار بائی نے اپنی یہ زنانی خانقاہ تعمیر کرائی اور اُس مین اُن ولیہ محترمہ بنت بغدادیہ کو مع اُن کی مرید و معتقد خاتونون کے لاکے رکھا۔ اور اُنھین کی وجہ سے اس خانقاہ کا نام رباط یا رواق بغدادیہ پڑ گیا۔

ولیہ زینب کے ساتھ خانقاہ مین بہت سی عابدہ و زاہدہ عورتین رہنے لگین۔ اور ولیہ ممدوحہ کے بعد کوئی اور نیک بیوی اُن کی جانشین ہوئی۔ اور اسکے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا کہ جب ایک شیخہ و مرشدہ کا انتقال ہوتا تو اُسکی سجادہ نشین کوئی اُسکی مریدنی بی بی ہو جاتی۔ جس کا کام یہ ہوتا کہ شہر کے زنانے خانون مین جاکے بیبیون کو دینداری اور اخلاق کی تعلیم دیتی۔ گھر گھر مین دینداری کا چرچا کرتی۔

اور شہر کی عورتوں کو جب کوئی دینی یا معاشرتی مشکل پیش آتی تو وہ فوراً اسی خانقاہ میں دوڑی آتیں - اور یہاں کی نیک مرشدہ اور دیندار بہنوں سے تسلی وتشفی کے ساتھ اطمینان بخش مدد پاتیں - بہت سی بیواؤں اور شوہر کی ستائی ہوئی مظلومہ خاتونوں کی جائے پناہ یہی خانقاہ تھی -

اس خانقاہ کی بعد والی مشہور زمانہ سجادہ نشین اور مرشدہ محدثہ و فقیہہ بے ہمتا زینب بنت فاطمہ بنت عباس بغدادیہ تھیں - انکی عمر اسّی برس سے زیادہ ہوئی اور ذیحجہ ۷۱۴ھ میں اُنھوں نے سفر آخرت کیا - وہ بڑی عالمۂ و فاضلہ اور لاجواب عابدۂ وزاہدہ تھیں - بہت ہی تھوڑے پر قناعت کرتیں اور ہمیشہ نفع رسانیِ خلق میں مصروف رہتیں - ہردم یاد الٰہی میں مشغول نظر آتیں - اور جو کچھ کرتیں خدا کے لیے کرتیں - دل میں خلوص اور خدا کا خوف تھا - شرع شریف کی پوری پوری پابندی کرتیں - اور بے نظیر واعظہ تھیں - امرائے مصر کے گھروں میں ان کی وجہ سے زنانی محفلیں ہوتیں - اور اُن میں جا کے وہ اس خوبی سے وعظ کہتیں کہ عورتوں پر اُنکی معجز بیانی کا بے انتہا اثر ہوتا - وہ تمام بیویوں میں مقبول عام تھیں اور ہر دل میں اُنکی جگہ تھی - دمشق و مصر کی ہزاروں عورتوں نے اُن کی ذات اور اُنکے علم وفضل سے بے انتہا فائدہ اُٹھایا -

یہ مرشدہ بیوی چونکہ عوام میں "بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھیں اس لیے اُن کے بعد سے معمول ہوگیا کہ جو خاتون اُنکی جانشین اور اس زنانی خانقاہ کی شیخہ و مرشدہ قرار پاتی وہ بھی "بغدادیہ" ہی کہلاتی - آخری بغدادیہ جنھوں نے اس خانقاہ میں نہایت ہی نیکنامی کے ساتھ زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کی بڑی ہی نیک بیوی تھیں - علامۂ مقریزی نے اُنکی شہرت کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا - اور لوگوں کو اُنکے روحانی کمال اور زہد و تقویٰ کا ازحد معتقد پایا تھا - ان آخری بغدادیہ نے ۲۲ جمادی الاخرٰی ۷۹۶ھ کو وفات پائی - اور اُنکے بعد سے اس خانقاہ کی انتظامی حالت مصر کی پولیٹکل حالت بگڑنے کے باعث روز بروز ابتر ہوتی گئی - یہاں تک کہ جب ۸۰۶ھ کے ہنگامے شروع ہوئے تو یہ زنانی خانقاہ بالکل تباہ و برباد ہوگئی - اس لیے کہ شورش پسندوں اور خصوصاً

اُس محلّے والون نے جس مین یہ خانقاہ تھی اس بات کی مطلقاً ممانعت کردی کہ زاہدہ وعابدہ عورتین اِسکی چاردیواری مین رہین - یا زمانے کی ستائی ہوئی بیویون کا کوئی امن دنیا مین باقی رہے - چنانچہ یہ خانقاہ بالکل اُجڑ گئی - اور اُسکے کھنڈرون پر جو دُبّ اصغر کے پھاٹک کے قریب تھے بڑے بڑے وسیع بازار قائم ہوگئے جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ خانقاہ کتنی بڑی تھی - اور کتنے رقبے پر حاوی تھی -

علامۂ مقریزی لکھتے ہین "ہم نے خود بھی اپنی آنکھون سے اس خانقاہ کو دیکھا - اس مین وہ عورتین آکے اقامت گزین ہوتین تھین جن کو شوہرون سے طلاق مل جاتی یا اُنکے شوہر واعزہ اُنھین چھوڑ دیتے - یہان جب تک کوئی اُن کا خبرگیران اور مددگار و معاون نہ پیدا ہوتا - وہ نہایت امن و قناعت کے ساتھ اپنی زندگی زہد و تقوے اور عبادت مین بسر کرتین - اُسکے حجرون مین عزلت گزین ہوکے نفس کشی کرتین - گناہون سے بچتین اور شب و روز عبادات و وظائف مین مشغول رہتین "

مین سمجھتا ہون بے حمیت شوہرون کی وجہ سے ہندوستان کے ہر بڑے شہر کو ایسی زنانی خانقاہون کی ضرورت ہے - حضور عالیہ بیگم صاحبۂ بھوپال دام اقبالہا جو مسلمان بیبیون کے لیے فرشتۂ رحمت بن کے دنیا مین آئی ہین اس ضرورت کی طرف توجہ فرمائین -

دو عبرتناک واقعے

کہتے ہین ظہور اسلام کے وقت قوم جرہم کا ایک معمر شخص موجود تھا جس کی عمر تقریباً تین سو برس کی بتائی جاتی تھی - اس کا نام عبید ابن شریۃ جرہمی تھا - عہد اسلام مین بھی وہ مدت دراز تک زندہ رہا - یہان تک کہ جناب معاویہؓ کے عہدِ خلافت مین ملک شام مین آکے اُن سے ملا - اور وہ اپنی عادت کے موافق اُس سے با اخلاق و تواضع پیش آئے - دوران گفتگو مین معاویہؓ نے اُس سے کہا "آپ نے بڑی عمر پائی ہے کوئی عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہو تو بیان کیجیے - عبید نے کہا سُنیے :-

"ایک دن مین نے دیکھا کہ لوگ ایک میّت کو دفن کر رہے ہین - دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ ٹھہر گیا تا کہ مٹّی دینے مین شریک ہون - مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ خود بخود دل بھر آیا - آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے - اور سوز و گداز کے لہجے مین مین نے چھہ شعر پڑھے جن مین موت کی حالت - انسان کی بیکسی - اور دنیا کی بیوفائی کا اظہار تھا - پچھلا شعر تھا :

یَبْکِی الْغَرِیبُ عَلَیْہِ لَیْسَ یَعْرِفُہٗ وَ ذُو قَرَابَتِہٖ فِی الْحَیِّ مَسْرُوْرٗ

(انجان غریب الوطن جو اُسے جانتا بھی نہین اُسپر روتا ہے اور اُس کے عزیز و قریب قبیلے مین خوشیان منا رہے ہین)

میری زبان سے یہ اشعار سنتے ہی ایک شخص نے میری طرف توجہ کی اور کہا "آپ جانتے ہین یہ اشعار جو آپ نے پڑھے کس کے ہین ؟" مین نے کہا "جی نہین - اچھے معلوم ہوے یاد کر لیے" - اُس نے مسکرا کے کہا "جی یہ انھین مرحوم کے شعر ہین جنھین آپ نے مٹّی دی" - مین اس عجیب اتفاق پر تعجب کرنے لگا - اُس نے کہا "اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات سُنیے - آپ تو وہ غریب الوطن ہین جو ان مرحوم کی موت پر غمگین اور متاسف ہین - اور یہ صاحب جو ابھی ان کو قبر مین اُتار کے باہر نکلے ہین اُن کے سب سے زیادہ عزیز قریب ہین - اور اُنکے مرنے پر سب سے زیادہ مسرت انھین کو ہے"

پھر عبید نے معاویہؓ کو بتایا کہ یہ لاش عثیر بن لبید عذری کی تھی - اور اُسی کے یہ شعر تھے -

اسی طرح کا ایک پُر حسرت واقعہ یہ ہے کہ ایک ادیب شخص جو علامہ رضی کے کے ادبی کمالات کا بہت بڑا معترف تھا کسی ضرورت سے سُر من رأے (سامرہ) مین گیا - اتفاقاً اُس کا گذر ایک منہدم مکان پر ہوا - ان کھنڈرون کے سناٹے نے اُسکے دل پر بڑا اثر کیا - ٹھہر گیا - اور تین شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "مین اُن مسکنون پر ٹھہرا جن کی رونق کو مصیبت نے لوٹ لیا ہے" اتنے مین اُدھر سے ایک شخص گذرا اور وہ اشعار سن کے بولا "یہ اشعار تو علامہ رضی کے ہین - مگر یہ بھی آپ جانتے ہین کہ یہ منہدم مکان کس کا ہے ؟" کہا "مین کیا جانون"!

جواب ملا "جی یہ مکان بھی اُنھیں علامۂ بے ہمتا کا ہے جن کے یہ اشعار ہیں ۔ یہ علامۂ رضی کا مکان ہے ۔ کبھی اُن کی ذات سے یہ مقام علم و فضل کا مرکز اور نہایت بارونق تھا ۔ اور آج اس کی یہ حالت ہے "

لوگ بقائے نام کے لیے دنیا مین کوئی یادگار چھوڑنا چاہتے ہین ۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ یادگار کے باقی رہنے پر بھی نام مٹ جاتا ہے ۔

شہر واسط اور اُس کا بانی

عراق مین جس جگہ دجلہ و فرات ملے مین وہان سے تھوڑی دور آگے بڑھکے دریاے دجلہ کے مغربی جانب بیس پچیس میل ہٹ کے رود شط الحی کے کنارے ایک پُرانا کچھ کم بارہ سو برس کا آباد کیا ہوا تاریخی شہر ہے واسط ۔ جس کو اپنے نفیس "واسطی قلمون" کے اعتبار سے ساری دنیا مین شہرت حاصل ہے ۔ اور ہمارے روشن خیال تعلقدار سندیلہ منشی التفات رسول صاحب کا خاندان بھی اسی شہر کی جانب منسوب ہے ۔ جس بنا پر ہمین اس سے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی ۔ فی الحال یہ بھی قدامت کے اُن قابل قدر تبرکات مین سے ہے جو دولت برطانیہ کو عراق کی مہم مین ہاتھ آئے ہین ۔ موجودہ زمانے مین تو غالباً یہ اُجڑی ہوئی مصیبت زدہ بستی ہوگی مگر اُس زمانے مین جب یہ بسایا گیا ہے ایک بڑا قہار شہر تھا ۔ اور بڑے قہار شخص کے ہاتھوں اسکی بنیا دپڑی تھی ۔ اس لیے کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے ایسے سنگدل شخص نے سنہ ۸۳ھ مین اسے آباد کیا ۔ اور اپنا وہ ہولناک قیدخانہ اس مین قائم کیا جو اُس زمانے مین سب سے بڑا دنیاوی جہنم تھا ۔

اس شہر کے آباد کرنے کا محرک ایک عجیب دلچسپ واقعہ ہوا ۔ وہ یہ کہ حجاج نے اہل کوفہ مین سرکشی و سرتابی کا مادہ دیکھ کے بہت سے شامی عسکریون کو کوفے مین لاکے رکھا تاکہ کسی شخص کو بنی اُمیہ کے خلاف سر اُٹھانے کی جراٴت نہ ہو ۔ جس خاندان کے زیردست خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے وہ عراق کا اور اُسکے ساتھ تمام مشرقی ممالک مقبوضۂ دولت عرب کا والی تھا ۔ اسی دوران مین اُس نے چاہا کہ لشکر کوفہ کا ایک لشکر مرتب کر کے کسی مہم پر خراسان کی طرف روانہ کرے ۔ اس کوفی لشکر کے

جمع ہونے کے لیے اُس نے کوفے کے قریب مقام "اُم عمرو" مین ایک کیمپ قائم کیا جہان کوفے سے منتخب ہو ہو کے سپاہی جاتے۔ اور ٹھہرتے۔ تاکہ پورا لشکر مرتب ہو لے تو مشرق کی طرف کوچ کرین۔

اتفاقاً اہل کوفہ مین سے ایک نوجوان شخص فوج مین بھرتی ہو کے پڑاؤ مین گیا۔ مگر چند ہی روز ہوے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اپنی نوخیز دُلھن سے ملنے کے شوق مین وہ ایک رات کو پڑاؤ سے نکل کے اپنے گھر آیا کہ رات محبوبۂ پری جمال کے آغوش مین بسر کرے اور صبح تڑکے قبل اس کے کہ کسی کو خبر ہو کیمپ مین چلا جائے۔ گھر مین وہ اپنی محبوبہ کے پاس لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے بڑی زور زور سے دروازہ دھڑدھڑایا اُٹھ کے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شامی سپاہی جو شراب سے مخمور اور بدمست ہے بدکاری و بدمعاشی کے ارادے سے گھر مین گھسنا چاہتا ہے۔ اتنے مین نوجوان کی دُلھن نے جو وفور محبت سے دروازے تک اُس کے ساتھ چلی آئی تھی غیور رو نوعمر شوہر سے کہا "اس بدمعاش شامی نے ہمین زندگی سے عاجز کر دیا ہے۔ روز رات کو آ کے ستایا کرتا ہے اور ہماری آبرو لینے کے درپے ہے۔ گھنٹون دروازے پر اڑا رہتا ہے اور خدا جانے کس قدر ہنگامہ مچا کے واپس جاتا ہے۔ مین نے شامی سردارون کے پاس بھی جا کے اس کی شکایت کی مگر کہین شنوائی نہین ہوتی" یہ واقعات سُن کے نوجوان کوفی کو طیش آیا اور محبوبہ بیوی سے کہا "تم کہو تو مین اس سے سمجھ لون" جواب ملا "مین اور چاہتی کیا ہون؟" بیوی کا اشارہ پاتے ہی غیور نوجوان تلوار لے کے بڑھا اور دو ہی ایک وارون مین اُس شرابی کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد دروازہ بند کر کے لیٹ رہا۔ اور جیسے ہی صبح کی اذان ہوئی اُٹھ کے منہ اندھیرے اپنے پڑاؤ کی راہ لی۔ مگر جاتے وقت نوعروس بیوی سے کہتا گیا "میرے جانے کے بعد تم فجر کی نماز پڑھنا۔ اور اُسکے بعد خود جا کے شامیون سے کہدینا کہ اپنے مقتول رفیق کو اُٹھا لے جائین۔ وہ غالباً حجاج سے جا کے شکایت کرین گے۔ اور وہ تم کو بُلا کے پوچھے گا کہ یہ شامی کیونکر مارا گیا؟ اُس وقت تم بلا تامل سچا سچا واقعہ بلا کم و کاست بیان کر دینا"

کوفی نوجوان کے جانے کے بعد پاکدامن نازنین نے یہی کیا۔ حجاج کے سامنے

فریادی ہوئی۔ اور اُس نے اُس نازنین دولھن کو اپنے سامنے بُلوایا۔ نازنین نے جو کچھ واقعات گذرے تھے اُس کے سامنے صاف صاف بیان کر دیے۔ ایک نوخیز نو عروس کی سادگی۔ صفائی۔ اور سچائی نے حجاج کے دل پر بڑا اثر کیا۔ بولا "تم سچی ہو" اور شامی فریادیوں سے کہا "اپنے بدمعاش مقتول کو لیجا کے گاڑ دو۔ نہ اس کی کوئی خون بہا ہے اور نہ اُس کے خون کے انتقام مین کوئی سزا۔ خدا ہی نے اُسے قتل کر کے جہنم رسید کیا۔" اس فیصلے کے ساتھ ہی اُس نے سارے لشکر اور کوفے کی آبادی مین ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ "خبردار کوئی سپاہی کسی کے گھر پر نہ جائے۔ اور نہ شہر پر کسی قسم کی دست بُرد کرے۔" پھر یہ حکم دیا کہ اہل شام کوفے کی آبادی کے باہر جا کے اپنا پڑاؤ ڈالین۔

ساتھ ہی حجاج کو فکر ہوئی کہ اپنے طرفدار شامی لشکر کے ساتھ جا کے کہین اور قیام کرے۔ اس لیے کہ کوفے مین بنی اُمیہ کے دشمنون کی کثرت تھی۔ بغیر ایک زبردست لشکر کے رہنا مناسب نہ تھا اور نہ یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ شامیون کے ہاتھ سے اہل کوفہ پر ظلم ہو۔ دوسرے مقام کے تلاش کرنے کے لیے اُس نے ایک واقف کار رہبر کو روانہ کیا کہ قریب ہی کوئی ایسی جگہ ڈھونڈھ نکالے جو شامی فوج اور اُسکے ٹھہرنے کے لیے مناسب ہو۔

پھر خود بھی کوفے کی آبادی سے کوچ کر کے اُس مقام پر خیمہ زن ہوا جہان اب شہر واسط آباد ہے۔ وہان ایک دن کیا دیکھتا ہے کہ ایک مسیحی راہب گدھے پر سوار آ رہا ہے۔ اُس کے قریب پہونچ کے گدھے نے پیشاب کیا۔ راہب فوراً گدھے سے اُتر پڑا۔ وہ ساری زمین جو پیشاب سے تر ہوئی تھی کھود دی۔ اور خوب کھرچ کے مٹی کو دریا مین پھینکدیا۔ اب وہ گدھے پر سوار ہو کے آگے بڑھنے کو تھا کہ حجاج نے اُسے اپنے سامنے بُلوا کے پوچھا "یہ مٹی کھود کے تم نے دریا مین کیون بہا دی؟" اُس نے کہا "ہم نے کتابون مین دیکھا ہے کہ اس جگہ خدا کا ایک عبادت کدہ بنے گا۔ اور جب تک دنیا مین ایک موحّد بھی باقی رہے گا خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہوتی رہے گی۔" یہ سنتے ہی حجاج نے اُس جگہ واسط کی بنیاد ڈال دی۔ اور عین اُس جگہ جہان کی مٹی راہب نے کھود دی تھی عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کی۔"

علامۂ یاقوت حموی ایک گروہ رواۃ کی سند سے بیان کرتے ہین کہ حجاج کو اہل کوفہ سے بہت صدمے پہونچے - اور اُن کے دلون مین اپنی طرف سے بغض پایا تو ایک ہوشیار و تجربہ کار شخص کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک ایسا قطعۂ زمین ڈھونڈھ نکالو جس پر مین ایک نیا شہر بساؤن - لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی ندی کے کنارے ہو" وہ شخص گیا اور پھرتے پھرتے ایک گاؤن مین پہونچا جو "واسط القصب" کہلاتا تھا قصب نرکل یا قلم کے نیزے کو کہتے ہین - جو وہان ایسے اچھے اور اس کثرت سے پیدا ہوتے تھے کہ انھین کے نام سے شہرت ہو گئی تھی - اس گاؤن مین دو ایک روز رہا تو رات سہانی نظر آئی اور دن خوشگوار - جو ندی جاری تھی اُسکے پانی کو چکھا تو نہایت پاک و صاف شیرین ہلکا اور لطیف تھا - لوگون سے پوچھا "کوفہ یہان سے کتنی دور ہے؟" جواب ملا "چالیس فرسخ" پوچھا "اور مدائن؟" معلوم ہوا وہ بھی چالیس فرسخ - اسکے بعد بصرے اور اہواز کو دریافت کیا - وہ بھی چالیس ہی فرسخ پر بتلائے گئے - یہ سن کے اُس نے کہا "یہ بستی خوب وسط مین واقع ہوئی ہے" اس کے بعد حجاج کو اس خطے کی تعریف لکھ بھیجی - اور اُسکے تمام حالات لکھے - حجاج نے جواب دیا "اس خطے کو فوراً وہان کے دہقان (زمیندار) سے خرید لو"

یہ زمین داذروان نام ایک پارسی زمیندار کی ملکیت تھی - اُس سے جو حجاج کا ارادہ بیان کرکے اُس زمین کے خریدنے کو کہا گیا تو کہنے لگا "یہ جگہ حضور امیر کے کام کی نہین ہے - اس مین تین عیب ہین - اول تو زمین پولی ہے - عمارت کی بنیاد یہان مضبوط نہین ہو سکتی - دوسرے یہان بڑی سخت گرمی ہوتی ہے - اور باد سموم چلتی ہے - یہان تک کہ فضا مین اُڑتے ہوے طائر لو اور تپش سے گر کے مر جاتے ہین - تیسرے یہان رہنے والون کی عمرین کم ہوتی ہین" یہ حالات حجاج کو لکھے گئے تو اُس نے لکھا "معلوم ہوتا ہے یہ شخص نہین پسند کرتا کہ ہم اُسکے قریب رہین - اُس سے کہو کہ ہم وہان نہرین کھودین گے - اچھی عمارتین بنائین گے - زراعت کو ترقی دینگے اُسکے ساتھ اچھا سلوک کرین گے - اور ہم سے اُس کے مقاصد پورے ہون گے - رہے اُس زمین کے عیوب - تو سنو - اگر زمین پولی ہے تو ہم اچھا بھراؤ کر کے مکانون کی بنیاد مضبوط کر لین گے - گرمی کی ہمین پروا نہین - اور عمرون کا کم و زیادہ ہونا

خدا کے ہاتھ ہے جو چاہے گا کرے گا۔ ہمیں اس میں دخل نہیں۔ اور جتنی عمر خدا نے مقرر کر دی ہے وہ ضرور پوری کر لیں گے۔"

بہر تقدیر یہ زمین مول لے لی گئی۔ اور حجاج نے آغاز ۸۳ھ میں اُسے مکمل کر لیا۔ گرد و پیش کے کئی شہروں کے پھاٹک اُکھڑوا کے اپنے قصر اور مسجد میں لگا لیے۔ اور اُن شہروں کے لوگوں نے لاکھ غل مچایا شنوائی نہ کی۔ تعمیر میں اس نے اپنا عالیشان قصر عظیم الشان مسجد۔ شہر پناہ۔ اور اُسکے گرد دوہری کھائیاں بنوائیں۔ ان کاموں کے لیے اُس نے چار کروڑ تیس لاکھ درہم خزانے سے نکالے۔ مگر اُسکے معتمد نے کہا "اگر امیر المومنین نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ بہتر ہو کہ اس رقم کا زیادہ حصہ مہمات جنگ میں لگایا جائے اس مشورے کے مطابق حجاج نے اُس میں سے نوّے لاکھ درہم تعمیر کے لیے علحدہ کر لیے باقی رقم مہمات جنگ میں لگا دی۔

مذکورہ عمارتوں کے علاوہ حجاج نے اور بھی بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ قصر وغیرہ کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ قصر کا طول و عرض چار ہزار گز مربع اور مسجد دو سو گز مربع تھی۔ شہر پناہ کے اندر متعدد بازار اور کئی پارک بنوائے جن میں ایک لوہاروں کے بازار کے سامنے تھا وہ ۳۰۰ گز مربع تھا۔ دوسرا قسائیوں کے بازار کے سامنے تھا یہ تین سو گز لمبا اور سو گز چوڑا تھا۔ اور اُس میں ایک حوض بھی تھا۔ اور ایک پارک دو سو گز لمبا اور سو گز چوڑا تھا۔ اسی شہر میں حجاج نے اپنا مشہور قید خانہ بنوایا جس میں ۳۳ ہزار اسیر بند تھے۔ اور اُن میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو سوا پولٹیکل الزاموں کے کسی جُرم کا مرتکب اور مجرم ہو۔

محمد بن قاسم نے اُسے سندھ سے ایک ہاتھی بھیجا تھا۔ جہاں سے ریگستان شروع ہوا وہ جہاز میں سوار کر کے لایا گیا۔ اور واسط کے جس گھاٹ پر اُتارا گیا اُس کا نام "مشرعۃ الفیل" ہو گیا۔

جب شہر اور قصر بن کے تیار ہو گیا اور حجاج اُس میں آ کے رہا تو اُسے یہ مقام بہت پسند آیا اور بڑے لطف و عیش سے کٹنے لگی۔ مگر ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ اُس کی ایک چاہیتی اور بیگمال محبوبہ پر جن کا سایہ ہو گیا۔ نہایت پریشان ہوا

اور کوفے مین آدمی بھیج کے عبد اللہ ابن ہلال کو بلوایا جو بہت مشہور عامل اور مقبول عام سیانا تھا۔ اور اپنے کمالات کی وجہ سے "شیطان کا رفیق" کہلاتا تھا۔ اُس نے آتے ہی اپنے عمل سے اُس نازنین کو اچھا کر دیا۔ مگر حجاج نے کہا "مجھے اندیشہ ہے اس قصر مین کسی جن وغیرہ کا گذر نہ ہو" عبد اللہ نے اسکے تدارک کا بھی وعدہ کیا۔ اور تیسرے روز ایک گولا لے کے آیا جس مین کڑا لگا تھا اور اسکے مُنہ پر مُہر لگی ہوئی تھی۔ اس گولے کو دکھا کے عبد اللہ نے کہا "قصر کو بنوائیے تاکہ مین اُس کے بیچوں بیچ مین اس گولے کو دفن کر دون" حجاج نے کہا "اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس گولے مین کوئی اثر ہے؟ اُس نے کہا "دس شہ زور اور قوی ہیکل آدمیون کو بلوائیے اور کہیے اسے زمین سے اُٹھا لین" دس شہ زور آئے اور سب نے لاکھ زور لگایا مگر گولا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس پر متحیر ہو کے حجاج نے اپنی لکڑی جو اُسکے ہاتھ مین تھی گولے کے کڑے مین ڈالی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" کہہ کے جو اُٹھایا تو گولا پھول کی طرح اُٹھ آیا۔ یہ دیکھ کے حجاج نے گولا پھر زمین پر ڈال دیا۔ اور کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر عبد اللہ بن ہلال کی طرف رُخ کر کے کہا "اپنا گولا اُٹھاؤ اور اپنے گھر جاؤ۔ مجھے تمھارے سحر کی ضرورت نہین۔ میرے بعد کسی نے صحن کو کھودا اور یہ گولا نکلا تو کہے گا کہ خدا حجاج پر لعنت کرے جادو کے زور سے کامیابی حاصل کیا کرتا تھا" غرض عبد اللہ بن ہلال واپس چلا گیا۔

اس واقعے سے حجاج کی باوجود اُسکے مظالم کے دینداری و خوش اعتقادی ظاہر ہوتی ہے۔ غالباً یہی دیکھ کے عبد الوہاب ثقفی کے سامنے لوگون نے حجاج کو بُرا کہا تو وہ بگڑے اور کہا "اُس کی بُرائیان دیکھتے ہو اور یہ نہین دیکھتے کہ حجاج پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے دینار و درہم پر کلمۂ توحید نقش کرایا۔ وہی ہے جس نے صحابۂ راشدین کے بعد اسلام مین پہلا شہر بسایا۔ وہی ہے جس نے عورتون کے لیے محملین ایجاد کین۔ وہی ہے کہ کسی مسلمان خاتون کو ہندوؤن نے سندھ مین پکڑ لیا تھا وہ دشمنون کے ہاتھون مین اسیر ہوتے وقت چلائی "یا حجاج" اُس کا یہ کلمہ سنتے ہی اُس نے ستر لاکھ کی رقم صرف کر کے ہند و سندھ پر فوج کشی کی۔ اُس عورت

کو چھڑایا۔ اور سندھ و ہند کو فتح کیا۔ اور وہی ہے جس نے واسطے سے قزوین تک مسلسل اونچے ٹیکرون پر یہ انتظام کیا کہ واسطہ مین دن کو آگ سُلگے تو وہان تک سب ٹیکرون پر سُلگ جائے اور رات کو یہان روشنی ہو تو وہان تک برابر مشعلین روشن ہو جائین اور اس اشارے سے ایک ہی دن مین خبر پہونچانے کا کام لیا جائے۔

علامہ یاقوت حموی جنھون نے ۶۲۶ھ مین وفات پائی شہر واسط کو بارہا اپنی آنکھون سے دیکھا تھا۔ وہ کہتے ہین کہ "یہ بڑا عظیم الشان اور خوب آباد شہر ہے۔ اسکے اطراف مین بڑے بڑے قصر و ایوان باغ اور قریے ہین۔ میوہ جات کی کثرت ہے۔ پھلدار درختون کی کوئی حد و نہایت نہین ہے۔ اور ہر چیز نہایت سستی ہے۔ کھن کا ایک گھڑا۔ بارہ مرغیان یا چوبیس چوزے۔ بارہ رطل (چھ سیر) گھی۔ چالیس رطل (۲۰ سیر) روٹی۔ ڈیڑھ سو رطل (۷۵ سیر) دودھ۔ اور سو رطل (۵۰ سیر) مچھلی۔ ان مین سے ہر ایک چیز ایک درہم مین مل سکتی ہے۔"

جس وقت حجاج نے واسط کو آباد کیا ہے اُن دنون عراق مین ایک پُرانی قوم آباد تھی۔ جو لوگ نبطی کہلاتے تھے۔ یہ بڑے فتنہ انگیز اور اسلام کے دشمن تھے اگر حکام پر زور نہ چلتا تو مسلمان بن کے رعایا مین فساد پھیلاتے۔ اور طرح طرح کے عقائد تصنیف کرتے۔ حجاج نے حکم دیدیا کہ تمام نبطی واسط سے نکل جائین۔ چنانچہ شہر اُن سے خالی ہوگیا۔ مگر حجاج کے مرتے ہی وہ پھر یہان آکے بس گئے۔

قدیم سیاحانِ ہندوستان

(۱)

پندرہوین صدی عیسوی کے آغاز مین نکلو کانٹی نام وینس کے ایک تاجر نے ہندوستان کا سفر کیا۔ اور برہما۔ جزائر۔ چین۔ اور مصر ہوتا ہوا پچیس سال کے بعد اپنے وطن واپس آیا۔ اس سفر مین وہ اپنی بیوی اور بچون کو ساتھ لیتا گیا تھا۔ واپسی کے وقت مصر مین اُسے اپنا عیسوی مذہب چھوڑ دینا پڑا۔ جب وہ وطن پہونچا تو پوپ یوجین چہارم سے درخواست کی کہ میرا گناہ کبیرہ جو اپنی جان بچانے کی غرض سے سرزد ہوگیا تھا معاف کر دیا جائے۔ پوپ نے اس کی درخواست منظور کر لی لیکن

یہ شرط لگادی کہ اپنے سفر کے حالات سکرٹری پوگیو بریسو لی نی سے بیان کردو۔ پوگیو نے یہ واقعات اُس سے سن کے لاطینی زبان مین لکھ دیے تھے۔ اور ہمین یقین ہے کہ اُسکے حالات ناظرین دلگداز کے لیے بہت ہی دلچسپ ثابت ہون گے۔

نکلو دمشق الشام مین ایک تاجر کی حیثیت سے رہتا تھا۔ اور عربی زبان سیکھ کے ایک قافلے کے ساتھ جس مین چھ سو تاجر تھے اپنا مال تجارت لے کے عراق عرب کی جانب روانہ ہوگیا۔ اور خیلڈیا ہوتا ہوا دریاے دجلہ کے کنارے پہونچا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس راستے مین ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ آدھی رات کو جب ہم سب ایک مقام پر ٹھہرے ہوے تھے زور و شور کی آوازین آنا شروع ہوئین۔ ہم سمجھے کہ عربون نے حملہ کر دیا ہے اور ہمین لوٹنے آرہے ہین لہذا ہر شخص اُٹھا اور مقابلے کے لیے تیار ہوگیا۔ اب ہم اُنکے انتظار مین کھڑے تھے کہ دیکھا لوگون کی ایک بہت بڑی جماعت گھوڑون پر سوار چلی جا رہی ہے۔ وہ سوار قریب آگئے اور ہمارے خیمون کے پاس سے گذرنے لگے۔ لیکن ہم سے کچھ نہ بولے۔ بعض تجربہ کار تاجرون نے جو ایسے واقعات پہلے دیکھ چکے تھے کہا کہ "یہ جن ہین اور اس میدان مین اکثر اسی طرح نظر آیا کرتے ہین"

دریاے دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑا شہر ہے جس مین قدیم شہر بابل کا بھی ایک حصہ آگیا ہے۔ یہ شہر چودہ میل کے رقبے مین آباد ہے۔ اسے وہان کے لوگ بلد وشیا (بغداد) کہتے ہین۔ دریاے دجلہ اس شہر کے بیچ مین سے ہو کے گذرا ہے۔ اور ایک پل کے ذریعے سے جس مین چودہ در ہین۔ اور دونون جانب دو مضبوط برج بنے ہین۔ شہر کے دونون حصون مین آمد و رفت ہے۔ بغداد کے قریب شہر بابل کی بہت سی یادگارین اور عمارتون کے کھنڈر اب تک باقی ہین۔ شہر کے ایک بلند مقام پر مضبوط قلعہ ہے۔ اور اُسی کے اندر شاہی قصر ہین۔

یہان سے روانہ ہو کے مین نے بیس دن کشتی کا سفر کیا اور دریا کے دونون جانب نہایت زرخیز زمینین نظر آئین۔ پھر آٹھ روز خشکی کا سفر کر کے بصرے پہونچا اور وہان سے چار روز کے بعد خلیج فارس مین داخل ہوا۔ اس سمندر مین بحر اٹلانٹک کی طرح مد و جزر ہوتا ہے۔ یہان سے چار روز جہاز پر سفر کر کے بندرگاہ

قلقوس میں اور وہاں سے جزیرۂ ہرمز پہونچا جو ساحل سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے - اس جزیرے سے میں ہندوستان کی جانب روانہ ہوا اور سو میل چل کے ایک شہر میں آیا جو کل کیشیا کہلاتا ہے - اور ایران کا ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے - یہاں میں چند روز ٹھہر گیا - فارسی زبان سیکھی جس سے بعد میں بہت کام نکلا یہیں سے میں نے عیسائیوں کا لباس اختیار کیا اور اپنے سارے سفر میں اُسی کو پہنتا رہا - پھر چند ایرانی تاجروں کے ساتھ میں نے ایک جہاز کرایے پر لیا - اور آپس میں قول و قرار کرکے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ایمانداری اور راستبازی سے پیش آئینگے روانہ ہو گیا -

اس طرح ایک مہینہ سفر کرکے اور دریاے سندھ کے دہانے سے گذر کے میں ایک خلیج میں داخل ہوا اور شہر کھمبات پہونچا - یہاں ایک قسم کا قیمتی پتھر پیدا ہوتا ہے جو رات کو روشنی دیتا ہے - یہاں کے لوگوں میں رواج ہے کہ جب شوہر مر جاتا ہے تو اس کی موت کو اہمیت دینے کے لیے اُسکی وہ بیوی جو شوہر کو زیادہ عزیز ہوتی ہے اُس کی لاش کے برابر لیٹ جاتی ہے اور اُسکے گلے میں باہیں ڈال کے ساتھ جل جاتی ہے - اور جب چتا روشن ہو جاتی ہے تو دوسری بیبیاں بھی شعلوں میں گھس پڑتی ہیں

یہاں سے روانہ ہوکے میں نے بیس روز جہاز پر گذارے اور دو شہروں کے قریب پہونچا جو ساحل پر واقع ہیں - ان شہروں کے قریب سونٹھ اور اورک پیدا ہوتی - یہ ایک چھوٹے پودے کی جڑ ہے جو دو بالشت اونچا ہے - اس کی جڑ کھود کے نکال لیتے ہیں اور راکھ میں ڈال کے تین دن دھوپ میں پھیلا دیتے ہیں - اور وہ خشک ہو جاتی ہے -

یہاں سے روانہ ہوکے اور تقریباً تین سو میل اندرون ملک خشکی کا سفر کرکے میں بڑے شہر بیجانگر پہونچا جو بلند چٹانوں کے دامن میں واقع ہے - یہ شہر ساٹھ میل کے رقبے میں آباد ہے - اس کی فصیلیں پہاڑوں کے اوپر تک چلی گئی ہیں - اور اُنکے دامن کی وادیوں کو اپنے آغوش میں لیے ہوے ہیں - اس وجہ سے اس شہر کی وسعت بہت زیادہ ہو گئی ہے - اس شہر میں نوے ہزار جوان ایسے ہیں جو

میدان جنگ میں آ سکتے ہیں - یہاں کے مردوں کی کئی بیبیاں ہوتی ہیں - اور سب اپنے شوہر کے ساتھ جل کے مر جاتی ہیں - ہندوستان کے بادشاہوں میں یہاں کا راجہ سب سے زیادہ طاقتور ہے - اسکی بارہ ہزار بیبیاں ہیں - جہاں کہیں وہ جاتا ہے چار ہزار بیبیاں پیدل ہمراہ ہوتی ہیں اور باورچی خانے کا انتظام اُنھیں کے سپرد ہوتا ہے - چار ہزار جو اچھے کپڑے پہنے ہوتی ہیں گھوڑوں پر سوار ہو کے ساتھ چلتی ہیں - اور باقی پالکیوں میں ہوتی ہیں جنھیں آدمی لے کے چلتے ہیں انھیں میں دو تین ہزار ایسی منتخب بیبیاں ہیں جو اس شرط سے رکھی گئی ہیں کہ راجہ کی موت پر یا اُس کے ساتھ جل کے مر جائیں گی - اور یہ اُن کے لیے بڑی عزت کی بات خیال کی جاتی ہے -

مشہور شہر پلا کنڈہ (غالباً پنا کندہ) اسی راجہ کے علاقے میں شامل ہے - اور بیجا نگر سے آٹھ روز کی مسافت پر واقع ہے - یہاں سے سفر کر کے میں بیس دن چلتا رہا - اور ایک بندرگاہ میں آیا جس کا نام پودی فطانیہ (غالباً ورما پٹم جو ٹلی چری کے قریب ہے) ہے - راستے میں مجھے دو شہر ملے جن کا نام زودا گیری اور چندر گیری ہے - پھر آگے بڑھ کے ایک اور بندرگاہ ملا جو میلا پور کہلاتا ہے اور دریائے سندھ کے بعد دوسرے خلیج میں واقع ہے - یہاں ایک بڑے اور خوشنما گرجے میں سینٹ ٹامس کی قبر ہے - اور بے دین نسطوری فرقے کے لوگ اُس کی پرستش کرتے ہیں - اس شہر میں اُن کی تعداد ایک ہزار ہے - یہ نسطوری سارے ہندوستان میں اسی طرح پھیلے ہوے ہیں جس طرح ہمارے ممالک میں یہودی ہیں - یہ سارا علاقہ ملابار کہلاتا ہے - اس کے آگے ایک اور شہر ہے جس کا نام کاہلہ (کل کیرا) ہے - یہاں سمندر میں موتی پیدا ہوتے ہیں - اس شہر میں ایک درخت ہوتا ہے جس میں پھل نہیں لگتے لیکن اس کا پتا چھ بالشت لمبا اور اسی قدر چوڑا ہوتا ہے اور اس قدر پتلا کہ ایک شخص اُسے دبا کے اپنی مٹھی میں بند کر لیتا ہے - یہاں کے لوگ انھی پتوں پر لکھتے ہیں اور بارش کے موسم میں اپنے سر پر ڈال لیتے ہیں تاکہ کپڑے مینہ سے محفوظ رہیں - اس پتے کو پھیلا کے تین چار آدمی بہ آسانی اُسکے نیچے چل سکتے ہیں -

اس خلیج کے بیچ مین ایک جزیرہ ہے جس کا نام سیلام (سیلون یعنی سراندیپ) ہے۔ اس کے چارون طرف ساحل کی لمبائی تین ہزار میل ہے۔ اس مین لال۔ یاقوت۔ نیلم۔ اور وہ قیمتی پتھر پیدا ہوتا ہے جو رات کو روشنی دیتا ہے۔

یہان دارچینی کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا درخت ہمارے ملک کے بید کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی شاخین اوپر کی جانب نہین ہوتین بلکہ چارون طرف پھیلتی ہین۔

اس جزیرے مین ایک جھیل؏ ہے۔ اور اُسکے بیچ مین ایک شہر آباد ہے جسکے ساحل کا دور تین میل ہے۔ ان جزیرون مین برہمنون کی حکومت ہے جو دیگر لوگون سے زیادہ قابل خیال کیے جاتے ہین۔ برہمن بڑے فلسفہ دان ہوتے ہین اور اپنی ساری زندگی نجوم اور ہیئت کی فکرون مین بسر کر دیتے ہین۔

اس کے بعد جزیرۂ تپ روبونا کے ایک شہر مین گیا۔ اس جزیرے کو وہان کے باشندے سماترا کہتے ہین۔ مین اس شہر مین ایک سال رہا۔ یہ شہر چھ میل کے رقبے مین آباد ہے اور بڑی تجارت کی جگہ ہے۔ ایک اچھے موسم مین چند روز مین سفے جہاز پر سیر کی اور جزیرۂ انڈمانیہ کو اپنی داہنی جانب چھوڑ دیا۔ یہ سونے کا جزیرہ کہلاتا ہے اور آٹھ سو میل کے رقبے مین ہے۔ یہان کے لوگ مردم خوار ہین۔ کوئی جہاز اسکے ساحل پر نہین ٹھہرتا۔ اور اگر طوفان کی وجہ سے وہان جا پڑا اور اُن وحشیون نے دیکھ لیا تو فوراً آکے لوگون کو پکڑ لے جاتے ہین۔ اور اُنھین ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا لیتے ہین۔ جزیرۂ سماترا چھ ہزار میل کے رقبے مین ہے۔ وہان کے لوگ ظالم اور وحشی ہین۔ مردون اور عورتون کے کان بہت بڑے ہوتے ہین۔ اور ان مین وہ بالیان پہنتے ہین جن مین قیمتی جواہر جڑے ہوتے ہین۔ وہ سوتی اور ریشمی کپڑے پہنتے ہین۔ جو گھٹنون کے نیچے تک لٹکتے رہتے ہین۔ مرد جتنی بیبیان چاہین رکھ سکتے ہین۔ ان کے مکانات نہایت پست ہوتے ہین اور فقط اس غرض سے بنائے جاتے ہین کہ دھوپ کی شدت سے لوگون کو بچائین۔ یہان کے لوگ سب بت پرست ہین۔

؏ سیلون مین اب کوئی جھیل نہین ہے اور نہ کوئی ایسے آثار پائے جاتے ہین کہ اتنی بڑی جھیل موجود ہو جس کے بیچ مین شہر آباد ہو۔

اس جزیرے مین مرچ اور کافور پیدا ہوتا ہے - اور کانون مین سے سونا نکالا جاتا ہے - مرچ کا درخت چھوٹا ہوتا ہے اور اُس کے بیج سبز ہوتے ہین جنھین وہ وہ لوگ راکھ مین ڈال کے دھوپ مین خشک کر لیتے ہین - اس جزیرے مین ایک خاص قسم کا پھل ہوتا ہے جو سبز رنگ کا ہوتا ہے اور کھیرے کے برابر ہوتا ہے جب اُسے کاٹتے ہین تو اُس مین سے نارنگیون کے سے گول پانچ پھل نکلتے ہین اور اُن کا مزہ پنیر کا ایسا ہوتا ہے -

اس جزیرے کے ایک حصے مین جو باتش کہلاتا ہے ایسی قوم آباد ہے جو مردم خوار ہے - یہ لوگ ہمیشہ قرب وجوار کے لوگون سے لڑا کرتے ہین - وہ انسانی سرون کو بڑی قیمتی چیز سمجھتے ہین - جب وہ کسی دشمن کو گرفتار کرتے ہین تو اُس کا سر کاٹ کے رکھ لیتے ہین اور بقیہ جسم کھا جاتے ہین - جب اُنھین کوئی چیز خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے تو روپے کے بجاے وہی سر دیدیتے ہین - لہذا اُن مین وہ شخص سب سے زیادہ مالدار سمجھا جاتا ہے جس کے گھر مین سب سے زیادہ سر ہون -

اب مین اس جزیرے سے روانہ ہوا اور سولہ دن کے نہایت طولانی سفر کے بعد شہر تاسرم پہونچا جو اسی نام کے دریا کے دہانے پر واقع ہے - اس ملک مین ہاتھی بہت کثرت سے ہین - اور ایک خاص قسم کی چڑیان ہوتی ہین

یہان سے روانہ ہوکے اور خشکی اور تری کا سفر کر کے دریاے گنگا کے دہانے پر پہونچا - پھر ایک کشتی مین پندرہ دن اُسی دریا مین چڑھائی پر سفر کر کے ایک بڑے اور مشہور شہر مین پہونچا جو سرناوٗ (کرونگر) کہلاتا ہے - یہ ندی اتنی چوڑی ہے کہ اُس کے بیچون بیچ مین سے دونون جانب کی زمین نہین نظر آتی - بعض مقامات پر اس کا عرض پندرہ میل سے زیادہ ہے - اس ندی کے کنارے بہت اونچے بانس پیدا ہوتے ہین جو اس قدر موٹے ہوتے ہین کہ اگر کوئی شخص اپنے دونون بازوؤن کے دور مین لینا چاہے تو نہین لے سکتا - یہان کے لوگ اُن کی چھوٹی چھوٹی کشتیان بناتے ہین - یہ ڈونگی اس ندی مین آمد و رفت کے لیے بہت موزون ہوتی ہے - بانس مین ایک گرہ سے دوسری گرہ کا فاصلہ آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے - مگر چھ

اور مختلف قسم کی مچھلیاں جن سے ہم نہیں واقف ہیں اس ندی میں موجود ہیں۔ ندی کے دونوں جانب نہایت خوشنما آبادیاں اور کھیت اور باغ ہیں جن میں ہزاروں قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے اچھے موز (کیلے) جو انگور کے ذائقے اور شہد سے زیادہ شیریں ہیں۔ اور ناریل ہیں۔

یہاں سے روانہ ہو کے میں تین مہینے اسی ندی کے اوپر چلا گیا۔ اور چار بہت بڑے اور مشہور شہر راستے میں چھوڑ دیے۔ پھر ایک نہایت آباد شہر مارزیہ (متھرا) میں اُترا۔ یہاں عود۔ سونا۔ چاندی۔ جواہرات اور موتی پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں سے میں نے مشرق کی جانب پہاڑوں کا راستہ لیا جہاں کی نسبت سُنتا تھا کہ سنگ شب چراغ پیدا ہوتا ہے۔ وہاں کے سفر میں تیرہ دن صرف ہوئے اور میں پھر سرنا ؤ (کرونگر) واپس آیا۔ اور بغی تاتیہ (بردوان) گیا۔ یہاں سے روانہ ہو کے ایک مہینے کے دریائی سفر کے بعد دریائے آوا کا کے دہانے پر پہونچا۔ اور ندی میں چھ روز چلنے کے بعد ایک بہت بڑے شہر میں آیا جو اسی ندی کے نام سے مشہور ہے اور اسی کے کنارے آباد ہے۔

یہاں سے چل کے میں ایسے مُلک میں پہونچا جہاں آبادی کا نام و نشان بھی نہیں۔ سترہ دن پہاڑوں میں اور پندرہ دن میدانوں میں سفر کرنے کے بعد میں ایک اور ندی کے کنارے پہونچا جو گنگا سے بھی بڑی ہے اور لوگ اُسے داوا (اراودی) کہتے ہیں۔ اس ندی میں اوپر کی جانب ایک مہینہ چلنے کے بعد میں ایک شہر میں آیا جو اور سب شہروں سے بڑا ہے اور پندرہ میل کے رقبے میں آباد ہے۔ اس شہر کا نام آوا ہے۔

یہ ملک مسی نوس (سیام) کہلاتا ہے۔ اور اس میں ہاتھی بہت زیادہ ہیں۔ یہاں کے بادشاہ کے پاس دس ہزار ہاتھی ایسے ہیں جو لڑائی میں کام آتے ہیں قلعے (عماریاں) ان ہاتھیوں کی پیٹھ پر باندھ دیے جاتے ہیں۔ جس میں آٹھ یا دس آدمی تیر کمان اور خنجر لیکے بیٹھ جاتے۔ یہ ہاتھی جنگل میں رہتے ہیں۔ لیکن عام طور پر اس طرح پکڑے جاتے ہیں کہ ایک خاص فصل میں پالتو ہتھنی جنگل میں چھوڑ دی جاتی ہے جب ہاتھی اُسے دیکھ لیتے ہیں تو وہ آہستہ آہستہ چرتی ہوئی ایک احاطے کے اندر آجاتی

ہے جسکے گرد دیواریں ہوتی ہیں اور دو بڑے پھاٹک لگے ہوتے ہیں - جب جنگلی ہاتھی اُسے اس احاطے کے اندر دیکھتے ہیں تو وہ بھی ایک پھاٹک سے اُس مین آجاتے ہین - لیکن ہتھنی فوراً دوسرے پھاٹک سے نکل جاتی ہے اور لوگ جو اُس کی نگرانی کرتے رہتے ہین دونون پھاٹک مضبوط بند کر لیتے ہین - پھر بہت سے آدمی چھوٹے دروازون سے اُس احاطے مین آجاتے ہین - اُن کے ہاتھ مین نہایت مضبوط رسیان ہوتی ہین جن مین پھندے بنے ہوئے ہین - ایک آدمی اس ہاتھی کے سامنے جاتا ہے اور جیسے ہی ہاتھی اُسے مارنے کے لیے دوڑتا ہے اور لوگ پیچھے سے اُس کے پیرون مین رسّی کے پھندے ڈال دیتے ہین - پھر اُس کے پیر مضبوط جکڑ دیے جاتے ہین اور تین چار دن اُسے وہین باندھ دیتے ہین - فقط تھوڑی سی گھانس روزانہ دیدی جاتی ہے - اسی طرح پندرہ روز مین اُس کا جوش کم ہوجاتا ہے - اب وہ اُسے دو پالو ہاتھیون کے بیچ مین باندھتے ہین اور شہر کے اندر سڑکون پر لیجاتے ہین - غرض چند روز مین وہ اور ہاتھیون کی طرح پالو ہوجاتا ہے -

لیکن بعض جگہ ہاتھیون کو ایک اور طریقے سے پکڑتے اور پالو کرتے ہین - وہ ہاتھیون کو ایک ایسے مقام پر لے جاتے ہین جو چارون طرف سے محفوظ ہو - پھر پالو ہتھنیون کو وہان سے نکال دیتے ہین اور ہاتھیون کو فاقے دے دے کے پالو کر لیتے ہین - چار روز بعد اُنھین ایک تنگ مقام مین لیجاتے ہین جو خاصکر اسی ضرورت سے بنایا جاتا ہے - اور وہان اُنھین سدھا لیتے ہین - بادشاہ ان ہاتھیون کو اپنی ضرورتون کے لیے خریدتے ہین - پالو ہاتھیون کو گھی اور چاول دیے جاتے ہین - اور جنگلی ہاتھی درختون کے پتے اور گھانس کھاتے ہین پالو ہاتھی کو فقط ایک آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتا ہے اُس کے سر پر بیٹھ کے ایک آہنی آنکس کے ذریعے سے چلاتا ہے - یہ جانور اس قدر ہوشیار اور عقلمند ہوتا ہے کہ میدان جنگ مین دشمن کے تیرون اور برچھیون کو وہ اپنے پیر کے تلودن پر روک لیتا ہے تاکہ اُن لوگون کو نقصان نہ پہونچے جو اُس کی پیٹھ پر سوار ہین - اس ملک کا بادشاہ ایک سفید ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اور اُسکی گردن مین سونے کی زنجیر

پڑی ہے جس مین قیمتی جواہرات جڑے ہین - وہ اُس کے پیرون تک لٹکتی رہتی ہی
یہان کے مرد ایک ہی بی بی رکھتے ہین - اور سب مرد اور عورتین اپنے گوشت
مین سوئیون سے سوراخ کرکے ایسا رنگ بھر دیتے ہین جو کبھی زائل نہین ہوتا - لوگون
کا مذہب بت پرستی ہے - لیکن جب سوکے اُٹھتے ہین تو مشرق کی طرف منہ کرکے اور
دونون ہاتھ جوڑکے کہتے ہین "خدا کی تثلیث اور اُسکی شریعت ہمین محفوظ رکھے"
اس ملک مین ایک قسم کا سیب پیدا ہوتا ہے جو انار کی شکل کا ہوتا ہے اور
اُس مین نہایت شیرین عرق بھرا ہوتا ہے - ایک درخت ہوتا ہے جو تال (تاڑ) کہلاتا
ہے - اُس کے پتے بہت بڑے ہوتے ہین - اور اسی پر لوگ لکھتے ہین - کیونکہ سارے
ہندوستان مین سوا کھمبات کے اور کسی جگہ کاغذ کا رواج نہین ہے - اس درخت مین
چقندر کے مانند ایک پھل بھی ہوتا ہے - اُس کے اندر جو عرق ہوتا ہے چند روز بعد جم
جاتا ہے اور کھانے مین بڑے مزے کا ہوتا ہے -
اس ملک مین نہایت خوفناک سانپ پیدا ہوتے ہین جن کے پیر نہین ہوتے
لیکن انسان کے برابر موٹے اور چھ گز لمبے ہوتے ہین - یہان کے باشندے انھین آگ
مین بھون کے کھاتے ہین - اور اُسے نہایت پُرتکلف غذا خیال کرتے ہین - اسکے
سوا وہ کیکڑون کو بھی نمک مرچ مین بھون کے کھا جاتے ہین -
یہان ایک جانور ہوتا ہے جس کا سر سُور کے مانند ہوتا ہے - دُم بیل کی سی
ہوتی ہے - اور پیشانی پر گینڈے کی طرح ایک چھوٹا سینگ ہوتا ہے - رنگ اور قد و
قامت مین وہ ہاتھی کے برابر ہوتا ہے - اور ہمیشہ ہاتھی سے لڑا کرتا ہے - کہا
جاتا ہے کہ اُسکا سینگ ہر قسم کے زہر کا علاج ہے - اور اسی وجہ سے لوگ اُسکی
بڑی قدر کرتے ہین -
اس ملک کے اندرونی حصے مین سیاہ اور سفید بیل پیدا ہوتے ہین - اور وہ
بیل نہایت قیمتی سمجھے جاتے ہین جن کی دُمین گھوڑے کی طرح گھنی اور لمبے بالون
کی ہون - لیکن گھوڑون سے زیادہ لمبی اور پیرون تک پہنچی ہون - اُنکی دُمون
کے بال بہت باریک - ہلکے - اور نرم ہوتے ہین - اور اپنے وزن کے برابر چاندی کے
معاوضے مین فروخت ہوتے ہین - ان بالون کے پنکھے اور چَوَنریان بنائی جاتی ہین

جو دیوتاؤن اور بادشاہون کے جھلی جاتی ہین۔

ان بیلون کی دُموں کے بال معزز اور امیر لوگ اپنے گھوڑون کی دُمچیون مین لگا دیتے ہین تاکہ گھوڑے کا پچھلا حصہ ان مین چھپا رہے۔ اور گھوڑے کی گردن مین بھی باندھ دیتے ہین تاکہ اُس کے آگے لٹکتے رہین۔ اور سینہ اُن مین چھپا رہے۔ یہ بڑی عزت کی چیز خیال کی جاتی ہے۔ رسالے کے سوار ان بالون کو اپنے نیزون مین لگاتے ہین اور شرافت کا نشان سمجھتے ہین۔

اس ملک کے آگے ایک صوبہ ہے جو دنیا کے سب ملکوں سے اچھا ہے۔ اُس کا نام کیتھے ہے۔ اس ملک کے حاکم کو خان اعظم کہتے ہین جسکے معنی شہنشاہ کے ہین اسکے دارالسلطنت کا نام کمبلشیا (خان بالق) ہے۔ یہ شہر اٹھائیس میل کے رقبے مین آباد ہے۔ اسکے درمیان مین ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے اور اُسی کے اندر بادشاہ کا محل ہے۔ یہ شہر ایک مربع رقبے مین آباد ہوا ہے لہذا فصیل کے چارون کونون پر چار مدوّر قلعے تعمیر کیے گئے ہین جن مین سے ہر ایک کا دَور چار میل ہے ان قلعون مین ہر قسم کا سامان جنگ اسلحہ اور شہرون پر دھاوا کرنے کی کلین موجود رہتی ہین۔ قصر شاہی سے ان چارون قلعون کو سرنگین گئی ہین جو اس خیال سے بنائی گئی ہین کہ اگر شہر والے بغاوت کرین تو بادشاہ اُنکے اندر ہی اندر جس قلعے مین چاہے چلا جائے۔ اس شہر سے پندرہ دن کے راستے پر ایک اور بڑا شہر ہے جو اسی بادشاہ نے تعمیر کرایا ہے۔ وہ تیس میل کے رقبے مین آباد ہے اور تب نائی کہلاتا ہے۔ سب شہرون سے زیادہ آباد ہے۔ ان دونون شہرون کے مکان اور بڑی عمارتین اور رونق سب اٹلی کی ایسی ہے۔ یہان کے لوگ نہایت ہوشیار اور شریف ہین اور سب ملکون سے زیادہ دولتمند ہین۔

یہان سے مین آوا واپس آیا اور سترہ دن جہاز مین سفر کرکے ایک ندی (غالباً پیگو) کے دہانے پر پہونچا۔ یہان ایک شہر آباد ہے۔ مین اس مین نہین ٹھہرا لیکن ایک دوسری کشتی مین بیٹھ کے ندی کے اوپر چلا۔ اور دس روز کے بعد

عـہ چین کا جنوبی حصہ۔ لیکن اب اُسکے حدود کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے۔

عـہ پیکین کا قدیم نام خان بالق تھا۔

ایک نہایت آباد شہر پکو نیا مین آیا جو بارہ میل کے رقبے مین آباد ہے - یہان چار مہینے ٹھہرا - ہندوستان مین فقط یہی ایک مقام ہے جہان انگور پیدا ہوتا ہے لیکن یہان بھی بہت کم ہوتا ہے - لہذا لوگ اس کی شراب نہین بناتے - یہان سیب - نارنگی - شاہ بلوط - خربوزے - سفید صندل اور کافور پیدا ہوتا ہے - کافور ایک درخت کے اندر سے نکلتا ہے - اور اگر لوگ اُسکی چھال نکالنے سے پہلے اپنے دیوتاؤن کے آگے قربانی نہ کرلین تو کافور لکڑی کے اندر سے غائب ہوجاتا ہے -

ہندوستان مین دو جزیرے ہین جو دنیا کے خاتمے پر واقع ہوے ہین - دونون کا نام جاوا ہے - ایک کا رقبہ تین ہزار میل ہے اور دوسرے کا دو ہزار میل - دونون مشرق مین سمندر کے راستے مین ہین - اور بر اعظم سے ایک مہینے کے سفر پر ہین ایک دوسرے سے سو میل کے فاصلے پر واقع ہین - مین اپنی بیوی اور بچون کے ساتھ (جو سارے سفر مین میرے ہمراہ تھے) یہان نو مہینے رہا -

ان جزائر کے باشندے دنیا کی سب قومون سے زیادہ بے رحم اور ظالم ہین - کُتے - بلیان - چوہے - اور ایسے ہی ناپاک جانور کھاتے ہین - کسی آدمی کو مار ڈالنا اُنکے یہان ایک مذاق ہے - اور اس قتل کی اُنھین کوئی سزا بھی نہین دی جاتی - قرضدار پکڑ کے قرضخواہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے - اور وہ اُسے اپنا غلام بنا لیتا ہے - لیکن اگر وہ غلام بننے سے موت کو ترجیح دے تو ایک ننگی تلوار لے کے نکل پڑتا ہے اور جو شخص اُس کے سامنے آجاتا ہے قتل کر ڈالتا ہے - یہان تک کہ کوئی اُس سے زیادہ طاقتور مقابل مل جاتا ہے جو اُسے مار ڈالتا ہے - اب قرضخواہ آکے اُس شخص کو پکڑتا ہے جس نے اُسکے قرضدار کو قتل کیا ہے اور اُس سے اپنا روپیہ مانگتا ہے - اور حاکم اُس کا فیصلہ کرتے ہین -

اگر کوئی شخص نئی تلوار مول لیتا ہے تو اُسے آزمانے کے لیے جو شخص پہلے سامنے آجاتا ہے اُسکے جسم مین بھونک دیتا ہے - اور اگر وہ شخص مرجائے تو اسے کوئی سزا نہین دی جاتی - راستہ چلنے والے اُسکے زخم کو دیکھ کے اُس شخص کی تعریف کرتے ہین جس نے اس طرح سیدھی تلوار بھونک دی - یہان ہر شخص جتنی بیبیان چاہے رکھ سکتا ہے -

یہان کے لوگون کی سب سے زیادہ دلچسپی مرغون کی لڑائی مین ہوتی ہے۔ مختلف لوگ اپنے اپنے مرغ لاتے ہین۔ اور ہر شخص کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہمارا مرغ جیتے گا۔ جو لوگ لڑائی کا تماشا دیکھنے آتے ہین اُسپر بازی لگاتے ہین اور جو مرغ فتح پاتا ہے وہی اُن کی بازی کا فیصلہ کرتا ہے۔

جاوا کے بڑے جزیرے مین ایک نہایت خوبصورت چڑیا ہوتی ہے جو جنگلی کبوتر کے برابر ہوتی ہے لیکن اُسکے پیر نہین ہوتے۔ سر پہ ایک کلغی ہوتی ہے اور دُم لمبی اور گول ہوتی ہے۔ اکثر یہان کے درختون پہ دکھی جاتی ہے۔ اس چڑیا کا گوشت نہین کھایا جاتا لیکن اسکی دُم اور کھال بہت قیمتی ہوتی ہے۔ لوگ اُسے اپنی ٹوپیون مین لگاتے ہین۔

مین نے جاوا مین ضروری سامان تجارت خریدا اور مغرب کی جانب جہاز پہ روانہ ہو کے بندرگاہ سیامیا مین آیا جہان عود۔ کافور۔ اور سونا پیدا ہوتا ہے۔ اس سفر مین ایک مہینہ صرف ہوا۔ پھر مین وہان سے روانہ ہو کے بندرگاہ کولمن پہونچا۔ اس ملک کو لوگ ملابار کہتے ہین۔ یہان سونٹھ۔ مرچ۔ اور دارچینی پیدا ہوتی ہے۔ یہان ایک قسم کے سانپ ہین جو چھ گز لمبے ہوتے ہین اور جنگل مین رہتے ہین۔ لیکن جب تک اُنھین کوئی نہ ستائے کسی کو نہین کاٹتے۔ وہ بچون کو دیکھ کے خوش ہوتے ہین۔ لہذا بچون کو دیکھتے ہوے وہ آبادی مین آجاتے ہین۔ یہان ایک اور قسم کا سانپ بھی ہوتا ہے جسکے چار پیر ہوتے ہین اور کُتّے کی طرح لمبی دُم ہوتی ہے۔ یہ کسی کو نہین ستاتے لیکن لوگ اُسے کھاتے ہین اور اُس کا گوشت بہترین قسم کی غذاؤن مین شمار کیا جاتا ہے۔

یہین ایک اور قسم کے بھی سانپ ہین جو ایک ہاتھ لمبے ہوتے ہین۔ اور چمگادڑ کی طرح اُنکے بازو ہوتے ہین۔ اُنکے سات سر ہوتے ہین اور ہمیشہ درختون پہ رہا کرتے ہین۔ وہ بہت تیز اُڑتے ہین اور نہایت زہریلے سانپ ہین۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ ایک سانس مین وہ آدمی کا خاتمہ کر دیتے ہین۔

یہان پردار بلیان ہوتی ہین۔ اُنکے اگلے اور پچھلے پیرون کے بیچ مین جھلی ہوتی ہے جو اُنکے جسم سے لگی رہتی ہے۔ اور جب وہ بیٹھتی ہین تو سمٹ جاتی ہے۔ وہ اپنے پیر

پَر پھیلا کے اور بازوؤن کو ہلا کے ایک درخت سے دوسرے درخت پر اُڑ جاتی ہین
شکاری جب اُن کا تعاقب کرتے ہین تو وہ اُڑتے اُڑتے تھک جاتی ہین - پھر زمین
پر گر پڑتی ہین اور لوگ اُنھین پکڑ لیتے ہین - یہان ایک درخت نہایت کثرت سے پیدا
ہوتا ہے جس کے تنے مین اناناس کے ایسے پھل ہوتے ہین - لیکن اتنے بڑے کہ ایک
آدمی مشکل سے اُٹھا سکتا ہے - اس کا چھلکا سخت اور سبز رنگ کا ہوتا ہے - اسکے
اندر دو سو سے تین سو تک پھل نکلتے ہین - جو انگور کی طرح شیرین اور نہایت خوش ذائقہ
ہوتے ہین - ہر پھل علحدہ علحدہ جھلی مین ہوتا ہے - جھلیون مین اِن پھلون کے علاوہ
ایک قسم کا سخت گودا نکلتا ہے جو مزے اور سختی مین شاہ بلوط کے پھل کے مانند ہوتا ہے
اور اُسی طرح پکایا جاتا ہے - اگر بغیر گرم کیے انگارون پر رکھ دیا جائے تو بڑی آواز
ہوتی ہے - اوپر کا چھلکا مویشیون کو دے دیا جاتا ہے - اس درخت کے پھل اکثر
زمین کے اندر جڑون تک مین نکلتے ہین - وہ مزے مین بہترین ہوتے ہین - لہذا عام
لوگون کو نہین دیے جاتے بلکہ بادشاہ کے لیے محفوظ رکھے جاتے ہین - اس کا درخت
انجیر کے درخت کا ایسا ہوتا ہے - اور اُسکے پتے کھجور کے مانند ہوتے ہین - اس کی
لکڑی کے صندوق بنائے جاتے ہین اور بہت قیمتی ہوتی ہے - اس درخت کا نام کاجی
ہے - یہان ایک اور پھل ہوتا ہے جسے آم کہتے ہین - اسکی شکل سبز نارنگی کی ایسی ہوتی
ہے لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے - اوپر کا چھلکا بدمزہ ہوتا ہے لیکن اندر کا حصہ
شہد کے مانند شیرین ہوتا ہے - پکنے سے پہلے یہ پھل درخت سے توڑ لیے جاتے ہین اور
اُن کی تیزی دُور کرنے کے لیے پانی مین ڈال دیتے ہین -

کوئلن سے روانہ ہوکے تین دن کے بعد مین شہر کو چین پہونچا - یہ شہر پانچ میل
کے رقبے مین آباد ہے اور ایک ندی کے دہانے پر واقع ہے - چند روز مین اُس
ندی کے اوپر سیر کرنے گیا - ایک رات کو مین نے دیکھا کہ ندی کے کنارے اکثر مقامات
پر آگ روشن ہے - مین نے خیال کیا کہ ماہی گیرون نے جلائی ہوگی - لیکن لوگون نے
بتایا کہ یہ عجیب الخلقت لوگ ہین جو پانی کے اندر رہا کرتے ہین - رات کے وقت وہ کنارون
پر نکلتے ہین اور لکڑیان جمع کرکے اور دو پتھرون کو رگڑ کے آگ نکالتے اور اُسے روشن
کرتے ہین - روشنی دیکھ کے بہت سی مچھلیان وہان جمع ہوجاتی ہین - اور یہ وحشی لوگ

جو پانی کے اندر چھپ رہتے ہین اُنھین پکڑکے کھا لیتے ہین - اس ملک مین بھی وہ تمام میوے پیدا ہوتے ہین جو کوئلن مین پائے جاتے ہین -

یہان سے روانہ ہوکے اور مختلف مقامات مین ہوتا ہوا مین کالی کٹ آیا جو ایک بندرگاہ ہے اور آٹھ میل کے رقبے مین آباد ہے - ہندوستان کا یہ بڑا تجارتی شہر ہے یہان مرچ - لاکھ - سونٹھ - دارچینی - اور ہڑ وغیرہ چیزین پیدا ہوتی ہین - اس ملک مین عورتون کے کئی شوہر ہوتے ہین - اور بعض عورتین دس بارہ شوہر تک رکھ سکتی ہین - عورت شوہرون سے علحدہ ایک مکان مین رہتی ہے - سب شوہر آپس مین اتفاق کرکے اُس کی ضرورتین فراہم کر دیتے ہین - جب کوئی شوہر اس عورت کے مکان مین جاتا ہے تو دروازے پر کوئی نشان کر دیتا ہے - اتفاقاً اگر دوسرا شوہر اُسوقت آگیا تو اُس دروازے پر نشان کو دیکھ کے واپس چلا جاتا ہے - عورت اپنی مرضی کے مطابق بچون کو اپنے شوہرون مین تقسیم کر دیتی ہے - باپ کی جائداد بیٹے کو نہین ملتی بلکہ پوتے کو دی جاتی ہے -

کالی کٹ سے چل کے پندرہ روز مین شہر کھنبات پہونچا - جو سمندر کے کنارے بارہ میل کے رقبے مین آباد ہے - یہان لاکھ - ہڑ - سن - اور ریشم پیدا ہوتا ہے - یہان برہمن آباد ہین جو پوجاری کہلاتے ہین - یہ فقط ایک شادی کرتے ہین - اور وہ بیوی اُنکے مرنے پر زندہ جلا دی جاتی ہے - یہ برہمن کسی قسم کا گوشت نہین کھاتے فقط چانول - دودھ اور ترکاریون پر بسر کرتے ہین - یہان وحشی چوپائے بہت زیادہ ہین - اُن کی گردن پر گھوڑون کی طرح ایال ہوتی ہے - لیکن اُنکے بال زیادہ لمبے ہوتے ہین اور سینگ اتنے بڑے ہوتے ہین کہ جب وہ اپنا سر پیچھے کی جانب موڑتے ہین تو سینگ دُم تک پہونچ جاتے ہین - سفر مین لوگ ان سینگون مین پانی بھر کے ساتھ لے جاتے ہین -

یہان سے مین جزیرۂ سقوطرہ مین آیا جو مغرب کی جانب ہے اور براعظم سے ایک سو میل کے فاصلے پر واقع ہے - مین یہان دو مہینے رہا - یہ چھ سو میل کے رقبے مین ہے اور یہان زیادہ تر نسطوری عیسائی آباد ہین -

اس جزیرے کے قریب پانچ میل کے فاصلے پر دو اور جزیرے ہین جن کا فاصلہ

ایک دوسرے سے سو میل سے زیادہ نہین - ان مین سے ایک جزیرے مین مرد رہتے ہین اور دوسرے مین عورتین - کبھی کبھی مرد عورتون کے جزیرے مین چلے جاتے ہین اور کبھی عورتین مردون والے جزیرے مین آجاتی مین - لیکن یہ ضروری ہے کہ چھ مہینے سے پہلے اپنے اپنے جزیرون مین واپس آجائین ورنہ فوراً مرجائین گے - اگر کوئی شخص اس مقررہ میعاد کے بعد ایک دن بھی دوسرے جزیرے مین ٹھہر جاتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے -

یہان سے روانہ ہوکے پانچ روز مین عدن پہونچا جو نہایت بارونق شہر ہے اور جس مین بڑی بڑی عمارتین ہین - یہان سے سات روز جہاز مین چلنے کے بعد بندرگاہ بارہرہ پہونچا - اور وہان سے ایک مہینے کے سفر کے بعد بحیرۂ قلزم کے ایک بندرگاہ جدے مین آیا اور وہان سے دو ماہ کے بعد کوہ سیناؔ کے قریب لنگر انداز ہوا -

یہان سے مین خشکی کے راستے روانہ ہوا اور ریگستان مین ہوتا ہوا مصر کے شہر قاہرہ مین آیا - جہان میری بی بی اور دو بچون نے انتقال کیا - آخر اتنا بڑا دریا اور خشکی کا سفر کرکے پچیس سال بعد مین اپنے وطن شہر وینس مین پہونچ گیا - ہندوستان کے لوگون کی طرز معاشرت کا حال مین آیندہ بیان کرون گا -

(۲)

سارا ہندوستان تین حصون مین منقسم ہے - ایک حصہ ایران سے دریاے سندھ تک پھیلا ہوا ہے - دوسرا دریاے سندھ سے دریاے گنگا تک - اور تیسرا حصہ وہ ہے جو اُسکے آگے ہے - یہ تیسرا حصہ دولت - شایستگی - اور شان و شوکت مین پہلے دونون حصون سے بڑھا ہوا ہے - اور تہذیب اور طرز معاشرت مین بھی خاص ہمارے ملک کی طرح ہے - یہان کے باشندے بڑی بڑی خوشنما عمارتون مین رہتے ہین - اور اُنھین نہایت شاندار سازوسامان سے آراستہ کرتے ہین - وہ اپنی زندگی ایسی عمدگی سے بسر کرتے ہین کہ اُس مین کوئی خرابی یا غیر مہذب بات نہین پائی جاتی - یہ لوگ نہایت خوش اخلاق ہین اور تاجر اور بہت دولتمند ہین بعض تاجرون کی یہ حالت ہے کہ اُنکے پاس چالیس سے زیادہ جہاز ہین جو اُن کا مال

تجارت لے جاتے اور لے آتے ہین - اُن مین سے ہر جہاز کی قیمت کا اندازہ پچاس ہزار دینا رہے - یہ لوگ یورپ والون کی طرح میز پر کھانا کھاتے ہین جن پر چاندی کے ظروف استعمال کیے جاتے ہین - ہندوستان کے بقیہ سب لوگ زمین پر دری بچھا کے کھانا کھاتے ہین - ہندوستان مین انگور نہین ہوتا اور نہ وہان کے لوگ شراب کا استعمال کرتے ہین - لیکن وہ ایک قسم کا عرق تیار کرتے ہین جو چانول کو ایک درخت کے عرق مین پیس کے بنایا جاتا ہے اور سرخ رنگ اُس مین ملادیا جاتا ہے - وہ بھی شراب کی طرح نشہ پیدا کرتا ہے - جزائر سماترہ مین ایک درخت ہوتا ہے جسکی شاخین کاٹ کے اونچے پر لٹکا دی جاتی ہین - اُس مین سے بھی ایک قسم کا شیرین عرق نکلتا ہے جو نہایت خوش ذائقہ ہوتا ہے - دریاے سندھ اور گنگا کے درمیان مین ایک تالاب ہے جس کا پانی ایک خاص ذائقہ رکھتا ہے اور لوگ اُسے بڑی خوشی سے پیتے ہین خاص اُس ضلع کے اور دُور دُور کے لوگ اُس تالاب کے گرد جمع ہوتے ہین تاکہ اُس کا پانی لے جائین - سوارون کے ذریعے سے اُس کا تازہ پانی روزانہ دُور دُور پہونچایا جاتا ہے - یہان روٹی نہین ہوتی بلکہ یہان کے لوگ ایک قسم کی غذا پر بسر کرتے ہین جو چانول - گوشت - دودھ اور پنیر سے تیار ہوتی ہے - یہان مرغیان - تیتر - بٹیر اور دوسری جنگلی چڑیان پیدا ہوتی ہین - اور یہان کے لوگ اُن کو پالتے اور اُن کا شکار کرتے ہین - ان لوگون کی داڑھیان نہین ہوتین - اور انکے بال بہت لمبے ہوتے ہین - بعض لوگ اُنھین اپنے سر کے پیچھے ایک ریشمی ڈورے سے باندھ دیتے ہین اور وہ اُن کی پشت کی جانب شانون پر لٹکتے رہتے ہین - اسی شان سے وہ لڑائی پر جاتے ہین - ہماری طرح اُن کے یہان بھی حجام ہوتے ہین - قدوقامت اور مدت عمر مین وہ لوگ یورپ والون کی طرح ہین - وہ کارچوبی بسترون اور ریشمی دریون پر سوتے ہین - لیکن ہر ملک کا لباس جداگانہ ہوا کرتا ہے - یہان اُون بہت کم استعمال کیا جاتا ہے - لیکن روئی اور ریشم بہت کثرت سے پیدا ہوتا ہے اور اُسی سے یہ لوگ اپنے کپڑے بناتے ہین - مرد اور عورتین سب ایک قسم کا سوتی کپڑا اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیتے ہین اور اُس کے اوپر ایک سوتی یا ریشمی کپڑا ہوتا ہے جو مردون

کے گھٹنون تک اور عورتون کے ٹخنون تک لٹکتا رہتا ہے - گرمی کی وجہ سے وہ
زیادہ کپڑے نہین پہن سکتے - اور اسی وجہ سے وہ جوتون کے بجاے تلے پہنتے
ہین جن مین سرخ اور سنہری پٹیان لگی ہوتی ہین جیسی کہ ہم قدیم مورتون مین دیکھتے
ہین - بعض مقامات کی عورتین جوتے بھی پہنتی ہین جو نہایت اچھے چمڑے کے بنائے
جاتے ہین اور جن پر سنہرا اور ریشمی کام بنا ہوتا ہے - خوشنمائی کے لیے وہ اپنے
ہاتھون اور پانوؤن مین سونے کے کڑے پہنتی ہین - ایسے ہی طلائی زیور اُن کے
گلے اور پانوؤن مین بھی ہوتے ہین - جن کا وزن ڈیڑھ سیر سے کم نہین ہوتا - اس
مین ہیرے اور جواہرات جڑے ہوتے ہین - بدچلن عورتین ہر جگہ پائی جاتی ہین یہ
خاص مکانون کے اندر شہر کے ہر حصے مین رہتی ہین - اور تیل کی خوشبو - بناؤ سنگار
حُسن اور جوانی کے ذریعے سے مردون کو اپنی طرف مائل کرتی ہین - ہندوستان
کے لوگ بہت زیادہ شہوت پرست ہین - لیکن غیر فطری افعال اُنھین بالکل
نہین معلوم - سر کا سنگھار مختلف طریقون سے کیا جاتا ہے - لیکن زیادہ تر یہ طریقہ
رائج ہے کہ سر کے اوپر ایک کارچوبی کپڑا ڈال لیا جاتا ہے اور بال ایک ریشمی ڈورے
مین لپیٹ دیے جاتے ہین - بعض جگہ کی عورتین اپنے بالون کو سر کے اوپر لپیٹ کے
ایک مخروطی شکل بنا لیتی ہین - اُسکے سرے پر ایک سونے کی کیل لگی ہوتی ہے جس
مین سے سونے کے تار اُنکے بالون پر لٹکتے رہتے ہین - بعض عورتین سیاہ رنگ کے
نقلی بال لگا لیتی ہین - بعض لوگ اپنے سرون پر درختون کے پتے لگاتے ہین جن
کے اوپر نقش ونگار بنا دیے جاتے ہین - لیکن یتھے (جنوبی حصۂ چین یعنی ختا) کے
سوا اور کہین کے لوگ اپنے چہرون پر نقش ونگار نہین بناتے -

وسط ہندوستان کے لوگ صرف ایک بیوی رکھ سکتے ہین - مگر ہندوستان
کے دوسرے حصون مین مردون کو ایک سے زیادہ شادیان کرنے کا اختیار رہے -
لیکن مسیحی جنھون نے نسطوری بدعت کو اختیار کر لیا ہے اور سارے ہندوستان
مین پھیلے ہوے ہین ایک ہی شادی کرتے ہین -

ہندوستان کے سب حصون مین تجہیز و تکفین کی رسمین جداگانہ ہین لیکن ہندوستان
کے آخری حصے کے لوگ اپنے مُردون کی تجہیز و تکفین مین جو شان وشوکت دکھاتے

ہین وہ سب سے زیادہ ہے - قبر زمین کو کھود کے پکّی دیواروں کے ذریعے سے مضبوط اور خوشنما بنائی جاتی ہے - مُردون کو ایک خوشنما تابوت مین رکھتے ہین جس مین شہرے تکیے ہوتے ہین - یہ سارا تابوت اُس قبر مین رکھ دیا جاتا ہے - اُسکے گرد ٹوکریون مین نہایت قیمتی کپڑے اور زیور رکھ دیے جاتے ہین - گویا وہ شخص دوسری دنیا مین جا کے اُنھین استعمال کرے گا - پھر اُس قبر کو پکّی دیوار کے ذریعے سے وہ چُن دیتے ہین تاکہ کوئی شخص اُسکے اندر نہ جا سکے - قبر کے اوپر ایک بہت بڑا گنبد بڑے صرف سے تعمیر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے قبر بارش اور دھوپ سے محفوظ رہتی اور بہت دنون تک قائم رہتی ہے - وسط ہندوستان مین مُردے جلا دیے جاتے ہین اور اُن کی زندہ بیبیان اکثر اپنے شوہرون کے ساتھ اُسی چِتا پر جل کے مرجاتی ہین - اگر کسی مرد کے ایک سے زیادہ بیبیان ہون تو پہلی بیوی قانوناً مجبور ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جل کے مرجائے لیکن دوسری بیبیان اُس معاہدے کی پابند ہونگی جو شادی کے وقت خاص طور پر کیا جائے کہ وہ بھی اپنے شوہر کی موت پر اُس کی چِتا کو زیادہ شاندار بنائینگی یا نہین - شوہرون کے ساتھ جل کے مرجانا بڑی عزت کی بات خیال کی جاتی ہے - مُردہ شوہر ایک بستر پر لٹا دیا جاتا ہے - اُسے بہترین کپڑے پہنائے جاتے ہین - پھر اُسکے اوپر خوشبودار لکڑیون کی ایک بہت بڑی چِتا مخروطی شکل مین بنائی جاتی ہے چِتا مین آگ لگا دی جاتی ہے - اور اُس کی بیوی جو نہایت قیمتی کپڑے پہنے ہوتی ہے گاتی ہوئی اُس چِتا کے گرد پھرتی ہے - بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہین اور زور و شور سے باجا بجایا جاتا ہے - ایک برہمن جو بجاّلی کہلاتا ہے اُونچی جگہ پر کھڑا ہوتا ہے اور اُس عورت کو زندگی سے نفرت دلاتا ہے - پھر اُسے اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ تمھین دوسرے عالم مین اپنے شوہر کے ساتھ بیشمار دولت اور بے انتہا ہیرے اور جواہرات کے زیورون کے ساتھ لطف حاصل ہوگا - وہ عورت آگ کے گرد کئی مرتبہ چکر لگاتی ہے پھر اُس برہمن کے قریب آکے کھڑی ہو جاتی ہی اپنے قیمتی کپڑے اُتار ڈالتی ہے اور رسم کے مطابق نہا دھو کے ایک سفید چادر لپیٹ لیتی ہے - پھر برہمن کے اشارہ کرتے ہی آگ مین پھاند پڑتی ہے - اگر کسی

عورت سے کمزوری اور بزدلی ظاہر ہوتی ہے (کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کے جلنے کی تکلیفین دیکھکے اُسکے ہوش و حواس درست نہین رہتے) تو خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو اور لوگ اُسے پکڑکے آگ مین پھینکدیتے ہین - اُن کی راکھ جمع کرکے رکھ لی جاتی ہے -

مُردون کا غم اور تعزیت ادا کرنے کے لیے بھی مختلف طریقے ہین - وسطِ ہندوستان کے لوگ اپنا سارا جسم اور سر تک ایک کپڑے مین لپیٹ لیتے ہین - بعض لوگ چوراہون پر لمبے بانس کھڑے کرتے ہین - جن مین رنگین کاغذ لگتا ہوتا ہے - تین دن وہ اُس کا ماتم کرتے اور روتے ہین - پھر غریبون کو خدا کی راہ مین کھانا کھلاتے ہین - مرنے والے کے گھر مین اُسکے اعزا اور پڑوسی جمع ہوتے ہین - وہان کوئی کھانا نہین پکایا جاتا - بلکہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے باہر سے آتی ہے - تین روز تک اُس کے دوست ایک قسم کی کڑوی پتی اپنے منہ مین رکھتے ہین - جن کے ماں باپ مرجاتے ہین وہ ایک سال تک نہ اپنے کپڑے بدلتے ہین نہ دن مین ایک دفعہ سے زیادہ کھانا کھاتے ہین - نہ اپنے ناخن کٹواتے ہین - اور نہ اپنی ڈاڑھی منڈاتے ہین - مُردون کے لیے اکثر عورتین ہی روتی اور ماتم کرتی ہین - وہ میت کے گرد اپنا سینہ کھول کے کھڑی ہوجاتی ہین اور چلا چلا کے رونے اور آہ وزاری کرنے کے ساتھ ہاتھون سے اپنے سینے پیٹتی ہین - ایک عورت پُرسوز نغمے مین اُس مرحوم شخص کی تعریف کرتی جاتی ہے اور خاص خاص وقفون کے ساتھ دوسری عورتین بھی اُسکے ساتھ شامل ہوتی جاتی اور اپنے سینے پیٹنے لگتی ہین - شہزادون کی چتا کی راکھ سونے اور چاندی کے ظروف مین رکھی جاتی ہے - پھر کسی ایسے تالاب مین ڈال دی جاتی ہے جو دیوتاؤن کے لیے مخصوص ہو کیونکہ اُن کے اعتقاد کے مطابق دیوتاؤن کے پاس پہونچنے کا یہی طریقہ ہے -

اُنکے برہمن جو بجاپالی کہلاتے ہین کسی جانور کا گوشت نہین کھاتے - خصوصًا گاے یا بیل کو مارنا اور کھانا بہت بڑا گناہ خیال کیا جاتا ہے - کیونکہ وہ انسان کے لیے سب سے زیادہ مفید جانور ہے - ہندوستان کے لوگ بیل کو باربرداری کے کام مین لاتے ہین - یہ برہمن چاول ترکاریون - پھلون اور بھاجی پر بسر کرتے ہین -

اُن کی فقط ایک بی بی ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ جلا دی جاتی ہے۔ وہ لاش کے برابر لیٹ کے اور اپنا ہاتھ اُس کے گلے میں ڈال کے بغیر کسی قسم کا ہراس ظاہر کیے جل جاتی ہے۔

ہندوستان کے ہر حصے میں ایک قسم کے فلسفی لوگ ہیں جو برہمن کہلاتے ہیں۔ یہ نجوم اور آیندہ واقعات کی پیشین گوئی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ نہایت مہذب ہوتے ہیں اور نہایت پاکباز زندگی بسر کرتے ہیں۔ نکلو بیان کرتا ہے کہ انھیں برہمنوں میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی عمر تین سو برس کی تھی۔ لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے تھے۔ اور جہاں کہیں وہ جاتا تھا لڑکے اُسکے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ لوگ ایک علم کے ذریعے سے جو ان لوگوں کو معلوم ہے۔ اکثر پیش آنے والے واقعات کو ایسی صحت کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں گویا وہ خود اُن واقعات کو دیکھ چکے ہیں۔ وہ بعض منتروں سے بھی کام لیتے ہیں اور اُن کے ذریعے سے اکثر باد و باران کا طوفان بُلاتے ہیں اور پھر اُسکو خاموش بھی کر سکتے ہیں۔ انھیں کی وجہ سے اکثر لوگ تنہائی میں بیٹھ کے کھانا کھاتے ہیں تاکہ ان برہمنوں کی نظر نہ لگ جائے۔

نکلو بیان کرتا ہے کہ ایک موقع پر میں جہاز کا سردار تھا اور بیچ سمندر میں ہمارا جہاز سات دن تک بغیر ہوا کے پڑا رہا۔ ملاحوں کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب چند روز ہوا نہ چلے گی۔ لہذا وہ سب ایک میز کے گرد جمع ہوے جو مستول کے قریب رکھی تھی۔ چند پاک رسمیں ادا کرنے کے بعد وہ اُس میز کے گرد ناچنے لگے۔ اور زور زور سے اپنے دیوتاؤں کے نام لے کر پکارتے رہے۔ اس اثنا میں ایک عرب جسکے قبضے میں کوئی جن تھا عجیب وغریب طریقے سے گانے لگا اور ایک پاگل شخص کی طرح جہاز بھر میں ادھر اُدھر دوڑنے لگا۔ پھر وہ میز کے قریب آیا اور کوئلا اُٹھا کے کھا لیا جو اُسپر رکھا ہوا تھا۔ اور ایک مرغ کا خون مانگا۔ فوراً مرغ حلال کر کے اُسکے مُنہ میں لگا دیا گیا۔ اور وہ اُس کا خون پی گیا۔ اب اُسنے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟" لوگوں نے جواب دیا "ہوا"۔ اُس نے وعدہ کیا کہ تین دن کے اندر ایسی ہوا چلے گی جس سے تم بہت خوش ہوگے اور وہ تمھیں بندرگاہ

مین پہونچا دیگی - پھر اُس نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتا دیا کہ اس رُخ کی ہوا چلے گی - اور اُنھین آگاہ کر دیا کہ اس ہوا کے لیے تیار ہو جائین - اس کے تھوڑی دیر بعد وہ شخص بیہوش ہو کے گر پڑا - اور اُسے بالکل خبر نہ تھی کہ تھوڑی دیر قبل کس حال مین تھا اور کیا کہہ رہا تھا - اُسکی پیشین گوئی کے مطابق ہوا چلی اور چند روز مین وہ سب بندرگاہ مین پہونچ گئے - ہندوستان کے ملاح اپنے جہازون کو جنوبی کُرے کے ستارون کی مدد سے لے جاتے ہین کیونکہ شمالی کُرے کے ستارے اُنھین نظر نہین آتے -

وہ لوگ قطب نما کا استعمال نہین جانتے - لیکن اپنا راستہ اور مقامات کا فصل قطب جنوبی کے اونچے اور نیچے ہونے سے معلوم کر لیتے ہین - اور اُسکی بلندی اور پستی کے ناپنے کا ایسا عمدہ طریقہ اُن کو معلوم ہے کہ وہ جان جاتے ہین کہ اسوقت ہم کہان ہین - اُنکے بعض جہاز ہمارے جہازون سے بہت بڑے ہوتے ہین جن مین دو ہزار آدمی بخوبی سوار ہو سکتے ہین - اُن مین پانچ بادبان اور اُتنے ہی مستول ہوتے ہین - اُنکے پیندے لکڑیون کے تہرے تختون سے بنائے جاتے ہین تاکہ طوفانون کی شدت سے جس سے اکثر اُنھین سابقہ پڑتا رہتا ہے محفوظ رہین - بعض جہاز کے علٰحدہ علٰحدہ حصے کرکے اس طرح بناتے ہین کہ اگر ایک حصہ ٹوٹ جائے تو دوسرا حصہ صحیح وسالم اُس دریائی سفر کو پورا کر سکے -

سارے ہندوستان مین دیوتاؤن کی پرستش کی جاتی ہے - اور اُن کے لیے وہ لوگ ہماری طرح مندر بناتے ہین - اُن کا اندرونی حصہ مختلف تصویرون سے منقش کیا جاتا ہے - خاص خاص دنون مین یہ مندر پھولون سے آراستہ کیے جاتے ہیں جنکے اندر وہ اپنے بتون کو رکھتے ہین جو پتھر - سونے - چاندی اور ہاتھی دانت کے ہوتے ہین - اُن مین سے بعض بُت ساٹھ فٹ بلند ہین - انکی عبادت اور قربانیون کے طریقے جدا گانہ ہین - تازے پانی سے نہا دھو کے وہ لوگ صبح وشام ان مندرون مین داخل ہوتے ہین اور ہاتھ اور پیر سمیٹ کے سجدے مین گر پڑتے ہین - دعائین پڑھتے ہین - اور وہان کی زمین چومتے ہین - بعض لوگ اپنے دیوتاؤن کے سامنے خوشبودار لکڑیان - صندل - اور لوبان جلاتے ہین - ہندوستان کے اُن لوگون

کے پاس جو گنگا کے اُس طرف رہتے ہین گھنٹیان نہین ہین اور وہ پیتل کے برتنون کو آپس مین بجا کے نغمے کی آواز پیدا کرتے ہین - وہ اپنے دیوتاؤن کی دعوتین کرتے ہین - یہ طریقہ قدیم بت پرستون کا ہے - وہ کھانا غریبون مین تقسیم کر دیا جاتا ہے جب اسے کھا لیتے ہین - شہر کھمبات مین برہمن بتون کے سامنے کھڑے ہو کے لوگون کے سامنے تقریر کرتے ہین - اور لوگون کو مذہبی فرائض کے ادا کرنے کی ترغیب دلاتے ہین - اور اس بات کو خاص طور پر بیان کرتے ہین کہ ہمارے دیوتا اس سے بہت خوش ہوتے ہین کہ اپنی جان اُن کی نذر کر دی جائے - اس طرح جو لوگ اپنے کو قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہین وہ اُس مندر کے سامنے جمع ہوتے ہین اور اپنی گردن مین ایک گول لوہے کی ہنسلی ڈال لیتے ہین جس کا اگلا حصہ گول ہوتا ہے اور پچھلا حصہ تلوار کی طرح باڑھ دار اور تیز - ایک زنجیر اُس زنجیر کے اگلے حصے مین لگی ہوتی ہے جو اُنکے سینے پر لٹکتی رہتی ہے - وہ لوگ اپنی گردن جھکا کے بیٹھ جاتے ہین اور پیرون کو سمیٹ کے اُس زنجیر مین ڈال دیتے ہین - پھر وہ برہمن اُن کے قریب آ کے چند الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے - اور وہ لوگ فوراً اپنے پانؤن پھیلا کے اور گردنون کو قائم رکھ کے خود ہی اپنا سر تن سے جدا کر دیتے ہین - اس طرح وہ لوگ اپنی جانون کو اُن دیوتاؤن پر قربان کرتے ہین - اور وہ ولی خیال کیے جاتے ہین -

بیجا نگر مین سال مین ایک مرتبہ مقررہ تاریخ پر اُنکے دیوتا کا بُت شہر سے نکالا جاتا ہے جو دو رتھون کے اوپر رکھا ہوتا ہے - اور اُن رتھون مین نوجوان اور حسین عورتین بھی ہوتی ہین جو نہایت قیمتی لباس سے آراستہ کر دی جاتی ہین - یہ اُس دیوتا کے بھجن گاتی جاتی ہین - بیشمار لوگ اُن کے ساتھ ہوتے ہین - بہت سے لوگ جو راسخ العقیدہ ہین اور مذہبی جوش دکھانا چاہتے ہین اُن رتھون کے پہیون کے آگے اپنے آپ کو ڈال دیتے ہین تاکہ اُنکے نیچے دبکے اور کچل کے مر جائین - اُنکا خیال ہے کہ موت کا یہ طریقہ اُنکے دیوتا کو بہت پسند ہے - بعض لوگ اپنے پہلو مین ایک سوراخ کر کے اُس مین رسّی ڈال کے اپنے آپ کو رتھون مین لٹکا دیتے ہین اور اسی طرح لٹکتے ہوے اس دیوتا کی سواری کے ساتھ جاتے ہین - قربانی کا یہ طریقہ

سب سے زیادہ اچھا تسلیم کیا جاتا ہے -

یہ لوگ سال مین تین مرتبہ خاص طور پر اپنی عیدین مناتے ہین - ایک موقع پر ہر عمر کے مرد اور عورتین اور بچے ندی یا سمندر مین نہاتے ہین اور نئے کپڑے پہن کے تین دن ناچنے گانے اور دعوتون مین بسر کرتے ہین - دوسری عید مین وہ اپنے مندرون کے اندر اور باہر اور چھتون پر بیشمار چراغ جلاتے ہین - جو رات دن روشن رہتے ہین - تیسری عید مین جو نو دن منائی جاتی ہے چوراہون پر بڑی بڑی لکڑیان کھڑی کی جاتی ہین جو چھوٹے جہاز کے مستول کی طرح ہوتی ہین - اُنکے اوپر کے حصے مین مختلف قسم کا خوشنما کارچوبی کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے - ان کے اوپر ایک نہایت پرہیزگار شخص بٹھا دیا جاتا ہے جو اپنے مذہب کا پابند ہو اور ہر قسم کی سختی کو برداشت کر سکتا ہو - وہ وہان بیٹھ کے خدا سے دعا مانگتا ہے - لوگ اُسکی طرف لیمون - نارنگی - اور دوسرے خوشبودار پھل پھینک کے مارتے ہین اور وہ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اُس صدمے کو برداشت کرتا ہے - اسکے علاوہ ان لوگون کی تین اور عیدین ہین جن مین وہ ایک دوسرے کے اوپر راستے مین زعفران کا پانی ڈالتے ہین - اور اگر بادشاہ اور ملکہ بھی آجائین تو اُس پانی سے نہین بچ سکتے -

(۳)

اُنکی شادیون مین گانا بجانا اور دعوتین ہوتی ہین اور بانسری بجائی جاتی ہے ارغنون کے سوا اور سب باجے اُنکے یہان بھی رائج ہین - اُن کا گانا اور بجانا ہمارے یہان کی طرح ہے - رات اور دن دونون وقت نہایت تپاکی سے [illegible] عبادت کی جاتی ہے اور دونون وقت گانا بجانا ہوتا ہے - بعض ہمارے یہان کی طرح حلقے باندھ کے ناچتے ہین - بعض ایک صف مین کھڑے ہو کے اور ایک [illegible] ایک - اس مین دو رنگین ڈنڈے آپس مین بدلتے جاتے ہین - کیونکہ جیسے ہی ایک دوسرے کا سامنا ہوتا ہے باہم ڈنڈے بدل لیتے ہین - یہ ناچ نہایت خوشنما اور عمدہ ہوتا ہے -

شمالی ہندوستان کے اُمرا کے سوا کوئی گرم حمام نہین استعمال کرتا - عام لوگ دن مین کئی مرتبہ ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہین - یہان تیل نہین پیدا ہوتا - اور ہمارے

ملک کے سیب۔ ناشپاتی۔ اور شفتالو بھی نہین ہوتے۔ انگور جیسا کہ مین پہلے بیان کر چکا ہون فقط ایک مقام پر اور بہت کم مقدار مین پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ایک درخت تین بالشت لبند ہوتا ہے جس مین کوئی پھل نہین ہوتا۔ اگر کوئی شخص اُس کے قریب آتا ہے تو وہ سمٹ جاتا ہے اور اپنی شاخین بھی سمیٹ لیتا ہے۔ جب وہ شخص چلا جاتا ہے تو وہ پھر پھیل جاتا ہے۔ اس درخت کا نام "لَاجُونْتِی" ہے۔

بیجا نگر سے پندرہ دن کی مسافت پر شمال کی جانب ایک پہاڑ ہے جو البنجارہ کہلاتا ہے۔ اُسکے گرد پانی کے چشمے ہین۔ جس مین بے شمار زہریلے جانور ہین۔ اور پہاڑ کے اوپر بھی ہر جگہ سانپ رہتے ہین۔ اس مین ہیرے اور جواہرات پیدا ہوتے ہین۔ انسان کی عقل کوئی ایسا طریقہ نہین معلوم کر سکی ہے کہ اُس پہاڑ پر جانے کی کوئی ترکیب نکالی جا سکے۔ لیکن ہیرے اور جواہرات حاصل کرنے کا ایک طریقہ اُنھین معلوم ہو گیا ہے۔ اس پہاڑ کے قریب ہی ایک دوسرا پہاڑ ہے جو اُس سے کسی قدر زیادہ لبند ہے۔ سال کے ایک خاص زمانے مین لوگ اس بڑے پہاڑ پر بیل لے کے آتے ہین وہان اُنھین ذبح کر کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے جن مین خون بھرا ہوتا ہے ایک خاص کل کے ذریعے سے جو اُنھون نے اس مقصد کے لیے بنائی ہے دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر پھینک دیتے ہین۔ ہیرے اور جواہرات گوشت کے ٹکڑون مین لپٹ جاتے ہین۔ گِدھ اور عقاب جا کے اس گوشت کو اُٹھا لاتے ہین۔ کیونکہ سانپون کے ڈر سے وہ وہان بیٹھ کے نہین کھا سکتے۔ اور ایسی جگہ لے آتے ہین جو محفوظ ہو۔ لوگ اُنکے پیچھے پیچھے جاتے ہین اور اُس جگہ سے ہیرے اور جواہرات چُن لیتے ہین۔ دوسری قسم کے قیمتی پتھر آسانی کے ساتھ دستیاب ہو جاتے ہین۔ پہاڑون کے دامن مین یہ پتھر زمین کے اندر ملتے ہین۔ لوگ وہان جا کے زمین کھودتے ہین یہان تک کہ پانی اور کیچڑ نکل آتی ہے۔ اسی کیچڑ مین وہ قیمتی پتھر ہوتے ہین۔ لوگ خاص قسم کی چھلنیون مین چھانتے ہین تو پانی اور مٹی اُن مین سے نکل جاتے ہین اور پتھر رہ جاتے ہین۔ قیمتی پتھرون کے نکالنے کا یہی طریقہ ہر جگہ رائج ہے لیکن نوکرون اور مزدورون کی نہایت سخت نگرانی کی جاتی ہے تاکہ وہ چوری نہ

نہ کر سکیں۔ معتبر لوگ اُن کی نگرانی کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں جو اُن کے کپڑوں اور جسم کو جاتے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں۔

سال بارہ مہینے میں تقسیم ہے اور ہر مہینے کا نام بُرجوں کے نام پر رکھا گیا ہے داستے کا شمار مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اسے آگسٹین کے زمانے سے شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اسکے وقت میں ساری دنیا میں امن تھا۔ لیکن سنہ ۱۴۲۰ع کو وہ سنہ ۱۴۹۰ع بتاتے ہیں۔ بعض ممالک میں کوئی سکہ نہیں ہے اور اُسکی جگہ پر لوگ سنگ شب چراغ استعمال کرتے ہیں۔ بعض ممالک میں سکے کی جگہ لوہے کے ٹکڑے استعمال کیے جاتے ہیں جو موٹی سوئی کی شکل میں بنائے جاتے ہیں۔ بعض ممالک میں ایک موٹے کاغذ کا سکہ ہے جس پر بادشاہ کا نام لکھدیا گیا ہے۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں وینس کے ڈوکٹ رائج ہیں۔ بعض ممالک میں سونے کے سکے ہیں جن کا وزن ہمارے فلارن کا دونا ہے۔ اسکے علاوہ وہاں سونے اور پیتل کے سکے بھی ہیں۔ بعض مقامات پر سونے کے ٹکڑے پر کچھ کام بنا ہوتا ہے اور کاٹ کے ایک ہی وزن کے کردیے جاتے ہیں سکے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگ لڑائی میں برچھے۔ تلوار۔ دستانے۔ گول ڈھالیں اور تیر و کمان استعمال کرتے ہیں۔ بعض حصوں کے لوگ خود اور زرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ وسط ہند کے لوگ وہ تمام آلے استعمال کرتے ہیں جو ہمارے یہاں شہر کے محاصرہ کرنے اور اُسپر حملہ کرنے کے لیے مروج ہیں۔ وہ ہمیں فرنگ (فرنگی) کہتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ہم دو آنکھیں رکھتے ہیں۔ فرنگی ایک آنکھ۔ اور دنیا کی باقی سب قومیں اندھی ہیں۔ کیونکہ عقل و دانائی میں وہ اپنے آپ کو سب سے بڑھا ہوا پاتے ہیں۔

فقط کھمبات کے لوگ کاغذ کا استعمال جانتے ہیں باقی سب لوگ درختوں کے پتوں پر لکھتے ہیں اور اُن سے نہایت خوشنما کتابیں بناتے ہیں۔ لیکن ہمارے یا یہودیوں کی طرح بائیں سے داہنے یا داہنے سے بائیں جانب نہیں لکھتے بلکہ اُن کی سطریں صفحے کے اوپر سے نیچے کی جانب آتی ہیں۔ ہندوستان کے لوگوں کی بہت سی زبانیں ہیں۔ اُنکے یہاں غلاموں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مقروض کو جو روپیہ نہ ادا کرسکے ہر ایک قرضخواہ اپنی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

فوجداری مقدمات مین جہان کوئی شہادت نہو ملزم سے قسم لی جاتی ہے اور اسکے تین طریقے ہین - ایک یہ کہ وہ شخص جس سے قسم لی جاتی ہے اپنے دیوتا یعنی بُت کے سامنے کھڑا ہو کے اُس بُت کی قسم کہاتا ہے کہ مین بیگناہ ہون - اس قسم کے بعد وہ اپنی زبان ایک گرم سُرخ لوہے کے ٹکڑے پر لگاتا ہے - اور اگر اُسے کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچے تو وہ بے گناہ قرار دیا جاتا ہے - دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُسی طرح قسم کھانے کے بعد اُس گرم و سرخ لوہے کو وہ شخص چند قدم لے کے چلتا ہے - اگر اُس کا جسم کسی مقام پر جل گیا تو اُسے اس جرم کی سزا دی جاتی ہے - اگر کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچا تو رہا کر دیا جاتا ہے - قسم کھانے کا تیسرا طریقہ یہ ہے اور یہی عام طور پر رائج ہے - بُت کے سامنے ایک برتن مین اُبلتا ہوا گھی رکھا جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ مین بے گناہ ہون اپنی دو اُنگلیان اس اُبلتے ہوئے گھی مین ڈالتا ہے اور نکالتے ہی فوراً انپر کپڑا لپیٹ کے مُہر کر دی جاتی ہے تاکہ اُس بندش کو بدل نہ سکے - تیسرے دن وہ پٹی کھول دی جاتی ہے اگر اُنگلیون مین کسی قسم کا صدمہ پایا گیا تو اُس ملزم کو سزا دی جاتی ہے اگر صحیح و سالم ہوئین تو چھوڑ دیا جاتا ہے -

وبائی امراض ہندوستان کے لوگون کو نہین معلوم - اور نہ وہان اس قسم کی بیماریان پیدا ہوتی ہین جو ہمارے ممالک مین ساری آبادیون کا خاتمہ کر دیا کرتی ہین - اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان قومون کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ یقین نہین آسکتا - اُنکی فوجون مین دس لاکھ سے زیادہ سپاہی ہوتے ہین - ایک لڑائی کے بعد فاتح بارہ گاڑیون مین وہ ریشمی اور سُنہرے ڈورے لاد کے لائے تھے جو مقتولین کے سر کے بالون سے کھولے گئے تھے - بعض اوقات مین خود میدان جنگ مین موجود تھا لیکن مین نے کسی طرف حصہ نہین لیا - اور دونون جانب کے لوگون نے یہ دیکھ کے کہ مین اجنبی ہون چھوڑ دیا -

جزیرۂ جاوا مین ایک درخت پیدا ہوتا ہے لیکن وہ شاذ و نادر کسی کو ملتا ہے - اُسکے تنے کے بیچ مین ایک لوہے کی سیخ ہوتی ہے جو بہت پتلی اور درخت کے تنے کے برابر لمبی ہوتی ہے - اگر کسی شخص کو اُس سیخ کا ایک ٹکڑا مل جائے اور وہ

اُسے اپنے جسم میں گوشت سے ملا کے رکھے تو وہ لوہے کے ضرب سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے - اسی وجہ سے اکثر لوگ اپنی کھال میں شگاف دے کے اُس لوہے کا ایک ٹکڑا اپنے جسم کے اندر رکھ لیتے ہیں -

وسط ہندوستان کی سرحد پر ایک عجیب و غریب چڑیا ہے جو قمندہ کہلاتی ہے اُس کی چونچ میں بہت سے مختلف سوراخ ہوتے ہیں - جب اُس کی موت قریب آتی ہے وہ سوکھے تنکے اپنے گھونسلے میں جمع کرتی ہے - اُس کی چونچ کے ہر سوراخ سے مختلف راگ پیدا ہوتے ہیں - یہاں تک کہ وہ خود ہی وجد میں آکے اپنے بازو جھاڑنے لگتی ہے اُس سے لکڑیوں میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ چڑیا اُسی میں جل کے مرجاتی ہے - اسکے تھوڑی دیر بعد اُسکی راکھ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے - اور یہی کیڑا بڑھ کے اُس چڑیا کی شکل میں ہو جاتا ہے - وہاں کے لوگوں نے اُس چڑیا کی چونچ کی نقل میں بانسری بنائی ہے جس کی آواز بھی بہت اچھی ہوتی ہے - ایک دفعہ لوگوں کے سامنے میں نے اس باجے کی تعریف کی تھی تو اُنھوں نے بیان کیا کہ اس کا آغاز اسی طریقے سے ہوا ہے -

ہندوستان کے آگے جزیرۂ سیلون (لنکا) میں ایک ندی ہے جو ایروقانی کہلاتی ہے - اس میں مچھلیاں اس کثرت سے ہیں کہ لوگ اُنھیں ہاتھ سے پکڑ سکتے ہیں - لیکن اگر کوئی شخص اس مچھلی کو تھوڑی دیر اپنے ہاتھ میں لیے رہے تو اُسے بخار آجاتا ہے - اور جیسے ہی وہ مچھلی کو چھوڑ دے پھر صحیح و سالم ہو جاتا ہے - وہاں کے لوگ اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مچھلیاں دیوتاؤں سے تعلق رکھتی ہیں - لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ ایک قدرتی بات ہے - اگر ہمارے یہاں بھی کوئی شخص تارپیڈو مچھلی کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لے تو اُس کا ہاتھ فوراً سُن ہو جاتا ہے اور ایک قسم کا خاص درد محسوس ہوتا ہے -

مدینۂ طیبہ کے یہود کی ابتدا

جب حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلعم نے مشرکین مکہ کے ستانے سے عاجز آ کے وطن کو خیر باد کہی اور مدینۂ یثرب میں جاکے توطن اختیار کیا اُسوقت وہاں اور اطراف

د جوانب میں کثرت سے لوگ آباد تھے۔ مگر اُن پر غالب یمن کے قحطانی النسل قبائل اوس
و خزرج تھے۔ جو قدیم مذہب بت پرستی پر قائم تھے۔ ایک مورخ کے لیے غور
طلب یہ امر ہے کہ یہودی قبائل اور اُن کے ساتھ رہنے والے مشرکین اوس و خزرج
یہاں کب آئے اور کیونکر اس گمنام و مجہول الحال شہر میں پہونچ کے آباد ہوے؟
مدینے کے پہلے رہنے والے اور اُسکے حکمران یہود کے قبائل بنی قریظہ اور بنی نضیر
تھے۔ یہ دونوں قبیلے کاہن کہلاتے تھے۔ اور اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے
کہ حضرت موسیٰؑ کے بھائی جناب ہارونؑ کے ایک فرزند کی نسل سے تھے جن کا نام
کاہن تھا۔ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد اور جنوبی عرب کے مشہور سیلاب
عرم سے پہلے یہاں آکے آباد ہوے تھے۔ اُن سے پہلے مدینۂ یثرب میں نسل عمالقہ کی
ایک قوم رہتی تھی جو فنا ہوگئی اور اُس کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ عمالقہ
ابتدائی عہد میں بڑے ذی شوکت اور سرکش لوگ تھے اور مختلف شہروں میں پھیل
گئے تھے۔ اُنکے جو خاندان مدینے میں آکے مقیم ہوے بنی ہف۔ بنی سعد۔ بنی ازرق
اور بنی مطروق تھے۔ اُن کے دور میں فرماں روا و شہریار حجاز ارقم نام ایک شخص
تھا جو تیما اور فدک کے درمیان میں رہتا تھا۔ اور اُن کی نسل اس قدر بڑھی کہ
مدینہ اُن سے بھر گیا۔ چاروں طرف کثرت سے اُن کے باغ تھے اور سرسبز کھیتیاں
تھیں۔ یہی لوگ جبارین کے لقب سے یاد کیے گئے۔ جبارین وادی القریٰ کی سرکوبی
کے لیے حضرت موسیٰؑ نے اپنی اسرائیلی فوجیں بھیجی تھیں۔ جن کو حکم دیا کہ وہاں پہونچتے
ہی ان سب مشرک سرکشوں کو قتل کر ڈالنا اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔ حضرت
موسیٰؑ کا یہ لشکر حجاز میں آیا۔ عمالقہ پر فتحیاب ہوا۔ اور اُن میں سے جتنے ملے سب
کو قتل کر ڈالا۔ فقط اُنکے فرماں روا ارقم کا ایک کمسن لڑکا زندہ بچ گیا۔ یہ لڑکا
بہت خوبصورت اور شکیل تھا۔ اُسکی بھولی صورت دیکھ کے اسرائیلیوں کو اُسکے
قتل کرنے میں تامل ہوا اور باہم طے پایا کہ اُسے حضرت موسیٰؑ کے پاس زندہ پکڑ
لے چلیں۔ اُنھیں جو مناسب معلوم ہوگا کریں گے۔ چنانچہ اُسکو گرفتار کر کے ساتھ لیا
اور واپس گئے۔ ارض سینا میں پہونچے تو حضرت کلیم اللہ وفات پا چکے تھے۔ بنی
اسرائیل نے اُن لوگوں سے اُنکی سرگذشت پوچھی تو اُنھوں نے سب حال بیان کر دیا

اور کہا "بجز اس لڑکے کے ہم نے کسی کو زندہ نہین چھوڑا - اور اسکو چھوڑا تو محض اس کی خوبصورتی اور فراست کی وجہ سے - اور اُسے بھی آزاد نہین کیا بلکہ گرفتار کرکے ساتھ لیتے آئے ہین"۔ یہ حالات سُن کے بنی اسرائیل نے کہا "یہ تو تم نے حکمِ رسالت کی نافرمانی کی - تم کو سب کے قتل کر ڈالنے کا حکم تھا - اس لڑکے کو زندہ کیون رکھا؟ اب اس نافرمانی کی یہ سزا ہے کہ تم کو ہم اپنے گروہ مین نہ لین گے۔ اور نہ اپنے ساتھ ارض فلسطین مین رہنے دین گے"۔

بنی اسرائیل نے اُن کو اپنے گروہ سے نکال دیا تو اُنھون نے باہم مشورہ کیا اور یہ قرار پایا کہ "جب ہماری قوم والے ہمین اپنے ساتھ نہین رہنے دیتے تو ہم وہین چل کے کیون نہ ٹھہرین جہان سے آئے ہین اور جس سرزمین کو اپنی قوت بازو سے فتح کیا ہے؟ مقتول عمالقہ کے مکان خالی اور سونے پڑے ہین چلو اُنھین کو آباد کرین"۔ اس تجویز کے مطابق سب لوگ پھر ارض حجاز مین واپس آئے اور مدینۂ طیبہ مین آباد ہو گئے۔ یہی اسرائیلی لشکر مدینے مین یہود کی پہلی آبادی ہے۔ چند روز مین جب اُن کی نسلین بڑھین اور مدینے مین جگہ نہ رہی تو اُنکی شاخین مدینے کے شمالی جانب پھیلنا شروع ہوئین - وہان کے زرخیز و شاداب مقامون مین اُنھون نے جائدادین پیدا کین - کھیت جوتے بوئے اور مدت تک برابر کامیابی سے پھولتے پھلتے رہے -

مدت ہاے دراز کے بعد جب شام مین رومیون نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا تو اُنھین پامال اور گرفتار کرنے لگے - اور جہان اسرائیلی ملتے تہِ تیغ کیے جاتے - اُن کی عورتین لونڈیان بنا بنا کے رومیون کے حرمون مین داخل ہوتین - اُس وقت فلسطین کے یہودیون سے قبائل بنی نضیر - بنی قریظہ - اور بنی بہدل کے بہت سے لوگ مع اہل و عیال کے بھاگ کے مدینے مین آئے اور یہین فروکش ہو گئے - اُنکے چلے آنے کا حال قیصر روم نے سنا تو اُنکے واپس لانے کے لیے اپنی فوجین بھیجین - مگر شام سے حجاز تک ایسا لق و دق صحرا ہے کہ رومی چند ہی منزلون مین تنگ آ گئے - تاہم قیصر کے حکم سے برابر بڑھتے چلے آئے - یہان تک کہ مقام ثمر تک پہونچتے پہونچتے شدت تشنگی و گرسنگی سے سب ہلاک ہو گئے۔

اور اسی واقعے کی یادگار مین مقام "ثمرۃ الروم" مشہور ہو گیا۔

یہ تازہ وارد اسرائیلی قبائل مدینے مین آئے تو پہلے شہر کے باہر مقام غابہ مین ٹھہرے۔ مگر وہان کی زمین بالکل خشک و بے گیاہ تھی۔ ایک شخص کو روانہ کیا کہ گرد و نواح مین پھر کے آباد ہونے کے لیے اچھی جگہ ڈھونڈھ نکالے۔ وہ پھرتا پھراتا شمال کی طرف وادی بطحان اور محذور مین پہونچا۔ وہان کی زمین سیراب پائی اور پانی میٹھا تھا۔ فوراً واپس آ کے یہود کو خبر کی۔ چنانچہ اُسی وقت بنی نضیر وادی بطحان مین اور بنی قریظہ اور بنی بہدل وادی محذور مین فروکش ہو گئے۔

اب مدینے اور اُسکے اطراف مین یہودی ہی یہودی تھے۔ اور اُنکے مشہور قبیلے حسب ذیل تھے۔ بنی عکرمہ۔ بنی ثعلبہ۔ بنی عمر۔ بنی زغورہ۔ بنی قینقاع۔ بنی زید۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ۔ بنی بہدل۔ بنی عوف۔ اور بنی قصیص۔ یہی تمام آباد و شاداب زمینون کے مالک تھے۔ انھین کے ہاتھ مین حکومت تھی۔ اور جو کچھ تھا اُنھین کا تھا۔ ان مین سے جو لوگ خاص یثرب کے اندر آباد تھے زیادہ شریف۔ زیادہ دولتمند۔ اور تمام یہود مین زیادہ معزز تصور کیے جاتے۔ ان مین بھی قریظہ اور بنی نضیر کو زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ وہی کاہن بن ہارون کی اولاد مین سمجھے جاتے تھے۔

انھین مین ملے ہوے مگر مغلوب و مقہور بعض قدیم عربی النسل خاندان بھی تھے جن کے قبائل حسب ذیل تھے:۔ بنی حرمان۔ یہ یمن کا ایک خاندان تھا۔ بنی مرثد بنی نیف یہ دونون قبیلے بنی بلی کی شاخین تھین۔ بنی سلیم کا ایک گروہ جو بنی معاویہ کہلاتا تھا۔ اور بنی غسان کا ایک گروہ جو بنی شظیہ کہلاتا تھا۔

یہود یثرب کو یہ امتیاز حاصل تھا اور بلا شرکت احدے آباد تا غیری کا ڈنکا بجا رہے تھے کہ یمن کے قدیم شہر مارب مین سیلاب کی بلاے عظیم نازل ہوئی۔ بند کے ٹوٹنے سے اتنا بڑا سیلاب عظیم آیا کہ بنی ازد کا قدیم قحطانی النسل قبیلہ تباہ ہو گیا۔ اور اُسکے تمام لوگ بے خانمان ہو گئے۔

اس تباہی و بربادی کے موقع پر اُن کے ایک شیخ نے سب کو جمع کر کے کہا "سنو!

تم مین سے جس کے پاس اونٹ ہون - دودھ ہو - اور مشکیزہ ہو وہ اس مقام کو چھوڑکے ارض شنوہ کے شہر ثنی مین چلا جائے اور وہان کی سکونت اختیار کرے - جو کوئی فقر و فاقے مین مبتلا ہو مصائب زمانہ کو برداشت کر سکتا ہو وہ بطن مر مین چلا جائے جو شراب و کباب - حکومت و فرمان روائی - اور دیبا و حریر کا شوق رکھتا ہو بلاد بصریٰ و حضیر کی راہ لے جو ملک شام کے جنوب مین ہین - جو لوگ بلند حوصلہ ہون مضبوط سواریان اور کافی زاد راہ رکھتے ہون وہ قصر عمان کی طرف جائین - اور جو لوگ نرم زمین مین ٹیلے اور وطن ہی مین پیدا ہونے والی غذا چاہتے ہون وہ شہر یثرب کی راہ لین - اس لیے کہ وہان کھجور کے باغون کی کثرت ہے "

تباہی زدہ بنی ازد نے اس مشورے کے مطابق مختلف مقامات مین جا جا کے سکونت اختیار کی اور جہان گئے وہان نئے نامون اور لقبون سے مشہور ہوے - جو ازدی بطن مر مین جا کے مقیم ہوے وہ خزاعہ کہلائے - جو ازدی جنوبی شام مین چلے گئے غسان نام ایک چشمۂ آب پر ٹھہرنے کی وجہ سے بنی غسان مشہور ہوے جو ازدی قصر عمان مین گئے وہان کی جانب منسوب ہوے - اور ان ازدیون مین سے جو یثرب مدینہ مین آ کے ٹھہرے وہ اوس و خزرج ہین -

یہ دونون ازدی الاصل قبیلے جب مدینۂ یثرب مین پہونچے تو پہلے ایک ایسے بلند ٹیلے پر فروکش ہوے جہان تک پانی نہ پہونچ سکتا تھا - اس تکلیف سے چند ہی روز کے اندر وہ منتشر ہونے لگے - بعض تو ایسی بے گیاہ زمینون مین جا کے مقیم ہوے جہان آس پاس کوئی اور نہ تھا - بعض اطراف و نواح کے گانوٗن مین پہونچے اور اور لوگون کے ساتھ مل کے رہنے لگے - مگر سب کی عام حالت یہ تھی کہ مصیبت و تنگدستی مین مبتلا تھے اور مشقت و بے نتیجہ جد و جہد مین زندگی بسر کرتے تھے - نہ اُنکے پاس اُونٹ تھے نہ بکریان تھین - نہ اُنکے قبضے مین باغ تھے نہ کھیتی کی زمینین تھین - کسی کے پاس بجز ادسر قطعات زمین کے جن مین بہت ہی کم پیدا ہو سکتا ہو کچھ نہ تھا -

ایک مدت مدید تک دونون ازدی قبائل اوس و خزرج اسی افلاس و تنگدستی کی حالت مین مبتلا رہے - یہان تک کہ اُن مین ایک شخص مالک بن عجلان سفر کر کے ارض شام مین بنی غسان کے فرمان روا ابو جبیلہ غسانی کے پاس گیا -

ابو جبیلہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کا ہم نسب ازدی الاصل ہے تو اُسکی قوم اور مسکن کے حالات پوچھے اُس نے جو حالت تھی بیان کر دی کہ "ساری قوم سخت ذلت و مصیبت مین مبتلا ہے۔ تنگدستی و فلاکت کی کوئی حد نہین۔ اور فلاح کی کوئی صورت نہین نظر آتی" یہ واقعات سُن کے ابو جبیلہ بولا "خدا کی قسم ہماری نسل کی کوئی قوم آج تک کسی شہر مین جا کے نہین ٹھہری کہ وہان کے لوگون پر غالب نہ آگئی ہو۔ تمھاری قوم کی یہ حالت افسوسناک اور ہمارے لیے موجب ننگ ہے" پھر اُس نے کہا "تم اپنی قوم مین واپس جاؤ اور سب کو خبر کر دو کہ مین اُنکی مدد کے لیے آتا ہون"

اُس کا یہ پیام لے کے مالک بن عجلان واپس آگیا اور اپنے قبیلے والون کو شاہ غسان کی آمد کی خبر سُنائی۔ اُسکے ساتھ ہی اُس نے یہود کو بھی اطلاع دی کہ تاجدار غسان تمھارے شہر کی سیر کو آتا ہے۔ اُس کی دعوت اور اُسکے ٹھہرنے کا بندوبست کر رکھو۔ چند ہی روز بعد ابو جبیلہ ایک زبردست لشکر کے ساتھ یثرب مین آ پہونچا اور مقام ذی حرض مین خیمہ زن ہوا۔ اُس نے آتے ہی اوس و خزرج کے پاس کہلا بھیجا کہ "یہود کو ابھی دھوکے مین رکھنا تاکہ آسانی سے اُن کے سرغنا عمائد اور شرفا قتل ہو جائین۔ اور اس کی نوبت نہ آنے پائے کہ وہ اپنے قلعون مین جا کے پناہ گزین ہو جائین۔ اور ہمین مدت تک محاصرہ کرنا پڑے"

اسکے بعد شاہ غسان نے اپنے پڑاؤ مین ایک وسیع احاطہ کھنچوایا اور یہود کے پاس کہلا بھیجا کہ بادشاہ غسان آپ لوگون سے ملنا چاہتے ہین۔ یہ پیام پہونچتے ہی وقت مقررہ پر تمام اکابر یہود اور تقریباً وہ سب جو اُن مین کچھ حیثیت رکھتے تھے اُس کی لشکرگاہ مین آ کے جمع ہو گئے۔ اور ہر شخص اس شان اور آن بان سے آیا کہ اپنے ساتھ اپنے غلامون اور خدم و حشم کا ایک جلوس بھی لیتا آیا۔ ان لوگون کے جمع ہو جانے کے بعد اُس نے حکم دیا کہ اُسکے سپاہی دعوت کے بہانے تھوڑے تھوڑے لوگون کو اس احاطے مین لے جائین۔ اور وہان فوراً قتل کر ڈالین۔ اس طریقے سے جتنے یہودی جمع ہوے تھے سب قتل کر ڈالے گئے۔ اور

دوسرے دن جب اسکی خبر مشہور ہوئی تو یہود مین کہرام مچ گیا - بنی قریظہ کی ایک عورت سارہ نے اُن مقتول یہود کا مرثیہ لکھا - اور اُس کے جواب مین عبید ابن سالم نام ایک خزرجی شاعر نے جو زَفِن کے نام سے مشہور تھا ابو جبیلہ کی مدح مین ایک قصیدہ کہا - ابو جبیلہ اس قصیدے کو سُن کے بہت خوش ہوا - اور کہا "ذرا اپنے اس شاعر کو میرے سامنے لاؤ" لوگ لے گئے - مگر جب اُسے دیکھا تو نہایت ہی حقیر و مکروہ پا کے کہنے لگا "پاکیزہ شہد اور خراب برتن مین!" چنانچہ یہ فقرہ اُسی وقت سے ضرب المثل ہو گیا -

شاہ غسان نے اوس و خزرج سے کہا "ان لوگون کے تمام ارکان و عمائد و ارکان کو مین نے قتل کر ڈالا - اسکے بعد بھی تم اپنے دست و بازو سے غلبہ نہ حاصل کر سکو تو مین سمجھون گا کہ تم کچھ نہین ہو" یہ کہ کے وہ اپنے ملک مین واپس چلا گیا -

اسکے بعد بھی مدت تک یہی حال رہا کہ یہود اوس و خزرج کو اُبھرنے نہ دیتے اور اُنکی ترقی مین مزاحم ہوتے - اُن کے اس برتاؤ سے تنگ آ کے ایک دن مالک بن عجلان نے اپنے قبیلے والون سے کہا "جیسا ہم غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہین یہود ہمین خدا کی قسم نہ حاصل ہونے دین گے - آؤ اُن کی ویسی ہی ایک دعوت اور کرین" - چنانچہ سب کے مشورے سے اُس نے دعوت کا سامان کیا اور سو منتخب معززین یہود کو مدعو کیا - اُنھون نے پہلے آنے مین عذر کیا اور گذشتہ دغا بازی کو یاد دلایا - مگر جب اُن سے کہا گیا کہ "وہ کام ابو جبیلہ کا تھا جس کے ہم نہایت خلاف تھے - اور اُسے اس سے منع کرتے رہے - ہم تمھارے پُرانے رفیق ہین - بھلا ہم کیون بیوفائی اور دغا بازی کرنے لگے؟ اس دعوت کا اصلی منشا یہ ہے کہ درمیان مین جو ملال پیدا ہو گیا ہے دُور ہو - اور آپ کو ہماری دوستی کا ثبوت ملے" اس جواب پر مطمئن ہو کے سب یہودی جو بُلائے گئے تھے چلے آئے - یہان جو شخص آتا ایک معزز مقام مین لیجا کے قتل کر ڈالا جاتا - جب بہت سے یہودی قتل کیے جا چکے تو ایک نے مالک کے دروازے کے پاس کان لگایا - اور سناٹا دیکھ کے بولا "یہ کیا تماشا ہے کہ جاتے سب ہین مگر واپس کوئی نہین آتا ہے" فوراً بدگمان ہو کے باقیماندہ لوگون کو ہوشیار کر دیا - اور سب باقیماندہ یہود چلے گئے -

اب اس واقعے سے یہود کی قوت اس قدر ٹوٹ گئی تھی کہ پھر کبھی سر نہ اُٹھا سکے

چنانچہ وہ ذلیل اور اوس و خزرج کے مطیع و منقاد تھے - بلکہ جب کسی پر کوئی زیادتی
ہوتی تو وہ بجائے یہود کے مدد مانگنے کے اوس و خزرج کے پاس آکے خوشامد
کرتا - اور اُنکی مہربانی کا اُمیدوار ہوتا -

قبطی زبان

مسلمانون نے کتب تفسیر اور تاریخ انبیا و رسل مین قبطیون کا نام اکثر پڑھا ہوگا
قبطی فراعنۂ مصر کے ہم قوم یعنی سرزمین مصر کے قدیم باشندے تھے - وہ قبطی ہی تھا
جس کی بدولت حضرت موسٰی کو مصر چھوڑ کے بھاگنا پڑا - انگریزی مین مصر کو "ایجپٹ"
کہتے ہین - یہ دراصل "قبط" کا لفظ ہے جو انگریزی کے تصرف سے بگڑ گیا - فراعنہ
کے بعد یہان یونان کے بطلیموسیون کا قبضہ ہوا - اور یونانی نے پہلے پہل اس زبان
کو بگاڑنا شروع کیا - پھر اُنکے بعد رومیون کا اثر پڑنا شروع ہوا - چند روز کے بعد
سارے اہل مصر (قبطی) عیسائی ہوگئے - اور مسیحیت کے علوم دینی چونکہ یونانی زبان
مین تھے اس وجہ سے قبطی زبان پر یونانی کا اور زیادہ گہرا اثر پڑا - پُرانے مذہب
کو تو عیسویت کے مظالم نے بالکل فنا کر دیا مگر مغشوش اور یونانی سے ملی جُلی زبان البتہ
باقی رہ گئی - جس مین بجائے قدیم مذہب مصر کے اصول و فروع کے محض مسیحیت کے
مذہبی و اخلاقی مسائل تھے -

یہ حالت تھی کہ مصر پر عربون کا قبضہ ہوا - عربون نے سوائے عرب کے اور کہین
اس بات کی کوشش نہین کی ہے کہ سارا ملک قدیم کیش و آئین کے لوگون سے
خالی ہو جائے - چنانچہ جس طرح باوجود اُن کی ہزار سالہ حکمرانی کے ایران مجوس سے
ہندوستان بُت پرستون سے - عراق و شام یہود و نصاریٰ سے - اسپین و بلقان
عیسائیون سے خالی نہین ہوے اُسی طرح مصر مین بھی ان امانت دار فاتحون کی
بدولت قبطی مسیحی اور قبطی زبان دونون محفوظ رہ گئے - اور آج بھی ارض مصر مین
بہت سے قبطی موجود ہین جو مسیحیت کی ماری ہوئی زبان قبط مین کسی نہ کسی عنوان سے
جان ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہین -

چنانچہ فی الحال یہ قبطی زبان صرف یونانی حرفون مین لکھی جاتی ہے - قبطیون کا

پُرانا قومی خط فنا ہوگیا۔ یونانی حروف تہجی مین قبطی زبان کی چند مخصوص آوازون کے لیے آٹھ نئے حرف بڑھا لیے گئے ہین۔ قبطی کے تین لغت تھے یعنی تین طرح کی زبانین تھین۔ ایک ساہیدٹی جو لمبندی نیل کے علاقے مین بولی جاتی تھی۔ دوسری ممفطی جو نشیبی مصر کے اضلاع مین مروج تھی۔ اور تیسری باشموری جو دہانہ نیل کے شہرون مین ہر جگہ بولی جاتی تھی۔ آخری زبان مطلقاً فنا ہوگئی۔ اور بجز ہسکے دو ایک فقرون کے کوئی چیز نہین باقی ہے۔ مگر کہتے ہین کہ اہل مصر کا قدیم خطِ تصویر جو اُن کی یادگارون پر کندہ ہے اُسی زبان سے تعلق رکھتا تھا۔

ساہیدی مین اگرچہ یونانی کی بہت آمیزش ہے مگر ایک گنواری زبان سی ہے۔ مگر زبان ممفطی ایک شائستہ علمی زبان معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی مین اب تھوڑا بہت علمی ذخیرہ بھی موجود ہے۔ سب سے پہلے تو کتب آسمانی توراۃ و انجیل کا ترجمہ ہے۔ مگر یہ ترجمے بہت پُرانے ہین۔ کتاب عہد قدیم یعنی توراۃ کا ترجمہ وہ ہے جو ستر مترجمون کی کوشش سے حکیم بطلیموس فلاڈلفوس شاہ مصر کے عہد مین ۲۸۰ برس قبل حضرت مسیحؑ کے کیا گیا تھا۔ اور عہد جدید یعنی انجیل کا ترجمہ تیسری صدی عیسوی کے آخر یا چوتھی صدی کے آغاز مین ہوا تھا۔ کتاب مقدس کے علاوہ قبطی مین ولیون کی سیرتین ہین۔ اور قدیم الایام کے بعض مسیحی مبتدعہ فرقون کے چند تصانیف بھی موجود ہین۔

کہتے ہین کہ قبطی زبان نشیبی مصر یعنی قاہرہ وغیرہ مین دسوین صدی عیسوی تک موجود تھی پھر اُسکے بعد فنا ہوگئی۔ مگر لمبندی نیل کے شہرون مین اسکے بعد بھی کئی صدیون تک باقی رہی۔ قبطی مسیحی آج بھی موجود ہین۔ ہان اُنکے مذہبی رسوم اور عبادات مین اب تک قبطی زبان کام آتی ہے۔ لیکن عوام درکنار خود مقتدا بھی اُس سے اس قدر ناآشنا ہوگئے ہین کہ جب تک نماز ہی کے اندر دعاؤن کا ترجمہ عربی زبان مین نہ پڑھ دیا جائے اُن کا مطلب نہ مقتدی سمجھ سکتے ہین نہ مقتدا۔ بہرحال ان دونون پارسیون کی قدیم ژند اوستا کی طرح قبطی زبان بھی فقط عبادتون اور مذہبی دعاؤن کی برکت سے دو چار سانسین لے لیا کرتی ہے مگر بولنے چالنے مین بالکل مُردہ ہوچکی۔

موجودہ اہل عرب

موجودہ حالت مین جبکہ خلافت کا مسئلہ دنیا بھر کے مسلمانون کے سامنے پیش ہے اور شریف مکہ کو اپنی سیادت کی وجہ سے خلیفہ بننے کا خیال خود یا کسی کے شوق دلانے سے پیدا ہوگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ عرب کی موجودہ حالت پر غور کیا جائے۔

اس بارے مین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مین یہ بتا دون کہ ایک امریکن پادری نے ایک مدت کے تجربے کے بعد موجودہ عربون کی نسبت کیا خیالات قائم کیے ہین۔ اور اُسکے بعد اپنے خیالات ظاہر کرون۔

پادری ایس۔ ایم زویمر عربون کی نسبت لکھتے ہین کہ قدیم الایام کی طرح آج بھی شمالی عرب مین بنی اسمٰعیل جو مضری و نزاری کہلاتے ہین آباد ہین۔ اور جنوبی عرب مین بنی قحطان جو یمنی کہلاتے ہین۔ یمنیون اور مضریون مین مدت سے رقابت اور دشمنی چلی آتی ہے۔ جس کو آج تک نہ ہم مذہبی دُور کرسکی نہ ہمزبانی۔ چنانچہ آج بھی بیت المقدس کے گرد و نواح کے یمنیون کو علاقہ دیرون کے مضریون سے سخت نفرت ہے۔ اور بنائے مخاصمت پوچھی جائے تو بجز اس کے کہ یہ رقابت قدیم الایام سے چلی آتی ہے کچھ نہین بیان کرسکتے۔

عرب فی الحال پانچ طرح کے ہین۔ پہلے وہ جو کہین مستقل سکونت رکھتے ہین۔ اگرچہ اُن مین سے بھی بہت سے خیمون مین رہتے ہین۔ یہ اکثر زراعت پیشہ ہین۔ دوسرے وہ عرب جو متمدن عربون کے گرد خانہ بدوش رہتے ہین۔ تیسرے وہ جو قلمروِ عثمانیہ کے گانوؤن اور شہرون مین رہتے ہین۔ چوتھے وہ عرب ہین جو خاص عرب کے شہرون اور قریون مین رہتے ہین۔ پانچوین وہ بدوی خانہ بدوش عرب ہین جو وسط عرب کے دشت و بیابان مین رہتے ہین۔ آخر الذکر عرب بلحاظِ معاشرت اپنی اُسی پُرانی حالت مین ہین جو اسلام سے پہلے تھی۔

انساب پر ان سب کو بڑا ناز ہے۔ اور دنیا مین کوئی قوم عربون سے زیادہ شجرون کی شوقین نہین ہے۔ بعض قبائل اور بطنون کے شجرے اسلام سے پہلے زمانے تک جا پہونچتے ہین۔ اُن کی تمدنی حالت کو کسی ایک اصول معاشرت کے

تابع کرنا غیر ممکن ہے۔ بدوؤن کی حالت شہریون سے بالکل جدا گانہ ہے۔ مشرقی عرب مدت دراز کے میل جول کے باعث ایرانی معاشرت کے رنگ مین رنگا ہوا ہے۔ مغربی عرب اور نیز حجاز مصر کے سانچے مین ڈھل گیا ہے۔

جسمانی قوت کے لحاظ سے عرب دنیا کی ممتاز ترین قومون مین ہین۔ نپولین کے سرجن جنرل نے عربون کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی تھی کہ "اِن کی جسمانی بناوٹ ہر طرح اور ہر لحاظ سے یورپ کی بہ نسبت زیادہ مکمل ہے۔ اُنکے حواس خمسہ بہت اچھے ہین۔ اُن کا قد انسان کے اوسط قد سے اونچا ہے۔ اُن کا جسم خوبصورت اور مضبوط ہے۔ رنگ سرخ ہے۔ جسم کے لحاظ سے اُنکے عقلی قوٰی مضبوط ہین"

سب سے زیادہ قابل لحاظ پادری صاحب کا یہ فرمانا ہے کہ "عربون کو جمہوریت پسند خیال کرنا غلطی ہے۔ وہ ہمیشہ سے امیر پرست تھے اور آج بھی ہین۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر یا ایک خاندان دوسرے خاندان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش مین ہمیشہ مصروف رہتا ہے۔ نظام سیاسی یہ ہے کہ اُن مین امرا کی حکومت رہا کرتی ہے۔ عرب اسکو عزت کی نظر سے نہین دیکھتے۔ جسکا نسب شرافت مین اُن سے کم ہو۔ اور مذہب نے اُنھین سخت متعصب بنا دیا ہے۔ انھین پر منحصر نہین اقوام بنی سام کے تمام مذاہب تعصب کی تعلیم دیتے ہین۔ اتنا ہی نہین کہ اپنے مذہب کے مقابل دوسرے مذہب کو وہ سچا نہین مانتے بلکہ عموماً غیر مذہب والون کے ساتھ وہ نفرت وحقارت اور عداوت سے پیش آتے ہین۔ یہی حال یہود کا ہے۔

عربون کو خدا نے یہ عقل ہی نہین دی ہے کہ کسی کام کو ایک نظر دیکھ کر اپنا کر لین۔ ایک عرب ستری قائم الزاویہ نہین بنا سکتا۔ ایک عرب ملازم مربع میز پر چادر نہین بچھا سکتا۔ اس الزام کے دینے مین پادری صاحب اس حد تک تجاوز کر گئے ہین کہ فرماتے ہین عربون کا قدیم معبد کعبہ۔ جسکے نام کا مطلب یہ ہے کہ وہ کعب ہے۔ اُسکی کوئی سمت یا اُس کا کوئی زاویہ بھی باہم مساوی و متناسب نہین ہے۔ اُنکے مکانون مین آج تک یہی نقص پایا جاتا ہے۔ اُنکے بازار کبھی سیدھے نہین ہوتے دمشق کے ایک بازار کا نام مستقیم ہے۔ مگر وہ بھی سیدھا نہین ہے۔

عرب قصبوں کو پسند کرتے ہیں جمعیت کو پسند نہیں کرتے ۔ وہ عمدہ سپاہی ہیں مگر اچھے جرنیل نہیں ۔ جمہوریت کی اُن میں ذرا بھی حس نہیں ۔ شترکہ سرمائے سے کاروبار کرنا وہ جانتے ہی نہیں ۔ پبلک اسپرٹ کہیں نام کو نہیں ۔ ہر شخص کو اپنی فکر ہے ۔ یہی سبب ہے کہ یمن ترکوں کی حکومت سے آزاد نہیں ہو سکتا ۔ اور یہی سبب ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے قصبے میں مساجد کی کثرت ہے ۔

پادری صاحب نے جہاں تک بنا ہے عربوں میں عیب نکالنے کی کوشش کی ہے اور میرا خیال ہے کہ تاریخ کے قدیم واقعات کو بھی موجودہ اہل عرب کی جانب منسوب کر دیا ہے ۔ یمانیوں اور نزاریوں کا تعصب خلافت کے عہد اولین کا واقعہ ہے ۔ اسلام سے پیشتر بھی یمانیوں اور نزاریوں یعنی قبائل آل اسمٰعیل میں کسی قدر نفرت تھی ۔ چنانچہ بعض موقعوں پر ذی قوت حکمرانان یمن نے اسکی بھی کوشش کی تھی کہ کعبے کی کشش کو حجاز سے اپنی سرزمین میں منتقل کر لیں ۔ مگر اس میں کامیاب نہ ہوے ۔ مگر پھر بھی یہ صاف نظر آتا ہے کہ کعبے کو جس قدر محترم نزاری مانتے تھے یمنی بھی مانتے تھے ۔ اور عہد جاہلیت میں نزاری و یمانی کا تعصب مطلق نہ تھا ۔ بلکہ خود یمانی قبائل میں باہم ایسی عداوتیں تھیں جیسی کہیں یمنیوں اور اسماعیلیوں میں نہیں نظر آ سکتیں ۔ مدینۂ طیبہ کے قبائل اوس و خزرج دونوں اپنے آپ کو قحطانی یا یمنی سمجھتے تھے ۔ اور ڈیڑھ سو برس سے برابر باہم کشت و خون کرتے رہے تھے ۔ جس ہنگامے کو حضرت رسول خدا صلعم نے مٹایا ۔

عہد اسلام میں جب بنی ہاشم و بنی اُمیہ کی رقابت بڑھی تو بعض چالاک لوگوں نے اُن دونوں گروہوں میں ایک قصیدہ کہہ کے منافرت پیدا کر دی ۔ اور اس کا انجام یہ ہوا کہ وہی عرب جو بھائی بھائی فاتحوں کی حیثیت سے ساری دنیا میں پھیلے تھے سب آپس میں لڑنے لگے ۔ اس تعصب کا وہی خاص زمانہ تھا جبکہ خلافت بنی اُمیہ سے نکل کر بنی عباس میں آئی ۔ تقریباً ایک صدی تک یہ آفت مچی رہی اور اسکے بعد بجائے اس یمانی و نزاری کے اور طرح کے اختلافات پیدا ہوے جن کو نسل و نسب سے نہیں بلکہ خیالات و عقائد سے تعلق تھا ۔

لہٰذا میں اس کو مشکل سے تسلیم کروں گا کہ عرب میں اب بھی وہ قدیم تعصب

باقی ہے۔ ہاں اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہو سکتا۔ کہ عرب جہالت کے لحاظ سے پھر ویسے ہی ہو گئے۔ جیسے کہ عہد جاہلیت میں تھے۔ اَوْر اسلام کی تعلیم نے جو قوم ارض عرب میں پیدا کر دی تھی۔ وہ فنا ہو گئی۔ اور اُس کی زیادہ تر وجہ یہ ہوئی۔ کہ خلافت کا مرکز جب عرب سے نکل کے شام و عراق میں منتقل ہو گیا۔ تو جو عرب فرمانروا اَوْر رؤسا ان ملکوں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے رُومیوں اَوْر ایرانیوں کی معاشرت اختیار کر لی۔ اور خلیفہ سے شہنشاہ بن گئے۔ اَوْر بادشاہ بن کر رعایا کو غلام سمجھنے لگے۔ یہ دیکھ کر اصلی عرب کے صحرائی باشندے ان سے بالکل آزاد ہو گئے۔ خلفا کے قبضے میں ممالک دُور دراز تھے مگر عرب نہ تھا۔ ان تعلقات کے منقطع ہونے کا یہ انجام ہوا۔ کہ عرب پھر اپنی قدیم بدویت و بے علمی کی طرف کھنچنے لگے۔ اَوْر شام و عراق کے عربوں نے تمدن اَوْر علوم کے حاصل کرنے میں ترقی شروع کی۔ چند ہی روز میں دو جُدا قومیں بن گئیں۔ ایک بدوی اَوْر جاہل تھی۔ اَوْر دُوسری اپنے تمدن میں رومیوں اَوْر ایرانیوں کی جانشیں۔ اَوْر پھر یہ حالت پیدا ہوئی۔ کہ خلافت کا فقط نام رہ گیا۔ اَوْر اصلی خلافت فنا ہو گئی ۔

سرزمین عرب پر سے جب خلافت کی برکتیں اُٹھ گئیں۔ تو جو اخوت۔ یکسانی اَوْر قومیت ان میں اسلام نے پیدا کر دی تھی۔ وہ بھی مفقود ہو گئی۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ اپنا ایک مرکز قائم رکھنے کے لئے ساری دنیا کے مسلمان ایک خلیفہ کو چاہتے۔ اَوْر اسے اپنا پیش رو یا اولوالامر بنانا چاہتے ہیں۔ مگر حقیقت میں جو چیز تھی اس کا اب پھر پیدا ہونا بادی النظر میں منجملہ محالات معلوم ہوتا ہے۔ جو خلفاء عرب کے باہر ہو گئے وہ سب چاہے خادم دین بن جائیں مگر واقعہ یہ ہے۔ کہ ان میں امام و مقتدائے دین بننے کی صلاحیت کوئی قوت نہیں پیدا کر سکتی۔ اس لئے کہ اُن سے دُوسروں سے لی ہوئی شہنشاہی اَوْر اپنی پرستش کرانے کے جذبات کسی طرح دُور نہیں کئے جا سکتے۔ وہ قطعاً نفس پرست اَوْر بندۂ ہوا و ہوس ہوں گے۔ اَوْر جہاں تک دیکھا جاتا ہے ہیں ۔

رہا یہ کہ مکے کے شریف یا عرب کے کوئی اَوْر بزرگ خلافت کا دعوے کریں۔ تو گمشدہ خلافتِ اسلام کا اُن میں پیدا ہونا اب اس سے زیادہ دشوار ہے وہ جاہلیت

کے قبائل کے شیخ یا بعض عربی سلطنتوں کے سر بر آرا بن سکتے ہیں۔ مگر خلیفہ نہیں بن سکتے +

ایک اگلا مسلمان سیّاح ہند

۸۴۵ھ میں خراسان کے فرماں روا شاہ رُخ مرزا ابن امیر تیمور گورگان نے ایک سفارت جنوبی ہند کی زبردست ہندو سلطنت بیجانگر کے فرمان روا کے دربار میں بھیجی تھی۔ اور اس سفارت کی خدمت انجام دینے کے لئے مولنا عبدالرزاق نام ایک بزرگ مقرر ہوئے تھے۔ جو ایک نامور مؤرخ ہیں اُنھوں نے اپنی کتاب "مطلع اسعدین" میں اس سفر کے پورے حالات بیان کئے ہیں مدت ہوئی۔ کہ ہم نے انہیں کے بیان سے لیکر دربار بیجانگر کے مختصر حالات دلگداز میں لکھے تھے۔ جن کو اکثر ناظرین نے پسند فرمایا۔ اور اصرار کیا کہ اس قسم کے اور بہت سے واقعات قدیم اسلامی تاریخوں سے اخذ کر کے بیان کئے جائیں۔ اسی خیال سے اب ہم چاہتے ہیں۔ کہ اس سفارت کے متعلق مولانا عبدالرزاق کا پورا بیان شائع کر دیں۔ اِس بیان میں سب سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے۔ کہ آج سے پانچ سو برس پیشتر کی دنیا کے بعض حصوں کا نقشہ نظر کے سامنے ہو جاتا ہے +

مولنا عبدالرزاق لکھتے ہیں۔ کہ میں ۸۴۵ھ میں ۱۸۔ رمضان مبارک کو کرمان میں پہنچا۔ جو ایک ممتاز مقام ہے۔ اور وہاں بہت کچھ دلچسپیوں کے سامان نظر آ سکتے ہیں۔ ۵۔ شوال کو وہاں سے روانہ ہُوا۔ راستے میں امیر حاجی محمدؒ سے ملاقات ہو گئی۔ جو مقام بان پور پر تاخت کر کے مال غنیمت سے لدے پھندے آ رہے تھے۔ وسط ماہ صیام میں بندرگاہ ہرمز میں پہنچا جو بحر عمان کے کنارے واقع ہے۔ یہاں کا حاکم ملک فخر الدین توران شاہ تھا۔ اس نے میرے لانے کو ایک کشتی بھیجی۔ جس پر سوار ہو کے میں ہرمز کی آبادی میں پہنچا۔ وہاں اُس نے مجھے رہنے کو ایک مکان دیا۔ اس میں تمام ضروری سامان فراہم کر دیا۔ اور مجھے اپنے دربار میں باریاب ہونے کی عزت دی +

شہر ہرمز میں جس کو لوگ جیرون بھی کہتے ہیں ایک بندرگاہ ہے۔ جو روئے

زمین پر رونق و آبادی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ہفت اقلیم کے سوداگروں کی یہاں آمد و رفت رہتی ہے۔ مصر۔ شام۔ روم۔ آذربائیجان۔ عراقین۔ فارس خراسان۔ ماوراء النہر۔ ترکستان۔ دشت قپچاق۔ عراق۔ قلماق۔ اَوْر مشرقی ملکوں چین ماچین۔ اَوْر خان بالق۔ سب جگہ کے سوداگر یہاں موجود ہیں۔ ساحلی مقامات کے رہنے والے یہاں ہر قسم کا مال چین۔ جاوا۔ بنگالہ۔ سراندیپ۔ بلاد زیر باد۔ سقوطرہ۔ جزیرۂ زیبۃ المہل کے نوے شہروں اَوْر بلاد لے بار۔ حبش۔ زنجبار بیجانگر۔ گلبرگہ۔ گجرات۔ کھمبات اَوْر سواحل عرب۔ عدن۔ جدہ۔ اَوْر ینبوع سے لاتے رہتے ہیں۔ یہ سب ایسا سامان تجارت اَوْر ایسی نادر قیمتی چیزیں لاتے ہیں۔ جو دیکھنے کے قابل ہیں۔ مسافر تمام اقطار ارض سے یہاں آتے ہیں۔ اَوْر جن چیزوں کو لاتے ہیں۔ ان کے مبادلے میں ویسی ہی اعلےٰ درجے کی ہم قیمت چیزیں لے جاتے ہیں۔ اور ان کا کاروبار نقد اور قرض دونوں طرح پر جاری رہتا ہے۔ ہر چیز پر قیمت کا دسواں حصہ بطریق محصول کے اُن کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ بجز سونے اور چاندی کے۔ اس لئے کہ ان پر کوئی محصول نہیں لیا جاتا۔ مختلف فرقوں کے علماء یہاں تک کہ کفار کے متقدا بھی یہاں موجود ہیں۔ اَوْر ان کے ساتھ کسی قسم کی بے انصافی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اس شہر کا نام دار الامان مشہُور ہو گیا ہے۔ اَوْر باشندوں میں اہل عراق کی خوش اخلاقی کے ساتھ ہندوؤں کی فروتنی جمع ہو گئی ہے۔ میں یہاں میں تین مہینے رہا۔ یہاں کے حکام نے میرے روکنے کے لئے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ خصوصاً یہ کہ ابھی سمندر میں سفر کرنے کا زمانہ نہیں آیا ہے۔ مانسون کا ابتدائی اَوْر درمیانی زمانہ گذر گیا۔ غرض مانسون کا آخری زمانہ تھا۔ جب کہ طوفانوں اَوْر آندھیوں کا بے انتہا اندیشہ تھا۔ اُس وقت انہوں نے مجبُور ہو کے مجھے روانگی کی اجازت دی۔ چونکہ آدمی اَوْر گھوڑے ایک ہی جہاز پر سفر نہیں کر سکتے۔ لہذا ہم اَوْر وہ جُدا جُدا جہازوں میں تقسیم کر دئے گئے۔ اور ہم نے بندرگاہ ہرمز سے لنگر اُٹھایا۔

جب جہاز کے ڈگمگانے کا میرے دماغ پر اثر ہُوا۔ اَوْر سمندر کے اندیشوں سے سابقہ پڑا تو یہ حالت ہوئی۔ کہ میں غش کی حالت میں پڑا ہُوا تھا۔ اَوْر تین دن تک بجز سانس چلنے کے مجھ میں اَوْر کوئی زندگی کی علامت موجُود نہ تھی۔

جب میرے حواس ذرا درست ہوئے تو ان سوداگروں نے جو میرے دلی دوست تھے بالاتفاق غل مچایا۔ کہ ہم نے اس وقت سفر شروع کیا۔ جب جہازرانی کا زمانہ نکل چکا تھا۔ اور جس شخص نے ایسے موسم میں سمندر کے خطروں کو اختیار کیا درحقیقت وہی خود اپنی موت کا باعث سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ہلاکت کا راستہ اختیار کیا۔ غرض انہوں نے جو کچھ روپیہ کرائے کی بابت دیا تھا۔ اس سے بھی ہاتھ دھوئے۔ اور تھوڑی دشواری کے بعد سب جا کے مسقط میں اتر پڑے۔

وہاں میری یہ حالت ہوئی۔ کہ اپنے بے تکلف دوستوں کے ساتھ مسقط سے قریات نام ایک مقام میں چلا گیا۔ اور وہیں جا کر ٹھہرا۔ بحری تجار کا معمول ہے۔ کہ جب کسی کو اس کے سفر کی غرض نہ حاصل ہو۔ اور وہ کہیں جا کر ٹھہرنے پر مجبور ہو جائے۔ تو اس کی نسبت کہا کرتے ہیں۔ کہ وہ تباہ ہو گیا۔ غرض فلک بے مہر اور غدار قسمت کی ناسازگاری سے میرا شیشۂ دل چور چور تھا۔ میں زندگی سے عاجز اور سخت پریشانیوں میں مبتلا تھا۔

یہیں قریات میں محرم سنہ ۸۴۶ ہجری کا چاند دیکھا۔ اور ان دنوں اگرچہ شدید گرمیوں کا موسم نہ تھا۔ مگر آفتاب کی تپش ایسی سخت تھی۔ کہ معلوم ہوتا ہڈیوں کے اندر گودا خشک ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی تپش کی مصیبت سے میں میرے بڑے بھائی۔ اور میرے تمام رفقاء بیمار پڑ گئے۔ اسی اثناء میں میں نے سنا۔ کہ قریات سے تھوڑے فاصلے پر سور نام ایک مقام میں موسم نہایت معتدل رہا کرتا ہے۔ اور پانی بھی بہت اچھا ہے۔ یہ مقام چونکہ سمندر کے کنارے تھا۔ لہذا میں نے باوجود ضعف کے ایک کشتی میں بیٹھ کے وہاں کی راہ لی۔ لیکن جب وہاں پہونچا تو بدقسمتی سے بیماری اور بڑھ گئی۔ جب طبیعت ذرا سنبھلی تو میں نے ہندوستان کا راستہ لیا۔ اور اٹھارہ رات دن کے سفر کے بعد ہم نے بتائید الٰہی جنوبی ہند کی بندرگاہ۔ کالی کٹ میں پہنچ کے لنگر ڈالا۔ راستے میں سمندر کی ہوا نے مجھے بے انتہا فائدہ پہونچایا۔ اب میں بالکل اچھا تھا۔ اور میں نے کالی کٹ کو دیکھا۔ چنانچہ اب وہاں کے عجائبات اور اپنی سرگذشت کو بیان کرتا ہوں۔ کالی کٹ نہایت ہی پُر امن جگہ ہے۔ اور بندرگاہ ہرمز کی طرح یہاں بھی ہر سرزمین کے سوداگر

جمع رہتے ہیں۔ یہاں بھی انسان کو عجیب اَور نادر اشیا مل سکتے ہیں۔ جن کو بحری تاجر مختلف مقامات خصوصاً حبش۔ زیرباد۔ اَور زنجبار سے لاتے ہیں۔ حرم محترم مکہ معظمہ اور دیگر مقامات حجاز سے بھی وقتاً فوقتاً یہاں جہاز پہونچا کرتے ہیں۔ اَور چند روز کے لئے یہاں ضرور لنگر انداز ہوتے ہیں۔ یہ شہر کفار کا ہے۔ لہذا ہمیں حق حاصل ہے۔ کہ جہاد کریں۔ کچھ مسلمان بھی اس میں رہتے ہیں۔ اَور اُنھوں نے یہاں دو جامع مسجدیں بنا رکھی ہیں۔ جن میں ہر جمعے کو جمع ہوا کرتے ہیں۔ اُن کا ایک قاضی ہے جو ایک دیندار آدمی ہے۔ اَور یہاں کے تمام مسلمان عموماً شافعی ہیں۔ اس شہر میں اس قدر اطمینان ہے۔ .... اَور ایسا انصاف ہوتا ہے۔ کہ سوداگر ساحلی ملکوں سے بکثرت سامان تجارت لاتے ہیں۔ جس کو یہاں اُتار کے کھلی سڑکوں اَور بازاروں میں ڈال دیتے ہیں۔ اَور وہ بغیر اس کے کہ کسی کی ذمہ داری میں دیا جائے یا کوئی اس کے پہرے پر مقرر کیا جائے۔ مدتوں تک پڑا رہتا ہے۔ کروڑگری کے عہدہ دار اس کو اپنی حفاظت میں رکھتے ہیں۔ اُن کی طرف سے اس پر رات دن پہرہ مقرر رہتا ہے۔ اگر وہ بک جاتا ہے۔ تو اس کی بابت ڈھائی روپیہ سینکڑہ کے حساب سے سرکاری محصول وصول کرتے ہیں۔ ورنہ کچھ نہیں لیتے۔ دیگر مقامات میں معمول ہے۔ کہ اگر کوئی جہاز کسی خاص منڈی کو جاتا ہو۔ اَور بدقسمتی سے وہاں پہنچنے کے عوض کسی اَور بندرگاہ میں پہنچ جائے۔ تو وہاں کے لوگ یہ بہانہ کرکے کہ اس کو ہوا نے ہمارے پاس پہنچا دیا ہے لوٹ لیا کرتے ہیں۔ مگر کالی کٹ میں ہر جہاز چاہے کہیں سے آیا ہو۔ اور جس طریقہ سے پہنچا ہو اسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اور معمولی جہازوں کے ساتھ۔ اور اس کے لوگوں اَور مال کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا ۔

حضور شاہ خاقان سعید نے فرماں روائے کالی کٹ کے لئے کچھ گھوڑے قبائیں۔ سنہری جھالروں کے کپڑے اور ٹوپیاں بھیجی تھیں۔ جیسی چیزیں سال نو کے درباروں میں پیش کی جایا کرتی ہیں۔ اور اس کا باعث یہ ہوا۔ کہ شہنشاہ کے سفیر بنگالے سے واپس چلے۔ تو انہیں مجبوراً کالی کٹ میں ٹھہر جانا پڑا۔ اور ان کے ذریعے سے حضور ملک معظم کی قوت وعظمت کی اطلاع وہاں کے حاکم کو ہوئی۔ اس کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا۔ کہ ربع مسکون کے سلاطین عام

اس سے کہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے اور خشکی کے ہوں یا تری کے سب نے بادشاہ مذکور کے پاس سفارتیں بھیجی ہیں۔ اور اس کے دربار کو اپنا قبلۂ حاجات اور کعبۂ خیالات تصور کرتے ہیں۔

اس کے چند روز بعد شاہ بنگالہ کو اس بات کی شکایت ہوئی۔ کہ جونپور کا سلطان ابراہیم شرقی اس سے برسرپیکار ہے۔ اُس نے شہنشاہ مذکور کے دربار میں پناہ لی۔ جو دراصل سلاطین عالم کے مرجع و ماوئی ہیں۔ اس کی اطلاع ہونے پر حضور شہنشاہ نے شیخ الاسلام خواجہ کریم الدین ابوالمکارم جامی کو ایک فرمان کے ساتھ جونپور میں بھیجا۔ اور سُلطان شرقی کو حکم دیا۔ کہ شاہ بنگالہ پر حملہ کرنے سے باز رہے۔ ورنہ وہ خود اس کا ذمہ وار ہوگا۔ اس مراسلت کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ شاہ جونپور نے اظہار فرماں برداری کیا۔ اور بنگالے پر حملہ کرنے سے باز آگیا۔ اس کی اطلاع جب حاکم کالی کٹ کو ہوئی۔ تو اس نے قسم قسم کے ہدئیے اور نادر روزگار چیزیں جمع کر کے ایک سفیر کے ہاتھ دربار شہنشاہی میں بھیجیں۔ اور لکھا کہ میرے ساحلی شہر میں مسلمانوں میں نماز جماعت سے ادا ہوتی ہے۔ اور ہر جمعے کو خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ اگر حضور ملک معظم پسند فرمائیں۔ تو خطبہ کو حضور ہی کے نام سے زینت دیجائے۔

چنانچہ اس کا سفیر ان شہنشاہی سفیروں کے ساتھ جو بنگالہ سے آرہے تھے دربار میں پہنچا۔ امرائے دربار نے اس کا استقبال کیا۔ اور اس کو باریابی کا شرف حاصل ہُوا۔ یہ سفیر ایک فصیح البیان مسلمان شخص تھا۔ جس نے ملک اعظم کے سامنے حاضر ہو کے عرض کیا۔ کہ اگر حضور شہنشاہ میرے مالک سے تعلقات اتحاد رکھینگے۔ تو مناسب ہوگا۔ اور بہتر ہوگا کہ حضور اُسے دین اسلام کی تبلیغ فرمائیں۔ ممکن ہے کہ اسکے دل کی کفر ظلمت دُور ہوجائے۔ اور اس کا دل نور ایمان سے روشن ہوجائے۔ یہ یقینا ایک مُبارک اور نہایت مناسب کارروائی ہوگی۔ اس درخواست کے مطابق حضور شہنشاہ نے اپنے وزرا کو حکم دیا کہ ایک سفیر کو روانہ کریں۔ اور اس کا قرعۂ فال اس خاکسار کے نام پر پڑا۔ بعض لوگوں نے مجھے بہکایا۔ کہ میں اس سفر کو نہ اختیار کروں۔ لیکن باوجود اس کے کہ یہ نہایت خطرناک سفر تھا۔ میں نے اس کو اختیار کر لیا۔ اور تین سال بعد نہایت توانا و تندرست واپس آیا۔ جب کہ وہ میرے بہکانے والے رقیب دنیا سے

رخصت ہو چکے تھے۔ بہرحال جب میں کالی کٹ میں جہاز سے اُترا۔ تو وہاں میں نے ایک ایسی خلقت دیکھی کہ جیسے شکل و شمائل کے لوگ کبھی میرے وہم وگمان میں بھی نہیں گزرے تھے۔ عجیب قسم کے لوگ جن کو نہ انسان کہہ سکتے ہیں نہ دیوزاد۔ جن کی صورت دیکھتے ہی انسان چونک پڑے۔ اس قسم کی اگر کوئی چیز میں نے خواب میں بھی کبھی دیکھ لی ہوتی تو میرا دل برسوں دھڑکتا رہتا۔ میں ایک گوری چاندسی محبوبہ کا عاشق ہونے کو تیار رہوں۔ مگر کسی کالی کلوٹی عورت پر ہرگز فریفتہ نہیں ہو سکتا۔

اس سرزمین کے سیاہ تمام لوگ تقریباً بالکل ننگے رہتے ہیں۔ صرف ایک کپڑے سے ستر پوشی کرتے ہیں۔ جو لنگوٹ کہلاتا ہے۔ اور وہ ان کی ناف سے لے کے زانو کے اُوپر تک رہتا ہے۔ اُنکے ایک ہاتھ میں ہندی خنجر رہتا ہے۔ جو پانی کے مثل چمکتا ہے۔ اَور دوسرے ہاتھ میں بیل کی کھال کی ڈھال ہوتی ہے۔ جو ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ابر کا چھوٹا ٹکڑا۔ بادشاہ اَور فقیر سب کی یہی وضع ہے۔ لیکن مسلمان عربوں کی طرح قیمتی کپڑے پہنتے ہیں۔ اَور مختلف قسم کا سامان عیش اُن میں نظر آتا ہے۔

میں متعدد مسلمانوں سے ملا۔ اَور بہت سے ہندوؤں سے بھی۔ ایک مناسب مکان مجھے رہنے کو دیا گیا۔ تین دن کے بعد لوگ مجھے بادشاہ سے ملانے کو لے گئے۔ اس کو بھی میں نے اَور ہندوؤں کی طرح ننگا پایا۔ یہاں کے بادشاہ کو سامُوری کہتے ہیں۔ اَور جب وہ مر جاتا ہے۔ تو اُس کے تخت پر اس کے بھانجے کو بٹھاتے ہیں۔ تخت ورثے میں اس کے بیٹے بھائی یا کسی اَور رشتہ دار کو نہیں ملتا۔ کوئی شخص بزور شمشیر بادشاہ نہیں بن سکتا۔ یہاں مختلف قوموں کے ہندو ہیں۔ برہمن ہیں۔ جوگی ہیں۔ اَور دوسری ذاتوں کے لوگ ہیں۔ جو بہت سے دیوتاؤں کی پوجا اَور بت پرستی میں شریک ہُوا کرتے ہیں۔ اَور ہر قوم کی خاص خاص رسمیں ہیں۔

انہیں میں ایک قوم ہے۔ جس میں ہر عورت کئی شوہر رکھتی ہے۔ جن میں سے ہر ایک مختلف پیشہ کرتا ہے۔ دن رات بھر کے گھنٹے وہ شوہر آپس میں تقسیم کر لیا کرتے ہیں۔ اور جب تک مکان میں ایک شوہر اپنے مقررہ وقت کے اندر اس کے پاس موجود رہتا ہے۔ دُوسرا نہیں داخل ہو سکتا۔ راجہ

ساموری بھی اسی قوم سے ہے ✤

جب میں سامودری سے ملا۔ تو تقریباً دو ہزار یا تین ہزار ہندو اسی وضع میں جس کو میں بیان کر آیا دربار میں موجود تھے۔ مسلمانوں کے بھی بعض سردار وہاں حاضر تھے۔ جب میں وہاں بٹھایا جا چکا۔ تو انہیں مسلمانوں نے حضور شہنشاہ کا خط اُسے پڑھ کر سُنایا۔ اور جن تحفوں کو میں لایا تھا وہ بھی اس کے سامنے رکھ دئے گئے ✤

سامودری نے میری سفارت کی زیادہ عزت و عظمت نہیں کی۔ چنانچہ میں دربار چھوڑ کر اپنے گھر چلا آیا۔ سفیروں کا وہ گروہ جس کو شاہ ہرمز نے چند گھوڑوں اور مختلف ملکوں کے تحفوں کے ساتھ جداگانہ جہاز پر بھیجا تھا اُن کا تمام اسباب اور مال لوٹ لیا گیا۔ اور بدشواری وہ فقط اپنی جانیں بچا کے بھاگے۔ وہ لوگ جب کالی کٹ آئے۔ تو میں اپنے اُن قدیم دوستوں کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا ✤

آخر جمادی الآخر سے آغاز ذالحجہ تک میں اس بیہودہ مقام میں رہا۔ جہاں دشواریوں سے دوچار اور غم میں مبتلا تھا۔ ماہ ذالحجہ کے درمیان میں جب کہ نہایت تاریکی تھی اور میں یہاں پڑے پڑے تنگ آگیا تھا مجھے نیند آئی۔ گویا کسی زبردست قاہر قوت نے میرے حواس کو ہر قسم کی دشواریوں سے ہٹا کر اور ان پر قابض ہو کے میری آنکھ ایک دُوسرے عالم میں کھول دی۔ بچھونے پر پڑا سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا۔ حضور خاقان اعظم و شہنشاہ معظم پورے شان و شکوہ کے ساتھ میری طرف آئے۔ اور قریب پہونچ کر فرمایا۔ اب تم مصیبت میں نہ رہو گے۔ صبح کو نماز کے بعد یہ خواب یاد آیا۔ اور میرے دل کو مسرت محسوس ہوئی۔ اگرچہ معمولی خواب محض اوہام و افکار ہُوا کرتے ہیں۔ جن کا شاذ و نادر ہی کچھ اثر ظاہر ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات وہ بالکل سچے اُترجاتے ہیں۔ اور الہام الٰہی تصور کئے جاتے ہیں۔ کون شخص حضرت یوسف علیہ السلام اور فرعون مصر کے خوابوں سے واقف نہیں ہے؟ میں نے دل میں کہا کہ غالباً اب خوش اقبالی کی صبح شروع ہو۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔ اور یہ فکر و غم کی ذلت ختم ہو جائے۔ اس خواب کو میں نے بعض ہوشیار آدمیوں سے بیان کیا اور اُن سے اس کی تعبیر پُوچھ رہا تھا۔ کہ یکایک

ایک شخص آیا اور یہ خبر لایا کہ راجہ بیجانگر نے جو ایک بڑی سلطنت اور عظیم الشان دولت کا مالک ہے راجہ سامری کے پاس ایک قاصد بھیج کر استدعا کی ہے کہ حضور شہنشاہ خاقان سعید کا سفیر فوراً اُس کے پاس بھیج دیا جائے۔ سامری اگرچہ اُسکا ماتحت نہیں ہے لیکن ہمیشہ اُس سے خائف اور اندیشہ ناک رہتا ہے۔ اس لیے کہ مشہور ہے کہ راجہ بیجانگر کے قبضے میں تین سو بندرگاہیں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کالی کٹ کی ہم پایہ ہے۔ علاوہ بریں اندرون ملک میں اس کی قلمرو کے شہر اور صوبے تین مہینے کی راہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

کالی کٹ اور چند اور ساحلی مقامات شہر کائل تک جو سراندیپ کے مقابل واقع ہے (یہ جزیرہ سیلان بھی کہلاتا ہے) سارا علاقہ ایک ایسے صوبے کے اندر واقع ہے جس کو ملیبار کہتے ہیں۔ جہاز جو کالی کٹ سے مکہ معظمہ (حفظہ اللہ بالعزۃ والاقتدار) کو جاتے ہیں وہ عموماً کالی رجوان تے ادرے ہوتے ہیں

کالی کٹ کے لوگ جری کشتی باز ہیں اور ان کے جہین کہلاتے ہیں۔ سمندر کے لوٹیرے کالی کٹ کے جہازوں کو نہیں چھیڑتے۔ اور ہر چیز وہاں دستیاب ہو جاتی ہے بجز اسکے کہ وہاں تم نہ گائے کو ذبح کر سکتے ہو اور نہ اُس کا گوشت کھا سکتے ہو۔ اگر کسی شخص کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اُس نے گائے کو مارا ہے تو اُس کی جان کسی طرح نہیں بچ سکتی۔ گائے کی یہاں اس قدر عظمت کی جاتی ہے کہ لوگ اُسکے گوبر کی راکھ کے ٹیکے ماتھے پر لگاتے ہیں

(۳)

اب میں بارادہ بیجانگر کالی کٹ سے روانہ ہوا اور جہاز پر سوار ہو کے چلا کہ سلطنت بیجانگر کی کسی بندرگاہ پر اُتروں۔ بندر بندرانہ سے گذر کے منگلور پہونچا جو دولت بیجاپور کا بندر تھا۔ وہاں جہاز کو چھوڑ کے خشکی پر اُترا اور اندرون ملک میں طے منازل کرنے لگا۔ منگلور سے تین ہی فرسخ گیا تھا کہ ایک عالیشان اور عدیم المثال شوالہ دیکھا جیسی عمارت روے زمین پر کہیں نہ نظر آئے گی۔ یہ ایک مربع عمارت ہے جس کا ہر پہلو دس گز کا ہے اور پانچ گز بلند ہے ساری عمارت برنجی ہے جو پیتل کو گلا کر بنائی گئی ہے۔ چار زینے چڑھ کر اُس تک

پہونچتے ہین جہان ایک قد آدم مورت نظر آتی ہے۔ یہ مورت از سرتاپا سونے کی ہے۔ آنکھون کے مقام پر دو بڑے بڑے یاقوت جڑے ہوے ہین اور ایسی خوبی سے جڑے گئے ہین کہ دیکھو تو معلوم ہوتا ہے مورت تمھاری طرف دیکھ رہی ہے۔ اور نہایت اعلیٰ کاریگری۔ نفاست۔ اور کمال صنعت سے بنائی گئی ہے۔

اس برہمچی مندر کو دیکھ کر مین آگے بڑھا۔ ہر منزل پر کوئی شہر یا گانون ملتا جو خوب آباد ہوتا۔ اور مین وہان قیام کر کے سیر کرتا۔ آگے بڑھا تو ایک عظیم الشان پہاڑ نظر آیا۔ اس پہاڑ کے بیان مین مولانا عبدالرزاق نے فارسی انشاپردازی کی شان دکھانے مین بڑا زور قلم ہے۔ فرماتے ہین "اُس کا دامن آفتاب پر سایہ افگن ہے۔ اور اُس کی تلوار یعنی چوٹی مریخ کے گلے مین پیوست ہے۔ اُسکی کمر مین کہکشان کا پٹکا بندھا ہوا ہے۔ اور سر پر ایک زرق برق مندر کا تاج ہے۔ اس کے دامن مین درختون اور خاردار جھاڑیون کا ایسا گھنا جنگل ہے کہ نہ آفتاب عالمتاب کی شعاعین اُسکے اندر داخل ہو سکتی ہین اور نہ ابرو باران اپنی رطوبت کو اُسکے اندر پہونچا سکتے ہین"

اس پہاڑ کی گھاٹیون سے گذر کے مین شہر بدنُور مین پہونچا جو ایسا عالیشان شہر ہے کہ اُسکے مکانات قصر و ایوان معلوم ہوتے ہین۔ اور وہان کی عورتین بھی ایسی صاحب حسن و جمال ہین کہ اُنھین فردوس برین کی حورین کہنا چاہیے۔

بدنُور مین بھی ایک بڑا عظیم الشان مندر ہے جو کئی فرسنگ سے نظر آتا ہے۔ اس کی عظمت و شان کو ہو بہو لفظون مین دکھا دینا غیر ممکن ہے۔ اور اگر مین سچی حقیقت بیان بھی کر دون تو مبالغہ سمجھا جائے گا۔ وسطِ شہر مین ایک کشادہ میدان ہے جو تقریباً دس جریب زمین پر حاوی ہے۔ اُس مین ایسا پُر فضا باغ لگا ہوا ہے کہ اُسکو باغ ارم کہین تو زیبا ہے۔ اُس مین پتون سے زیادہ پھول ہین۔ اس باغ کے بیچون بیچ مین ایک سنگی چبوترہ ہے جو باغ کی زمین سے ایک قد آدم بلند ہے۔ اس مین پتھر ایسی خوبی و نزاکت اور صناعی سے جوڑے گئے ہین کہ معلوم ہوتا ہے ایک ڈال پتھر کا ہے یا یہ خیال کیجیے کہ ایک عظیم الشان سڈول ترشی ہوئی چٹان فضاے نیلگون سے گر پڑی ہے۔ اسی چبوترے کے درمیان مین مندر کی عالیشان عمارت ہے۔

جس کا نیلگون گنبد پتھر کا ہے۔ نیچے سے اوپر تک اس میں مورتیں اور تصویریں پتھر
میں کھودی گئی ہیں۔ اور ایسی خوبی سے بنائی گئی ہیں کہ کسی اعلیٰ ترین چابکدست
مصور کی صنعت معلوم ہوتی ہیں۔ اس سر بفلک عمارت میں چوٹی سے نیچے تک بالشت
برابر بھی جگہ نہیں چھوٹی ہے جو نقش و نگار سے خالی ہو۔ اور اُس میں چینی و فرنگ
کی نقاشی نہ نظر آتی ہو۔ چبوترے سے عمارت کے اندر داخل ہونے میں بھی چار زینے
چڑھنا پڑتے ہیں۔ یہ عمارت طول میں ۳۰ گز عرض میں ۲۰ گز ہے اور ۵۰ گز بلند ہے
اُس کے گرد کی تمام چھوٹی بڑی عمارتوں پر بھی بڑی نزاکت و نفاست سے نقش و
نگار بنائے گئے ہیں۔

مندر کے اندر شب و روز دیوتا کی پرستش ہوتی رہتی ہے جس کے سلسلے میں گانا بجانا
ہوتا ہے۔ ایک بزم طرب قائم رہتی ہے اور ضیافتیں ہوتی ہیں۔ تقریباً گاؤں کے
کل لوگوں کو مندر کی آمدنی سے وظیفے ملتے ہیں۔ اس لیے کہ یہاں دور دور کے لوگ
آکر پرستش کرتے اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ یہاں کے ہندوؤں کی رائے میں یہ مقام اُن کا
کعبہ ہے۔

میں یہاں دو تین روز قیام کر کے آگے روانہ ہوا۔ اور ماہ رجب کے ختم ہوتے ہوتے
بیجانگر میں پہونچ گیا۔ راجہ نے ہمارے استقبال کے لیے سواروں کا ایک رسالہ بھیجا
جو ہمیں دھوم دھام سے شہر کے اندر لے گیا۔ اور وہاں ہم ایک نہایت خوشگوار و
موزون اور بلند مقام میں ٹھہرا دیے گئے۔

یہاں مجھے ایک نہایت ہی عظیم الشان اور آباد شہر نظر آیا۔ اور ایک ایسے زبردست
اور سراپا عظمت و جبروت فرمانروا کو دیکھا کہ اُس کی قلمرو سراندیپ سے حدود
گلبرگہ تک اور بنگالہ سے ملیبار تک پھیلی ہوئی ہے جس کی مسافت ایک ہزار فرسنگ
سے زیادہ ہے۔ ملک کا غالب ترین حصہ مزروعہ اور سرسبز ہے۔ اور تقریباً تین سو
ساحلی شہر اس سلطنت کی قلمرو میں شامل ہیں۔ یہاں دیو قامت اور کوہ پیکر ہاتھیوں
کا شمار ایک ہزار ہے۔ اور راجہ کا لشکر گیارہ لاکھ بتایا جاتا ہے۔ سارے ہندوستان
میں اس سے بڑا رائے (راجہ) نہیں ہے۔ تمام فرمانروایان ہند "رائے" ہی کے
لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ راجہ کے دربار میں برہمنوں کی جو قدر ہے اور کسی

گروہ کی نہین - کتاب "کلیلہ و دمنہ" جو فارسی مین نہایت نفیس اخلاقی کتاب ہے
اُس مین بھی ایک راجہ اور ایک برہمن کا ذکر ہے - غالباً وہ اسی سرزمین مین
لکھی گئی ہے -

شہر بیجا نگر رونق و آبادی مین ایسا پُرشان و شوکت ہے کہ اُس کے مقابل
کوئی شہر روے زمین پر نہین ہے - نہ ایسا خوبصورت اور شاندار شہر آنکھون نے
دیکھا ہے اور نہ کانون نے سُنا - اُس کے گرد سات مضبوط فصیلین یا قلعہ بندیان
ہین جو یکے بعد دیگرے ملتی ہین اور ساتون ایک دوسرے کے اندر واقع ہوئی ہین
سب سے بیرونی فصیل کے گرد باہر کی طرف پچاس گز کا ایک میدان ہر جانب
چھوڑ دیا گیا ہے - اس میدان مین بڑی بڑی سلین نزدیک نزدیک اس طرح زمین
مین گاڑ کے قدآدم اوپر نکال دی گئی ہین کہ یہ میدان حملہ کرنے والے حریف کے
لیے ایک رُکاوٹون کی بھول بھلیان بن گیا ہے - جس کا نتیجہ یہ ہے کہ باہر سے آنے
والے کو سوار ہو یا پیدل بڑی دشواریون سے پھاٹک تک پہونچنا ہوتا ہے -

مولانا عبدالرزاق نے فصیلون اور قلعہ بندیون کے لحاظ سے بیجا نگر کو ہرات
کے مماثل بتایا ہے - مگر کہتے ہین کہ یہ شہر پھیلاؤ مین اور وسعت مین ہرات سے
دس گُنا زیادہ ہے - اس کے بعد لکھتے ہین کہ بیجا نگر کی فصیلین گول اور دائرے کی
شکل مین ہین جو پتھر اور چونے سے بنائی گئی ہین - جن مین ہمیشہ پہرہ رہتا ہے - پہرے
والے محصول وصول کرنے کے لیے آنے والے کے مال و اسباب کو بہت غور اور
جستجو سے دیکھتے ہین - اس مین اُن سے ذرا بھی غفلت نہین ظاہر ہوتی -

جب ساتون فصیلون کو طے کر کے شہر کے وسط مین پہونچیے تو راجہ کا عالیشان
قصر ہے - ہر بازار کے سامنے کے رُخ پر ایک بلند سلسلہ برآمدون کا چلا گیا ہے جو نہایت
ہی شاندار اور خوشنما ہین - مگر راجہ کا محل سب سے زیادہ بلند ہے - بازارون کی
سڑکین بہت چوڑی اور لمبی ہین اتنی چوڑی کہ گل فروش اگرچہ اپنے دوکانون کے
آگے تختہ بچھا کے مقررہ حد عمارت سے آگے بڑھ آتے ہین مگر پھر بھی اتنی گنجایش
رہتی ہے کہ سڑک کے دونون پہلوؤن پر وہ کامیابی سے گل فروشی کر سکتے ہین -
خوشبودار پھول یہان ہمیشہ تازہ اور شاداب ملا کرتے ہین اور اُن کی اس قدر

مانگ ہے اور کثرت سے بکتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے وہ انسانی زندگی کے لیے لازم ہوگئے ہین اور انسان بغیر اُنکے زندگی بسر نہین کر سکتا ہے -

مختلف چیزون اور طرح طرح کے سامان کے دوکاندار یہان پہلو بہ پہلو کاروبار کرتے ہین اور سب کی دُکانین برابر ملتی چلی گئی ہین - انھین کے درمیان جوہریون کی دُکانین ہین جو یاقوت - موتی - ہیرا - پنّا - اور کُل جواہرات فروخت کرتے ہین - اور اُن کا مال علانیہ بازار مین ڈھیر رہتا ہے - اس کی ضرورت نہین کہ چھپا کے رکھین -

وہ دلکش حصۂ شہر جس مین راجہ کا قصر ہے اُس مین بہت سی نہرین اور چشمے جاری ہین جو پہاڑون سے کاٹ کے لائے گئے ہین - اور شہر مین اُن کے دونون جانب پتھرون کو کاٹ کے اُن پر ایسا نفیس لعاب پیدا کر دیا گیا ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے -

ایوان شہریاری کے داہنے پہلو پر دیوان خانہ یعنی وزارت کا دفتر ہے - یہ ایک نہایت ہی شاندار عمارت ہے جو ستونون کی کثرت سے چہل ستون کی سی معلوم ہوتی ہے - اُسکے سامنے ایک برآمدہ ہے جو زمین سے قدآدم سے زیادہ بلند ہے - اسکو اوپر چڑھ کے دیکھیے تو ۳۰ گز لمبا اور ۶ گز چوڑا ہے - یہین دفتر کے کاغذات رہتے ہین اور دفتر کے منشی بیٹھے نظر آتے ہین -

یہان دو طرح کی تحریرون کا رواج ہے - اول ناریل کے پتون پر جو دو گز لمبے اور دو دو اُنگل چوڑے ہوتے ہین اُن پر ایک فولادی نوکدار سلائی سے حرفون کو کھود دیتے ہین - مگر اس تحریر کو زیادہ قیام نہین رہتا - دوسرا طریقۂ تحریر یہ ہے کہ کپڑے وغیرہ کسی چیز کی سطح کو سیاہ کر دیتے ہین اور اُسپر ایک نرم پتھر کی پنسل سے سفید حرف بنا دیتے ہین - یہ تحریر دیرپا ہے اور اس کی یہان کے لوگون مین زیادہ قدر ہے -

غرض اسی ستونون والے دیوان خانے کے آخر مین ایک شہ نشین ہے جس پر ایک خواجہ سرا جو نائک کہلاتا ہے تنہا بیٹھا رہتا ہے - یہی سلطنت کا وزیر اعظم ہے - اُسکے سامنے شہ نشین کے نیچے داہنے بائین دونون جانب گُرز بردار صفین باندھے کھڑے رہتے ہین - جو شخص فریاد کرنے یا داد خواہی کے لیے آتا ہے گُرز بردارون کی صفون سے نکل کے پہلے کوئی معمولی چیز نذرانے کے طور پر پیشکش کرتا ہے - پھر زمین پر

گر کے زمین بوس ہوتا ہے۔ اُس کے بعد مودب کھڑے ہو کر اپنی درخواست پیش کرتا ہے۔ کسی شخص کی مجال نہیں کہ اُس کے فیصلے سے سرتابی یا کسی قسم کی مزاحمت کرے۔

ونائک کو جب راجہ سے ملنا ہوتا ہے تو اُس شہ نشین سے اُٹھتے ہی بہت لوگ مختلف رنگوں کے چتر لے کے دوڑتے ہیں۔ جن میں سے ایک تو اُس کے سر پر سایہ افگن ہوتا ہے باقی جلوس کے طور پر ہمراہ رہتے ہیں۔ اُس کے چلتے ہی ترہیان بجنے لگتی ہیں۔ بھاٹ بہ آواز بلند قصیدہ خوانی شروع کر دیتے ہیں۔ راجہ کے دربار تک اُس کو سات پھاٹک طے کرنا پڑتے ہیں۔ ہر پھاٹک پر پہرہ رہتا ہے۔ اور ونائک کے ہمراہی چتروں میں سے ایک ہر پھاٹک پر رُک جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ساتویں پھاٹک پر جتنے چتر باقی رہ گئے ہوں اور دیگر جلوس والے سب ٹھہر جاتے ہیں۔ اور ونائک تن تنہا دربار خسروی میں حاضر ہوتا ہے۔ وہاں وہ مہمات ملکی کو پیش کرتا اور عرض معروض کرتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آجاتا ہے۔ ونائک کا مکان راجہ کے محل کے پچھواڑے ہے۔

دار الخلافت اسلام

چونکہ خلافت اسلام کا مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوا چاہتا ہے لہذا خلافت کی تاریخ کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دار الخلافت اسلام کے تغیرات و انقلابات سے بھی ہم مسلمانوں کو آگاہ کریں۔

حضور سرور عالم صلعم نے چونکہ اپنے دار الہجرت مدینۂ طیبہ میں سفر آخرت فرمایا لہذا اسلام کا پہلا دار الخلافت وہی محترم شہر قرار پایا۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد میں جب مصر و عراق کے بیرونی مفسدوں کی سازشوں اور کج ادیوں سے سارا دربار خلافت ایک طوفان زدہ کشتی کی طرح ڈگمگا رہا تھا جناب معاویہؓ نے حضرت خلافت مآبی کو مشورہ دیا کہ آپ مدینے کو چھوڑ کر دمشق میں چلے آئیے یا اپنی حفاظت کے لیے ایک باضابطہ فوج دیجیے جس کو میں شام سے بھیجدوں گا مگر جناب ذی النورینؓ نے کمال بے نفسی سے یہی جواب دیا کہ نہ میں جوار رسول اللہ صلعم کو چھوڑوں گا اور نہ اپنی حفاظت کے لیے کوئی فوج مقرر کر کے جوار رسول خدا

صلعم کے لوگوں کو سختی میں مبتلا کروں گا۔" انجام یہ ہوا کہ مفسدان مصر و عراق کے نرغے میں پڑ کر آپ کمال مظلومی کے ساتھ شہید ہوئے۔ اور مسند خلافت کو ابن عم رسول اللہؐ علیؓ مرتضیٰ نے زینت دی۔

جمل اور صفین کی لڑائیوں نے حضرت علیؓ کو دار الہجرت مدینہ سے نکالا۔ مگر یہ ایک سخت غلطی تھی جس پر حضرت علیؓ مرتضیٰ وقتی مصالح اور اقتضائے زمانہ سے مجبور ہو گئے۔ سچ یہ ہے کہ اگر حضرت علی مرتضیٰؓ مدینے سے نہ نکلتے تو باغیوں اور سرکشوں کا بھی اسی طرح استیصال ہو جاتا جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں مرتدوں اور مدعیان نبوت کا ہوا تھا۔ اور خلافت بھی ہمیشہ کے لیے بیرونی آفتوں سے محفوظ و مامون ہو جاتی۔ اس لیے کہ حجاز کی سرزمین سے زیادہ کوئی مرکز سلطنت بیرونی آفتوں سے مامون نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی بدقسمتی سے حضرت علیؓ کے زمانے میں کوفے کا سا بدنام شہر مرکز اسلام قرار پا گیا جہاں کی بیوفائی اور دغا بازی ضرب المثل ہے۔ اور اسی کا سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے عہد میں خلافت کو باوجود حریفوں پر غالب آنے اور فتحیں حاصل ہونے کے نا کامیابی حاصل ہوئی اور نہ کوفہ ایک گھڑی کے لیے بھی ایسا مرکز اسلام اور دار الخلافت بن سکا کہ ساری قلمرو اسلام اسکی مطیع فرمان ہو۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے چند ہی روز بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت سے دست بردار ہو کر معاویہؓ کی خلافت تسلیم فرمائی تو آپ پھر مدینۂ طیبہ میں آ کر عزلت گزین ہو گئے۔ اور معاویہ چونکہ دمشق میں رہتے تھے لہذا اسی سال سے شام کا قدیم ترین شہر دمشق اسلام کا دار الخلافت قرار پا گیا۔

حضرت معاویہؓ سے خلافت بنی اُمیہ کا دور شروع ہوا۔ اور اس دور میں آخر تک دار الخلافت اسلام دمشق ہی رہا اور تمام خلفائے بنی امیہ نے اپنا دربار اسی پُر فضا شہر میں قائم رکھا۔ اگرچہ خلیفہ ہشام نے شہر رصافہ میں سکونت اختیار کی تھی اور خلیفہ عمر ابن عبد العزیز نے شہر خناصرہ کو اپنا مستقر قرار دیا۔ مگر ان دونوں خلیفوں کے عہد میں بھی اُن کا ذاتی مسکن چاہے کہیں ہو دربار خلافت کا مرکز و مستقر دمشق ہی رہا۔

جب زمانے نے بنی اُمیہ کا ورق اُلٹا اور بنی عباس کا عہد شروع ہوا تو اُنکے پہلے خلیفہ سفاح کا مرکز خلافت دولت عجم کا قدیم شہر انبار تھا۔ اسکے بعد جب دوسرا عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور مسند خلافت پر بیٹھا تو اُس نے پہلے شہر ہاشمیہ مین قیام کیا بعد ازان دجلہ کے کنارے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی اور اُس شہر کو اپنا دار الخلافت قرار دیا۔ اب اسوقت سے اِس اسلامی دربار کا مرکز و مستقر یہی شہر بغداد تھا۔ المعتصم باللہ نے جو مامون رشید کے بعد ہوا تھا۔ شہر سُر من رائے (سامرہ) کی بنیاد ڈالی۔ اور دربار خلافت کو اُس مین منتقل کر لیا۔ اسکے بیٹے ہارون الواثق باللہ نے اپنے نام سے شہر ہارونیہ آباد کیا۔ اور دربار خلافت کو اُس مین لے گیا۔ پھر اسکے بھائی جعفر متوکل نے ہارونیہ کے پہلو مین جعفریہ کو بسایا۔ خود اُس مین رہا اور دربار خلافت کو بھی اُسی نئی بستی مین بُلا لیا۔

متوکل کے بعد جب المعتمد علی اللہ کا زمانہ آیا تو اُس نے پھر بغداد کی سکونت اختیار کی اور پھر دربار خلافت کو اپنے اگلے مرکز دار السلام بغداد مین جگہ ملی۔ اس کے بعد سے خلفا بغداد ہی مین رہے۔ اور آخری خلیفہ المستعصم کے زمانے تک بغداد ہی مرکز اسلام اور دار الخلافت رہا۔ یہان تک کہ تاتاریون نے وہان کے تمام رہنے والون کو قتل کیا اور عمارتون کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور اس قدر پامال کیا کہ اپنے نزدیک اس قدیم عباسی دار الخلافت کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

بعد ازان جب مصر مین ایک عباسی خلیفہ زادے نے دعوائے خلافت کیا اور وہان کے سلطان اور عالمون اور قاضیون نے اُسکے نسب اور حق کو تسلیم کر لیا تو وہان ایک نئی خلافت قائم ہو گئی جو سطوت و حکومت سے معرٰی تھی مگر اس کا حق رکھتی تھی کہ مسلمان سلاطین ارض کی حکومتون کو تسلیم کرے اور اُنھین معزز خطابون سے سرفراز کرے۔

بہر حال اُسوقت سے خلافت عباسیہ کا مرکز و مستقر مصر کا شہر قاہرہ ہو گیا۔ یہ دربار خلافت مصر مین ۶۵۶ھ مین آیا تھا۔ ۲۶۷ سال تک وہان رہا۔ جبکہ سلاطین مصر بہ اعتبار عزت و حرمت اُنکے ماتحت اور بلحاظ حکومت اُنکے حاکم تھے۔ خلفا کی فلاح کا دارومدار انکی رضامندی و مرحمت پر تھا۔ آخر ۸۔ محرم ۹۲۳ھ کو دولت عثمانیہ

آشکارا کر دین - اور اُن مین سے کسی بات کو ہرگز مخفی نہ رکھین ؟ یہ کہکے ابو خازم اپنے گھر چلے آئے -

گھر آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دربار خلافت کا چوبدار ہدیے کے طور پر بہت سے دینا رو درہم لیکر حاضر ہوا اور کہا "یہ دولت امیرالمومنین نے آپ کو عطا فرمائی ہے"-
ابو خازم اُس کو دیکھ کر ہنسے اور کہا " ان روپیون اور اشرفیون کو واپس لے جاؤ - اور میری طرف سے کہو کہ امیرالمومنین - اس چیز کا آپ کے پاس رہنا تو مجھے پسند ہی نہین ہے پھر بھلا اپنے پاس رکھنا کیسے گوارا کرون گا ؟" پھر چند شعر پڑھے جن کا مختصر مضمون یہ تھا کہ " دنیا کے گھرون کو تو نے مضبوط کیا اور آخرت کے گھر کو اُجاڑ ا مگر تھوڑے ہی زمانے کے بعد دنیا کے بارونق و عالیشان مکانون کو چھوڑ کے اُس اُجاڑ کھنڈر کو روانہ ہو گیا - کاش تو نے دار باقی کو مضبوط کیا ہوتا اور اس نقصان کے گھر کی پروانہ کی ہوتی "-

جپسی (یا چنگوئین)

یورپ و مغربی ایشیا مین ایک خانہ بدوش پُر اسرار گروہ دشت و در کی خاک چھانتا اور ملکون ملکون پھرتا رہتا ہے - جو لوگ ہر جگہ مختلف نامون سے اور یورپ مین "جپ سی" کے لقب سے مشہور ہین - چند روز پیشتر یہ بے خانمان لوگ جرائم پیشہ اور نہایت خطرناک خیال کیے جاتے - انکی عورتین حسین و خوبرو اور بڑی چست و چالاک ہوتی ہین جو ہتھیلیان دیکھ کر لوگون کی قسمت کا حال اور غیب کی باتین بتایا کرتی ہین - اور اگلے دنون اکثر بچون کو پکڑ لے جاتین - چنانچہ انگلستان مین آج تک مائین بچون کو ڈرایا کرتی ہین کہ " باہر جاؤ گے تو جپسی پکڑ لے جائین گے "-
جپسی کے لفظ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ ایجپشین کا بگاڑ ہے - جسکے معنی "مصری" کے ہین - اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ پہلے پہل ۱۴۲۷ء مین جب یہ لوگ فرانس کے دارالسلطنت مین نظر آئے تو یہ ظاہر کیا کہ ہم مصر کے رہنے والے ہین - مسلمانون نے ہم کو اپنے وطن سے نکال کے خانمان برباد کر دیا - چنانچہ ہم مسیحی پناہ گزین ہین اور اپنے گناہون سے توبہ کر لی ہے -

لیکن اب تحقیق و تدقیق کے بعد محققین کی یہ رائے قائم ہوئی ہے کہ یہ لوگ اُس قوم کی یادگار ہین جو چھ سات سو برس پہلے ہندوستان سے یورپ مین گئی تھی۔ اُنکی زبان جس کو اُنھون نے بیرونی اثر سے بہت کچھ محفوظ رکھا ہے علم الالسنہ کے شایق کو سنسکرت سے پہلے کا زمانہ یاد دلاتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی زبان سنسکرت کی ایک اگلی مگر مبتذل اور بازاری بہن ہے۔ ہندی کے پُرانے الفاظ اس مین کثرت سے بھرے ہوے ہین کہ ذہین وطباع جپسی ہندوستان کی زبان کو سمجھ لیتے ہین۔ خود وہ اپنی زبان کی نسبت یہ دعوے کرتے ہین کہ وہ رومانی یعنی رومانیہ کی زبان ہے مگر بگڑی ہوئی رومانی۔

یہ لوگ بارہوین صدی عیسوی کے آغاز مین ارض مشرق سے چل کر ممالک یورپ مین داخل ہوے۔ اور سب سے پہلے اُن کا تذکرہ توراۃ کی پہلی کتاب "تخلیق عالم" کی شرح مین پایا جاتا ہے جس کو ایک جرمن پادری نے ۱۱۲۲ء مین تصنیف کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ لوگ اسماعیلی بُرجی ظروف بنانے والے ہین جو مکاری اور بدنیاتی کے کرتوتون مین مشہور ہین۔"

اسکے تقریبًا دو سو برس بعد غالبًا تیمور کے حملون اور فتوحات کے باعث یہ قوم پہلے سے زیادہ تعداد مین اپنا وطن چھوڑ کے چلی۔ اور اُس مین کے زیادہ آدمی ہنگری مین رہ پڑے۔ مگر اُسی وقت جرمن سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کے اکثر علاقون مین بھی یہ لوگ پھرتے نظر آئے۔ سوئٹزرلینڈ کا ایک پادری اشمیٹ لکھتا ہے کہ ۱۴۲۲ء مین چودہ ہزار جپسی شہر باسل مین موجود تھے۔ ۱۴۲۷ء مین جب پیرس مین نظر آئے تو اُنکی تعداد صرف ایک سو بیس تھی۔ اُن کی اُسوقت کی حالت ایک فرانسیسی مورخ یہ بیان کرتا ہے کہ "کان چھدے ہوتے ہین جن مین چاندی کی دو دو بالیان پہنے ہوتے ہین۔ بال سیاہ اور گھونگھر والے ہین۔ عورتین کسی قدر میلی کچیلی رہتی ہین مگر وہ سب جادوگرنیان ہین۔ لوگون کو اُنکی آیندہ زندگی کا حال بتایا کرتی ہین۔ اور اپنے متعلق یہ لوگ طرح طرح کی روایتین بیان کرتے ہین جن مین سے ایک یہ ہے کہ ہم نے یوسف نجار اور مریم عذرا کی کافی مہمانداری نہین کی جسکی پاداش یہ ملی کہ مسلمانون نے ہمین مصر سے نکال دیا۔ اور ساری دنیا مین خاک چھانتے پھرتے ہین۔"

یہ لوگ روس کے اکثر علاقون مین پائے جاتے ہین وہان ان کا اصلی کام گھوڑون کی تجارت کرنا ہے - ماسکو مین بہت سے جپسیون نے خانہ بدوشی وآوارہ گردی چھوڑ کے سکونت اختیار کر لی ہے - عالیشان مکانون مین رہتے اور خوشنما نفیس گاڑیون پر سوار ہو کے نکلتے ہین - وہان یہ لوگ ظاہری شکل وشمائل اور وضع وقطع مین تو عالی مرتبہ رؤسائے روس سے کم ہین مگر دماغی قابلیت اور فن موسیقی مین خاص قسم کی نمود اور شہرت رکھتے ہین - ان کی عورتون کی خوش آوازی اور گلے بازی مشہور ہے - مسٹر رالسٹن کہتے ہین کہ جس کسی نے کبھی ان نازنینون کا دلکش گانا سن لیا ہے وہ اُن کی نغمہ سنجی وسحر طرازی کا زندگی بھر مشتاق رہتا ہے "

ہنگاریہ کے جپسی اکثر میلے کچیلے اور پھٹے پُرانے کپڑے پہنے رہتے ہین - مگر ہمیشہ خوش وخرم اور موسیقی کے بڑے شایق نظر آتے ہین - گھوڑون کی تجارت مین اُنھین خاص ملکہ ہے - اور بعض نے لوہاری یا سناری کا پیشہ بھی اختیار کر لیا ہے - اُن کی عورتین ہتھیلی دیکھ کر قسمت کا حال بتاتی ہین - زن ومرد دونون چوری سے باز نہین آتے جس بارے مین اُنکی اصلاح غیر ممکن ہے -

مگر جپسیون کا اصلی مسکن دولت عثمانیہ کی قلمرو خصوصاً یوروپین ٹرکی ہے - واقعہ یہ ہے کہ جپسی لوگ ایشیائے کوچک سے یوروپین ٹرکی مین پہونچے - اور وہان سے سارے یورپ مین پھیل گئے - جیسا کہ اُنکی زبان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے - ٹرکی مین جپسیون کی اس قدر کثرت ہے کہ گویا اُن کا اصلی گھر اور وطن یہی سرزمین ہے - بعض خاندانون کی سیر وگشت کسی ایک صوبے کے اندر محدود رہتی ہے - بعض کی صرف مشرقی یا مغربی حصہ سلطنت کے تمام صوبون مین ہے - قلمرو عثمانیہ کے جپسیون کی وضع قطع اور اُن کے خط وخال قریب قریب ویسے ہی ہین جیسے یورپ کے جپسیون کے ہوا کرتے ہین - ترکی مین اُن کی بعض لڑکیان اپنے عہد شباب مین ایسی حسین ونازک اندام وگلفام ہوتی ہین کہ دنیا مین کہین اُن کا جواب نہین نظر آسکتا - مگر افسوس اُن کے حسن وشباب کو قیام نہین - جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جگہ دھوپ مین ماری ماری پھرتی ہین - ادنیٰ درجے کے کام کاج اپنے ہاتھون سے کرتی ہین - اور اس سے بھی بڑھ کر شامت یہ ہے کہ سڑکون پر ناچنا گانا - اور

بدکاری و عصمت فروشی اُن کا پیشہ ہے۔
ترکی کے جپسی علی العموم مسلمان ہین مگر اُن کی حالت کو دیکھیے تو نظر آتا ہے کہ نام ہی کے مسلمان ہین۔ مسلمانون کی کوئی خصلت اُن مین نہین پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنی اصلیت کے متعلق ایک عجیب روایت بیان کرتے ہین۔ جو حسب ذیل ہے۔

اپنے آغاز آوارہ گردی مین ہم لوگ دریاے مہران (دریاے سندھ کا نام قدیم جغرافیہ نویسانِ عرب مہران بتاتے ہین) کے کنارے پہونچے۔ اس دریا نے آگے کا راستہ روک دیا تو وہین ٹھہر گئے۔ اور ایک کل بنائی جو پہیے سے چلتی تھی۔ مگر لاکھ کوشش کی پہیہ کسی طرح نہ چلا۔ اسی فکر مین تھے کہ ایک شیطان کسی مقدس ولی یا ساحر کی صورت مین آیا اور ہمارے سردار چین کو اتنا بہکایا کہ اُس نے اپنی سگی بہن کونین کو جورو بنا لیا۔ انھین بہن بھائیون کی نسل سے ہماری ساری قوم نکلی۔ اس ناجائز شادی کی خبر اُس جوار کے ایک مسلمان ولی اللہ کو ہوئی تو اُس نے ان دونون میان بیوین اور ان کی نسل کو بددعا دی کہ "تم لوگ دُنیا کی ساڑھے ستتر قومون مین سے ایک مین بھی شامل نہ ہو سکو گے۔ بلکہ ذات باہر لوگون کی طرح دنیا کے چارون کونون مین مارے مارے پھروگے۔ ہمیشہ بے خانمان محتاج اور شامت زدہ رہو گے۔ کبھی اپنی محنت کا پھل نہ کھاؤ گے۔ نہ دولتمند بن سکو گے۔ اور جیسی عزت انسانون کو حاصل ہوا کرتی تم کو کبھی نہ نصیب ہو گی۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مسلمان جپسیون کو خیرات دینا بھی نہین جائز سمجھتے ہین چنانچہ ایک ترکی ملا صاحب نے ایک بار ماہ مبارک رمضان مین وعظ کرتے وقت فرمایا "مسلمانو۔ خیرات دو۔ اپنی تھیلیون کے مُنہ کھول دو۔ غریب الوطنون کی خبر لو محتاجون کو کھانا کھلاؤ۔ مسلمان اور عیسائی سب کی دستگیری کرو۔ مگر خبردار کسی چنگانین (جپسی) کو نہ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ جو لعنت اُن پر پڑی ہے تم پر بھی نازل ہو جائے۔"

جیسی نفرت عام لوگون کو اُن سے ہے ویسی ہی جپسیون کو اُن لوگون سے ہے جو شہرون مین رہتے ہین یا اُنکے خلاف کسی جگہ بس گئے ہین۔ جپسی اپنی اصطلاح مین مسلمانون کو "خوراخائی" عیسائیون کو "بالامانو"۔ اور جو جپسی مسلمان ہین اُن کو "خوراخائی روم" اور جو مسیحی ہین اُن کو "بالامانو روم" کہتے ہین۔ اور تمام دنیا کے آدمیون

کو جو جپسی نہین ہین غاچین کے نام سے یاد کرتے ہین۔

یہ بھی جپسیون کی عجیب وضع ہے کہ اُن کو خیرات دو تو یہ ہرگز نہ کہین گے کہ جیتے رہو بلکہ دعا دین گے کہ "تمھارا گھوڑا مدتون جیتا رہے"۔

دیگر ممالک کی طرح قلمرو عثمانیہ مین بھی بار بار کوشش کی گئی کہ یہ لوگ کسی خاص مقام مین ٹھہرا کے بسا دیے جاین مگر بہت ہی کم کامیابی ہوئی۔ سلطان مراد رابع نے ایک فرمان کے ذریعے سے حکم جاری کر دیا تھا کہ یہ لوگ علاقہ کوہستان بلقان مین اقامت اختیار کر کے کاشتکاری کا پیشہ اختیار کرین۔ اس حکم کے باعث یہ تو ضرور ہوا کہ یہ لوگ بلقان کے پہاڑون مین بکثرت ٹھہر گئے۔ چنانچہ اُنھین کے باعث کوہ بلقان "چنگوئین بلقان" مشہور ہو گیا۔ مگر وہان بھی یہ جپسی اُسی طرح گانون گانون مارے مارے پھرتے ہین جس طرح اور ملکون مین۔

ان چنگوئین لوگون کے تقریباً ۱۴۰ خاندان قسطنطنیہ اور اُسکے نواح مین اور ۲۰۰ خاندان ایڈریانوپل کے اطراف مین آباد ہو گئے ہین۔ مگر باہر کی خاک چھاننے کا ذوق و شوق اُن مین بھی اس قدر ہے کہ بجز سونے کے وقت کے اُن کے تمام زن و مرد بوڑھے بچے سب گلی کوچون مین مارے مارے پھرتے ہین اور جن گھرون مین جا کے رہتے ہین وہ بدویون اور صحرائی قومون کے خیمون سے بھی زیادہ بے سامان اور خستہ و خراب ہوتے ہین۔

اُن کی خوبصورت و دلربا لڑکیان قسطنطنیہ مین اور اور بڑے شہرون مین سڑکون پر جا بجا ناچتی پھرتی ہین۔ اُن کے چہرے نقاب کی آڑ مین ہونے پر بھی کچھ ڈھکے کچھ کھُلے رہا کرتے ہین۔ اور نہایت ہی شوخ و بیباک ہوتی ہین۔ یہ عورتین ترکون مین "غیوونڈی" کے نام سے مشہور ہین۔ شادیون اور تمام خوشی کی تقریبون مین یہ شرفاے ترک کے زنان خانون مین جا کے طبل اور جکارے پر ناچتی ہین۔ ماسوا اسکے اُن کے مرد جب بندر اور ریچھ نچاتے ہوے قریے قریے کی گشت لگاتے ہین تو عورتین اُنکے ساتھ بھی پھرتی رہتی ہین۔ اور کبھی اپنی دلچسپی کے لیے ایک جگہ جمع ہو کر ایک قومی ناچ ناچتی ہین جو اُن کے لیے نہایت دلچسپ ہوتا ہے اور اُس مین مرد عورت سب شریک ہوتے ہین۔

اُنکے صحیح مذہب و عقائد کا پتہ لگانا غیر ممکن ہے - اگرچہ دولت عثمانیہ کی قلمرو کے اکثر جپسی مسلمان ہین مگر حالت یہ ہے کہ جس قوم کے پاس اُن کا قیام ہوتا ہے اسی کے مذہب کو اختیار کر لیتے ہین - جب تک مسلمانون مین ہین مسلمان ہین - اور جب عیسائیون مین گئے عیسائی بن گئے - مسلمانون مین ہوتے ہین تو بچون کا ختنہ کراتے ہین مگر جب مسیحیون کے گروہ مین ہوتے ہین تو بچون کو بپتسمہ دلواتے ہین - یہی حالت ذبیحے کے متعلق ہے - مُردار چیز کے کھانے مین تامل نہین کرتے - اور اُن کا یہ قول سب لوگون مین مشہور ہے کہ "انسان کے ہاتھ کی ماری ہوئی چیز سے خدا کے ہاتھ کی ماری ہوئی چیز اچھی ہے" - اسی طرح جب ایسے مقام مین ہون جہان مسلمانون کا اثر ہو نہ عیسائیون کا - تو بالکل آزاد اور دونون مذہبون کے فرائض و احکام سے بے پروا ہو جاتے ہین -

ترکون اور بلغاریون مین اُنکے مذہب کی نسبت نہایت ہی بامذاق روایت مشہور ہے کہ "جب اقوام عالم کو مذاہب و شرائع تقسیم ہوے تو اُن شرعی قوانین کو کسی نے تختیون پر - کسی نے پتھر کی سلون پر - کسی نے لوہے تانبے یا پیل کی دھون پر اور کسی نے کاغذ پر لکھ لیا - مگر جپسیوں نے لوگون نے حماقت سے اُن کو کرم کلے کے پتے پر لکھا - تھوڑے ہی دنون بعد اُس پتے کو کسی مسلمان کا گدھا کھا گیا - اور وہ بے شریعت و مذہب رہ گئے - نہ اپنا کوئی ذاتی مذہب رکھتے ہین نہ خدا"

جپسیون مین زیادہ نمایان و ممتاز چیز اُن کی عورتین ہین - اُن کی خوبصورتی کا حال تو ہم بیان کر چکے مگر سحر نگاہی کے ساتھ وہ سب سے زیادہ خوفناک جادوگرنیان ہوتی ہین - جاہل ترکی و بلغاری گھرانون کی عورتین اُن سے نہایت ہی خوف کھاتی ہین سب کو یقین ہے کہ اُن قتالۂ عالم سحر آفرینون کے قبضے مین بہت سے مافوق العادت قوت والے بھوت پریت ہوتے ہین جن کے ذریعے سے وہ جس کو چاہین نقصان پہنچا دیا کرتی ہین - یہ بھی سب کو یقین ہے کہ قیامت کے دن نزول مسیحؑ سے پہلے جب دجال آئے گا تو یہ جپسی عورتین ڈائنون کی طرح اُسکے ہمراہ ہون گی - اور مسیحؑ کے دوستون کے بچون کو پکڑ پکڑ کے کھائین گی - بہت سے شریر لوگ اُن سے جادو سیکھا کرتے ہین -

یہ نازنین اور چالاک عورتین علی العموم جہان جاتی ہین قسمت کے آیندہ حالات اور غیب کی باتین بتایا کرتی ہین - یہ کام کئی طریقون سے کرتی ہین - ہتھیلی دیکھ کر -

کارڈون کے ذریعے سے - اور ایک آئینے مین دیکھ کر جو ایک ٹین کے صندوقچے مین لگا ہوتا ہے - اُنکھین دعوے ہے کہ اس آئینے مین اُن کو جن اور بھوت نظر آیا کرتے ہین -

جپسی لوگ چونکہ کسی ایک جگہ بہت کم قیام کرتے ہین - اس لیے اُنکی تقریبون اور جلسون کا بہت کم پتہ چلتا ہے - تاہم اُن مین ایک قومی تقریب نہایت جوش و خروش اور لطف و مسرت کی ہوتی ہے - یہ تقریب جس کو وہ لوگ "کگاوا" کہتے ہین ہر سال جب وہ لوگ اپنے جاڑون کی اقامت گاہون کو چھوڑتے ہین اور سرگردانی کے لیے دیگر اطراف کی راہ لیتے ہین تو جاتے وقت کسی مناسب جگہ وہ اس جشن کو منالیا کرتے ہین - چند خاندان والے مل کر ایک سبزہ زار و مرغزار قرار دے لیتے ہین - جو مسلمانون اور مسیحیون کی آبادی سے دُور اور کسی نہر یا چشمے کے کنارے واقع ہو - اور دن اور تاریخ مقرر ہو جاتی ہے - مقررہ ایام مین وہ سب وہان پہونچ جاتے ہین اور قرب و جوار مین جو اور جپسی مل جاتے ہین اُن کو بھی بُلا کے شریک کر لیا کرتے ہین -

سب کے جمع ہو جانے کے بعد یہان مسلسل تین روز تک جشن منایا جاتا ہے - ہر خاندان کا بڑا شخص ایک ایک بھیڑ ذبح کرتا ہے - کھانے پکتے ہین - دسترخوان پھولون اور طرح طرح کی آرائشون سے سجا جاتا ہے - اور کھانے کے ساتھ شراب ارغوانی کا دَور چلتا ہے - تمام دنیوی نزاعین اور باہمی جھگڑے اُٹھا رکھے جاتے ہین - اور تمام زن و مرد - بوڑھے بچے - اور جوان لوگ خوب خوب آزادیان دکھاتے - ناچنے کودتے - اور خوشیان مناتے ہین - اور بجز گانے بجانے ناچنے - کھیل تماشے - اور کھانے پینے کے کوئی مشغلہ نہین ہوتا -

جب اس جشن کو پورے تین دن گذر جاتے ہین تو سب لوگ ایک صحبت مین جمع ہوتے ہین اور ہر شخص "چیر باشی" یعنے اپنے اُس سرغنا کو جو سلطنت کی جانب سے اس جشن طرب مین مجرمانہ حرکتین نہ ہونے کا ذمہ دار قرار پاتا ہے تھوڑا تھوڑا خفیف سا چندہ دیتا ہے - اسکے بعد تمام باہمی جھگڑون کا فیصلہ پنچایت کے طور پر ہوتا ہے جن کے سطے ہوتے ہی سب اپنی اپنی راہ لیتے ہین - اور یہ تقریب ختم ہو جاتی ہے

برِ اعظم یورپ سے گذر کے جپسی انگلستان میں پہونچ گئے - انگلینڈ ایسا سرد ملک ہے کہ وہاں کوئی شخص گھر کے باہر سڑکوں پر پڑ کے زندگی نہیں بسر کر سکتا جس کی وجہ سے وہ سرزمین جپسیوں کی خانہ بدوشی کے لیے نہایت ہی غیر موزوں و نامناسب ہے مگر وہ لوگ اس جزیرے میں بھی موجود ہیں اور اُنکی بند گاڑیاں اور چھوٹے خیمے ایک یا دو روز سے زیادہ کسی ایک مقام پر مقیم نہیں نظر آتے -

شروع میں جب یہ لوگ انگلستان پہونچے تو بہت ستائے گئے مگر چند روز میں اُن کے ستانے والے خود ہی تھک کے بیٹھ رہے - اور اب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُنھیں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے کی ایک طرح سے اجازت دیدی گئی ہے - انگلستان کے قانون کے مطابق جو شخص آوارہ گردی کی زندگی بسر کرتا ہو مجرم ہے - مگر ان لوگوں کی طرف سے چشم پوشی کی جاتی ہے - کیونکہ تجربے سے یہ ثابت ہو گیا کہ انگلستان کا قانون اُنھیں اس قسم کی زندگی بسر کرنے سے باز نہ رکھ سکا -

روس کی طرح انگلستان میں بھی جپسی مرد گھوڑوں کی تجارت کرتے ہیں - اور عورتیں ہاتھ دیکھ کے آیندہ قسمت کا حال بتاتی ہیں - مگر جب اس طرح کافی روپیہ نہیں ملتا تو اپنی بسر اوقات کے لیے یہ لوگ دوسرے پیشے بھی اختیار کر لیتے ہیں بعض دیہاتوں میں نکل جاتے ہیں اور کاشتکاروں کے تانبے اور ٹین کے برتنوں کی مرمت کرنے لگتے ہیں -

انگلستان سے گذر کے بعض جپسی امریکہ میں بھی جا پہونچے ہیں - وہاں اُنکی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے - اور وہ وسیع ملک اُن کی خانہ بدوشی کی زندگی کے لیے بہت موزوں ثابت ہوا - وہاں یہ لوگ دیگر مقامات سے زیادہ خوش حال ہیں دوسرے ملکوں کی طرح وہاں کوئی جپسی بھیک مانگتا نہیں نظر آتا -

جپسیوں کا دراصل کوئی مذہب نہیں جن لوگوں میں رہتے ہیں اُنھیں کے سے عادات و اطوار اختیار کر لیا کرتے ہیں اور اپنے متوفی آبا و اجداد کی انتہا سے زیادہ عظمت کرتے ہیں یہی اُن کا اصلی عقیدہ ہے اُنکی یاد میں اکثر ایک خاص قسم کے کھانے پینے کی چیز کو چھوڑ دیا کرتے ہیں - بعض جپسی ایسے ملے ہیں جنھوں نے اپنے باپ یا بڑے بھائی کی یادگار میں برسوں سے وہ غذا نہیں چکھی تھی جو اُنھیں سب سے زیادہ عزیز تھی -

سکندرِ اعظم اور ہندوستان کا ایک علمی دربار

سکندرِ اعظم کے اگرچہ بہت سے حالات ہمین انگریزی مورخون کے ذریعے سے معلوم ہوے ہین مگر پھر بھی بعض قدیم مورخین عرب نے اگلی یونانی روایتون سے لے کے بعض ایسے واقعات بتا دیے ہین جن کا پتہ ہمین انگریزی کتابون مین نہین لگ سکا - اس قسم کا ایک واقعہ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب "مروج الذہب" مین لکھا ہے - وہ فرماتے ہین کہ پنجاب کے راجہ "فور" (پورس) پر فتحیاب ہونے کے بعد جب سکندر قرب جوار کے تمام راجاؤن کو اپنا مطیع و منقاد بنا چکا تو اُس نے لوگون سے آگے کی کیفیت دریافت کی - معلوم ہوا کہ مشرق مین اور ہندوستان کے ممالک دور دراز مین "کند" نام ایک راجہ ہے جو بڑا نیک نفس - حلیم الطبع - دیندار - اور نہایت عدل گستر ہے - اس کے ساتھ وہ اعلیٰ درجے کا مدبر سلطنت بھی ہے اور حکیم و فلسفی بھی - انتہا درجے کا زاہد مرتاض ہے - اور اُس کی عمر کئی سو برس کی بتائی جاتی ہے - سکندر نے اُسکے اخلاقِ حکیمانہ و عادات پارسایانہ کی بہت تعریف سُنی - تاہم اُس پر اپنا رعب بٹھانے کے لیے اُسے اس مضمون کا خط لکھا "میرا یہ خط دیکھتے ہی تم بیٹھے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو اور چل رہے ہو تو بیٹھ جاؤ - اور سب طرف سے خیال ہٹا کے پڑھو - ورنہ تمھاری سلطنت کے دھُرّے اُڑا دُون گا اور تمھارا بھی وہی حال ہوگا جو اور اون کا ہوا"

جب یہ خط کند کے پاس پہونچا تو وہ نامہ برون سے اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور نہایت ہی تہذیب و شایستگی کے الفاظ مین جواب دیا - سکندر کو "شہنشاہ" کے لقب سے یاد کیا - اور لکھا کہ "میرے پاس چند ایسی نعمتین ہین جو دنیا مین کسی کے پاس نہ ہونگی اور ہونگی تو ہمین سے گئی ہونگی - اول تو میری بیٹی ہے جس سے زیادہ حسین و شایستہ عورت چشم روزگار سے نہین گذری - دوسرا ایک حقیقت شناس فلسفی ہے جو بغیر زبان سے سوال کیے مافی الضمیر بتا دیا کرتا ہے - تیسرا ایک حاذق طبیب ہے جو اگر آپ کے پاس ہو تو آپ کو کسی مرض سے خطرہ اور اندیشہ نہ باقی رہے - جسم انسانی اگرچہ ہر وقت آفتون مین گھرا رہتا ہے مگر اُسکی حذاقت اُن سب آفتون پر غالب آجاتی ہے - چوتھا ایک جام ہے کہ اگر بھر دیا جائے تو آپ کا سارا لشکر سیراب ہو جائے -

اور وہ خالی نہ ہو۔ یہ چار بیش و بے نظیر چیزین میرے پاس موجود ہین اور اگر آپ کہین تو اُنھین آپ کے پاس بھیج سکتا ہون"

جب یہ خط سکندر کے پاس پہونچا اور اُس نے پڑھا تو دل مین کہا "بجاے اسکے کہ مین راجہ کو قتل کر ڈالون یہ اچھا ہے کہ اِن نعمتون کو حاصل کر دون" اسی خیال سے اُس نے اپنے دربار کے کئی یونانی حکیمون کو بُلا کے حکم دیا کہ تم لوگ اس راجہ کے پاس جاکے اِن چیزون کو دیکھو اور اندازہ کرو کہ راجہ جیسا کہتا ہے ویسی ہین یا نہین اگر ویسی ہی ہین اور راجہ اپنے دعوے مین سچا ہے تو اُن چارون چیزون کو میرے پاس لے آؤ۔ اور اگر جھوٹا ہے تو مین تھوڑی سی بہادر فوج تمھارے ساتھ کیے دیتا ہون۔ خود راجہ کو گرفتار کر کے میرے سامنے حاضر کرو" اس حکم کے مطابق وہ حکیم مع فوج کے روانہ ہوگئے۔ اور راجہ کند کے دربار مین پہونچے۔

راجہ نے اُنھین ہاتھون ہاتھ لیا۔ بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ عزت و تعظیم سے اپنے یہان اُتارا۔ اور پہونچنے کے تیسرے دن اُنھین اپنے دربار مین بُلایا جسکہ بڑے بڑے عقلا و فلسفیان ہند جمع تھے۔ مگر فوج کے لوگون کو اُس نے حاضری کی اجازت نہین دی۔ جب یہ حکماے یونان اپنی اپنی جگہون پر بیٹھ لیے تو راجہ نے مناظرے کے طرز پر فلسفہ۔ طبیعیات۔ اور الٰہیات کے متعدد مسائل چھیڑے۔ اُن پر معقول و مدلل بحث کی۔ اور کچھ ایسے کمالات علمی ظاہر کیے کہ سب کو اُسکے تبحر علمی کا اعتراف کرنا پڑا۔ علمی بحث کے بعد وہ حسین شاہزادی دربار مین آئی۔ اُسکے آفتاب حسن کے طلوع ہوتے ہی تمام حکماے یونان کی نگاہین خیرہ ہوگئین۔ سب کی زبان سے نکلا کہ "یہ انسان نہین پری ہے"۔ اُسکے رعب حسن سے عقلاے یونان کے ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ اور سب کو قبول کرنا پڑا کہ ایسی حسینہ ساری دنیا مین کہین نہین ہے۔ وہ حکیم و طبیب پیش ہوے۔ اور راجہ نے کہا اُنکے کمالات کا تجربہ سکندر کو خود ہی ہو جائے گا۔

اس کارروائی کے بعد راجہ نے چارون چیزین یونانی حکیمون کے حوالے کین اور کہا "انھین اپنے بادشاہ کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ خود اِن نعمتون کو دیکھ کے اندازہ کرلے کہ مین نے غلط تو نہین کہا تھا" پھر اسی دربار مین ان لوگون کو رخصت کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اُسکے معززین دربار اُن سفیران سکندر کی واپسی مین ایک منزل

تک اُن کی مشایعت کریں۔

یہ کامیاب سفارت جب سکندر کے پاس واپس گئی تو اُس نے بھی نئے مہمانوں کو عزت سے ٹھہرایا۔ اور سب کے پہلے راجہ کند کی حسین و پری جمال لڑکی کو سامنے بلوا کے دیکھا۔ اور قائل ہو گیا کہ اُسکے حسن و جمال کی جیسی تعریف کی گئی تھی وہ اصل ویسی ہی ہے۔ اُسی نے نہیں اُسکے محل کی مشاطہ نے بھی جو دنیا کے اعلیٰ ترین حسنوں کا تجربہ رکھتی تھی تسلیم کیا کہ ایسی حور وش نازنین کبھی میری نظر سے نہیں گذری۔ پھر اپنے حکیم و فلسفی سفیروں سے راجہ کے دربار کی علمی صحبت اور مناظرے کا حال سُن کے سکندر متحیر رہ گیا۔ اور ارادہ کیا کہ اُس ہندوستانی فلسفی کو بھی آزمائے جو بے پوچھے بات کا جواب دیا کرتا ہے۔

کچھ دیر کے بعد سکندر نے ایک جام منگوا کے اُسے مسکے سے اس قدر لبالب کیا کہ اُس میں اب بالکل گنجایش نہ تھی۔ پھر ایک خادم کو حکم دیا کہ اس جام کو اسی طرح لیجا کے اُس ہندی فلسفی کے سامنے پیش کرو۔ وہ دیکھ کے کچھ دیر تک سوچا رہا پھر بہت سی سوئیاں منگوا کے اُن کی نوکیں مسکے میں ڈبوئیں اور کہا اس جام اور سوئیوں کو بادشاہ کی خدمت میں واپس لیجاؤ۔ سکندر نے خاموشی و اطمینان کے ساتھ جام اور سوئیوں کو لیا۔ پھر اُن سوئیوں کو گلوا کے اُن کا ایک گول لٹو بنوایا۔ اور اُسے حکیم کے پاس واپس کیا۔ حکیم نے اُس لٹو کو اپنے سامنے ہی گلوا کے اُس کا ایک آئینہ بنوایا۔ اُس پر صیقل کی اور اُسے سکندر کے پاس بھیجدیا۔ سکندر نے اُس آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ پھر اُسے ایک طشت میں رکھوا کے اُس میں اس قدر پانی بھر دیا کہ آئینہ پانی میں ڈوبا رہے۔ اور اسی حال سے طشت کو ہندوستانی حکیم کے پاس بھیجا۔ حکیم نے اُس آئینے کو طشت میں سے نکال کے اُس کا ایک کٹورا بنوایا۔ پھر اُسے پانی پر ڈالا تو تیرنے لگا۔ اور اُسی طرح تیرتا ہوا سکندر کے پاس روانہ کیا۔ سکندر نے کٹورے میں خاک بھر دی اور پھر حکیم کے پاس بھیجا۔ حکیم نے کٹورے کو خاک سے لبریز دیکھا تو اُسکے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ زار و قطار رونے لگا۔ اور یہ حالت ہوئی کہ رات ہو گئی۔ اور وہ آہیں بھرتا اور آنسو بہاتا تھا۔ پھر جب رقت کم ہوئی تو اُس کٹورے کی طرف خطاب کر کے کہا "اے کمبخت نفس! تو ایسی ظلمت میں کیوں پڑا؟

اور تیری یہ حالت کیون ہوئی؟ کیا تجھے نہین یاد ہے کہ تو نور کے عالم مین تھا اور
علم کے نور مین مستغرق تھا؟ اب اُس درجے سے گر کے تو ظلمت کی تاریکی مین پڑ گیا۔
اور اب تیرے لیے سوا نامرادیون کے کچھ نہین ہے۔ علوم غیب سے تو محروم ہو گیا۔
اور طرح طرح کی آفتون مین مبتلا ہوا" اسی سلسلے مین وہ ہندی حکیم دیر تک نفس پر
لعن وطعن کرتا رہا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھ کے کہا (اسوقت رات کا وقت تھا اور
تارے روشن تھے) "اے تارو! تم نورانی عالم علوی مین ہو۔ نفس کبھی تم مین تھا۔
مگر افسوس اُس بلندی اور علو سے گر کے وہ ظلمت کے گڑھے مین گر گیا" پھر سکندر کے
قاصدون سے کہا "اس جام اور مٹی کو بادشاہ کے پاس واپس لے جاؤ۔ قاصد نے
اُن چیزون کو واپس لے جا کے سکندر سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اور اُسکے چہرے سے
معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے مقصد کے موافق جواب پا گیا۔

دوسرے دن سکندر نے ہندی فلسفی کو اپنے دربار مین بلایا۔ اور یہی پہلا موقع تھا
جبکہ سکندر نے اُسکی صورت دیکھی اور اُسے ایک خوشرو۔ کشیدہ قامت۔ کشادہ
جبین اور متناسب الاعضا انسان دیکھ کے دل مین کہا "خوبصورت آدمی اکثر علم و
حکمت سے محروم ہوا کرتے ہین مگر یہ شخص حلیم و فلسفی ہونے کے ساتھ خوشرو بھی ہے جو
اس بات کی دلیل ہے کہ بیشک یہ فرید عصر اور یکتاے روزگار ہے۔ اشارون اشارون
مین مین نے جو کچھ کہا تھا ہر اُس کا جواب اُس نے بہت صحیح دیا"

اُدھر اُس ہندی حکیم نے جیسے ہی سکندر کی صورت دیکھی اُسکے خط و خال پر
غور کیا۔ پھر اپنی کلمے کی اُنگلی اپنے چہرے کے گرد گھمائی پھر اُسے اپنی ناک کی
نوک پر رکھ لیا۔ اور آگے بڑھ کے حسب آداب شاہی سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ سکندر
نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ حسب الحکم بیٹھ گیا۔ اب سکندر نے اپنے خیالات کی تصدیق
کے لیے پوچھا کہ "مجھ مین تم مین جو رمز و کنائے ہوئے اُنکی تشریح بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ
تم نے میرے سامنے جو حرکتین کین کیون کین؟ اور کس مقصد سے کین؟"

اُس نے کہا "اے بادشاہِ یونان۔ مین نے اپنی قوتِ کشف سے کام لے کے
آپ کے چہرے پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ آپ میری نسبت یہ خیال کر رہے ہین کہ خوبصورتی
و حکمت ایک جگہ کم جمع ہوتی ہین۔ اور جس شخص مین یہ دونون خوبیان جمع ہون

وہ یکتا سے روزگار ہے۔ مین نے اسکی تصدیق کرنے کے لیے اپنی اُنگلی اپنے چہرے کے گرد پھرائی۔ مطلب یہ تھا کہ یہ چہرہ حسن و حکمت کے جمع ہونے کی زندہ مثال موجود ہے۔ پھر یہ ظاہر کیا کہ جس طرح دیگر اعضا کے خلاف ناک سارے عالم جسد مین ایک ہی ہوتی ہے ویسے ہی مین بھی سارے ہندوستان مین اکیلا ہون"۔

سکندر نے اُسکی اس حرکت کی جس مین دانائی کے ساتھ خودستائی بھی تھی داد دی اور کہا" اب بتاؤ کہ تم نے سکے کے جام مین سُوئیان کیون ڈبوئین؟ اور اُنھین کیون میرے پاس بھیجا؟" ہندوستانی حکیم نے کہا" آپ کے بھیجے ہوے لبریز جام کو دیکھ کے مین آپ کا یہ مطلب سمجھا کہ آپ فرماتے ہین میرا دل حکمت سے لبریز ہے۔ اور جس طرح اس جام مین کوئی شخص سکے کی مقدار نہین بڑھا سکتا ویسے ہی یہ بھی غیر ممکن ہے کہ میرے پُر از حکمت دل مین کوئی حکیم علم کو بڑھا سکے"۔ سکندر نے کہا "بیشک میرا یہی مطلب تھا"۔ حکیم نے کہا" مین نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس طرح یہ سُوئیان سکے کے اندر اُتر گئین اُسی طرح میرا علم بھی بادشاہ کے پُر از علم سینے مین اُتر سکتا ہے"۔

سکندر نے کہا" پھر جب مین نے اُن سوئیون کو ایک گولی کی صورت مین ڈھلوا کے بھیجا تو تم نے اُسے آئینہ کس غرض سے بنا دیا؟" عرض کیا" مین گولی کو دیکھ کے یہ سمجھا کہ حضور یہ فرماتے ہین کہ میرا قلب ملک گیری و خون ریزی اور حکمرانی و جہان بانی کرتے کرتے ایسا سخت ہو گیا ہے جیسا کہ یہ فولادی گولا ہے۔ لہذا مین نے اس کا یہ جواب دیا کہ مین اس دل مین ایسی ہی صفائی اور آب و تاب پیدا کر دے سکتا ہون جس طرح کہ اس گولے کو مین نے آئینہ بنا دیا ہے"۔

سکندر نے اس خوش فہمی کی بہت داد دی۔ اور کہا" اب اسکی وجہ بتاؤ کہ مین نے آئینے کو پانی مین ڈبو کے بھیجا تو تم نے اُسے کٹورا بنوا کے پانی پر تیرتا ہوا کیون بھیجا؟" جواب دیا" مین حضور کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ زمانہ گذر گیا۔ عمر تھوڑی رہ گئی۔ اور اس تھوڑی مدت مین علم حاصل کرنے کی مہلت نہین۔ مین نے جواب دیا کہ اس تھوڑی مدت مین بھی مین بہت سا علم حاصل کرنے کے لیے کافی موقع پیدا کر سکتا ہون"۔

سکندر نے کہا" خیر اب یہ تو بتاؤ کہ مین نے اس جام مین خاک بھر کے واپس کی تو تم اس قدر غمگین و بیتاب کیون ہوے؟ اور اُسے بعینہ کیون واپس کر دیا" بولا "مین حضور کے اس اشارے سے یہ مضمون سمجھا کہ آخر موت ہے اور اس سے مفر نہین کہ عنصر ہارد (خاک) مین مل جائے - اور نفس ناطقہ اس کا ساتھ چھوڑ دے - اس امر کو مین سوا افسوس و اندوہ کے ساتھ قبول کرنے کے اور کیا کر سکتا تھا؟"

سکندر نے اس بیان کی پوری پوری تصدیق کی اور کہا" تم ایسے صاحب کمال حکیم ہو کہ تمھاری وجہ سے مین عموماً اہل ہند کے ساتھ اچھا سلوک کرون گا - اور اسکے لیے بہت کچھ انعام و اکرام کا حکم دیا - اور ارادہ کیا کہ اُسے کوئی بڑی جاگیر عطا کرے - سکندر کی یہ نظر عنایت دیکھ کے وہ ہندوستانی حکیم بولا" اگر مجھے مال و دولت کی ہوس ہوتی تو علم کی نعمت سے محروم رہ جاتا - علم کے ساتھ مین کسی ایسی چیز کو نہین جمع کرنا چاہتا جو اُس کی ضد اور اُسکے منافی ہو - دولت چاہتی ہے کہ انسان اُس کی خدمت کرے - اور ہمارے نزدیک عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کے بنانے اور سُدھارنے مین مشغول رہے - نفس کے لیے جو چیز سودمند ہے وہ صرف فلسفہ ہے - اسی سے نفس پر صیقل اور جلا ہوتی ہے - مگر تقاضاے حیوانی اور خواہشات نفسانی علم کے مخالف اور اُس کی ضد واقع ہوے ہین - اے بادشاہ! حکمت بلندی پر چڑھنے کی سیڑھی ہے - اور جسکے پاس سیڑھی نہ ہو اُسے خالق سے قربت نہین نصیب ہو سکتی"

اسکے بعد اُس حکیم نے سکندر کو نصیحت کی کہ" اے زبردست فاتح سن - عدالت وہ چیز ہے جس سے سارا انتظام عالم قائم ہے - جہان ظلم و جور ہو وہان یہ نظام قائم نہین رہ سکتا - عدل خدا کی ترازو ہے - اور اُسکی حکمت لغزش اور جانبداری سے مطلقاً مبرا ہے - انسان کا جو کام خدا کے کام سے قریب تر ہے وہ یہی ہے کہ لوگون کے ساتھ نیکی اور اچھا سلوک کرے - تو اپنی تلوار کے زور اور اپنے دبدبے سے حاکم ہوا ہے اور دنیا کے جسم تیرے زیر فرمان ہو گئے ہین - اب ضرورت ہے کہ اپنی نیکی اور اپنے حُسن سلوک کے ذریعے سے تو اُنکے دلون کا حاکم بن جائے"

غرض سکندر اور اُس ہندی حکیم کی ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکندر اُسکے علم و فضل

اور اُسکے روحانی کمالات کا قائل ہوگیا۔ اُسکی وجہ سے اہل ہند کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اور اُس کے ملک کی طرف قدم بڑھانے سے باز آگیا۔

خونی پٹھے

یہ لفظ انوکھا۔ نیا۔ اور پُرخوف ہے۔ مگر اس سے اس بات کا پتہ چل سکتا ہے کہ جو یورپ آجکل اپنے قومی مفاد اور اپنی ذاتی عظمت منوانے کے شوق مین خون کی ندیان بہا رہا ہے کبھی اُسکی دلچسپی کی محفلین بھی ایسی ہی خون ریز و بے رحم تھین۔ ایشیا کی اگلی زبردست اور اُولوالعزم قومون کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بہت ہی ظالم و بیدرد تھین۔ کیونکہ دشمنون یا غیر قومون کے ہزارون آدمیون کو گرفتار کر کے اپنے دیوتاؤن پر بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھین۔ اور پوری پوری قومون کو مع زن و فرزند پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیتی تھین۔ سب سے زیادہ خونین تصویر بخت نصر کی ہے جسکے سامنے بہت سی لاشین مصلوب لٹکتی نظر آتین۔ اور قیدی طرح طرح کے عذابون اور تکلیفون سے مارے جاتے۔

یہ سب کچھ تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ ہوگا۔ مگر ایشیا والون مین یہ کبھی نہین ہوا کہ محض دلچسپی اور دل بہلانے کے لیے انسان کا خون بہایا جائے۔ افریقہ اور بعض وحشت ناک جزائر کے لوگ انسان کو مار کے کھا جاتے تھے اور شاید اب بھی کہین انسان انسان کے گوشت سے پیٹ بھرتا ہو۔ مگر یہ بھی پیٹ بھرنے کے لیے ہے جس سے بڑا دوزخ دنیا مین نہین ہے۔ دل بہلانے اور تفنن طبع کے لیے انسان کی جان لینا کبھی خاص یورپ کا اور یورپ مین بھی ایک متمدن و شایستہ قوم کا مشغلہ تھا۔

ہمارے یہان لوگ بٹیر لڑاتے ہین۔ مرغ لڑاتے ہین۔ بلبلین لڑاتے ہین۔ کبوتر لڑاتے ہین۔ مینڈھے لڑاتے ہین۔ اور چند روز پہلے سنتے ہین ہمارے شہر کے شاہی دنگل مین شیر۔ گینڈے۔ اور مست ہاتھی بھی لڑائے جاتے تھے۔ جانورون ہی کی خصوصیت نہین ہمارے ملکی اکھاڑون مین پہلوان آتے ہین۔ نیزہ بازی و شمشیر زنی کی مشق ایک دوسرے کے مقابل دکھاتے ہین۔ مگر اُنکی لڑائی بس اک کھیل

ختم ہو جاتی ہے کہ حریف کو گرا کے چت کر دین - یا مخاصم چوٹ کھائے - گر یورپ مین انسان اس لیے لڑائے جاتے تھے کہ ایک دوسرے کو جان سے مار ڈالے -
یہ وحشیانہ دلچسپی وہان سپہگری کا کمال دکھانے یا میدان کارزار کے لیے تیار ہونے کی غرض سے نہین بلکہ شوقینی اور صرف "واہ واہ" کے لیے ہوتی تھی - اہل اطالیہ کے قدیم مورث رومی جن کی عظمت وجبروت کا سکہ کبھی سارے یورپ اور مغربی ممالک ایشیا مین بیٹھا ہوا تھا - اور جو اپنے عہد مین ساری قومون سے زیادہ مہذب و شائستہ اور ہر فن مین باکمال و بیمثال مانے جاتے تھے وہ مرغون اور مینڈھون کی طرح انسانون مین سے ایسے خونی پٹھے تیار کرتے تھے جو صرف اسی غرض کے لیے ہوتے کہ اُن کے جشن طرب کے موقع پر اکھاڑے مین اُتر پڑین اور حریف کو ناظرین کی دلچسپی کے لیے جان سے مار ڈالین - یہ خونی پٹھے رومیون کی زبان مین "گلے ڈی ایٹرز" کہلاتے تھے - بعض یورپین محبان وطن فرماتے ہین کہ "رومیون نے اس شوق کو اہل ایشیا سے سیکھا" گو کہ ایشیا مین کہین اور کسی زمانے مین اس سفاکانہ تفنن کا پتہ نہین چلتا -
ایسے خونی پٹھون کا تیار کرنا رومیون مین ایک فن ہو گیا تھا - ہمارے یہان بٹیر بازون اور مرغ بازون کی کبھی ایسی قدر نہ ہوئی ہو گی جیسی ان دشمن انسان بانکون کی قدر روم مین ہوتی تھی - یہ لوگ "لانس ستے" کے لقب سے یاد کیے جاتے - اُن کا معمول تھا کہ غلامون کو خرید کے لڑنے کے لیے تیار کرتے - اُن کو جنگجوئی و خونریزی کی تعلیم دیتے اور اُنکے جسم کو لڑائی کے مناسب بناتے - اور جب امیرون اور سردارون کو انسان کُشی کا دنگل دکھانے کا شوق ہوتا اُنکے ہاتھ انھین اچھے دامون پر فروخت کر ڈالتے - رومیون مین ان مہیب دنگلون کے دیکھنے کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جب کوئی امیرزادہ آبائی دولت کا وارث ہو یا کوئی سردار کوئی فتح حاصل کر کے واپس آئے - یا کسی اور کامیابی کی خوشی مین اظہار مسرت کا ارادہ کرے تو اُسکا سب سے زیادہ ناموری کا کام یہ ہوتا کہ ان خونی پٹھون کی لڑائی کا تماشا اپنے احباب اور ہموطنون کو دکھائے - تاجداران روم کو بھی اس کا بڑا شوق تھا جو وہان وقتاً فوقتاً اپنے جشن طرب کو اسی خونی دنگل سے باوقعت اور دلچسپ بنایا کرتے -
اس شوق کی زیادتی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کوئی سال نہین گذرتا

جس میں دو چار سو پٹھے جان سے نہ مارے جاتے ہوں - اور بعض برسوں میں تو ہزاروں تک کی نوبت آگئی - دسمبر کا مہینہ اس دلچسپی اور ان خونی دنگلوں کے لیے مخصوص تھا - جبکہ رومی سوسائیٹیوں میں ان خونی پٹھوں کی لڑائی کی وجہ سے بے انتہا گرمجوشی پیدا ہو جاتی -

یہ خونی پٹھے روم میں کئی قسم کے ہوتے تھے - ایک تو معمولی قسم کے جو ایک ایک کر کے لڑتے - اور " اوروی ناریئی" کہلاتے - انکے لڑنے کا یہ طریقہ ہوتا کہ دو پٹھوں کی ایک ایک جوڑ اکھاڑے میں اُترتی - میدان میں آتے ہی لڑنے لگتے - اور دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ سے مارا جاتا - دوسری قسم کے خونی پٹھے " فاتیرواریئی" کہلاتے - انکی لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ کئی کئی پٹھوں کی ایک ٹکڑی میدان میں آتی اور اپنے ہم عدد حریفوں سے مقابلہ کرتی - اور کوئی حریفوں کی جان لینے میں کوتاہی نہ کرتا - تیسری قسم کے پٹھے " ای کوئی ٹیٹر" کہلاتے - یہ گھوڑوں پر سوار ہو کے مقابلہ کرتے - اور حریف کے مار ڈالے جانے پر وار انیارا ہوتا - چوتھی قسم کے پٹھے " رے تیاریئی" کہلاتے - یہ ایک لمبا کانٹا اور جال لے کے میدان میں آتے - ان کے حریف کے ہاتھ میں ایک چھوٹی تلوار اور ڈھال ہوتی - جس کو جال پھینک کے وہ گرفتار کرتے - اور میدان ہی میں اُس کا کام تمام کر دیتے - پانچویں پٹھے " آن دباتے" کہلاتے - یہ آنکھوں پر پٹی باندھ کے لڑائے جاتے - جو خود انکے سروں پر چڑھا دیے جاتے اُن میں کہیں سوراخ نہ ہوتا - جب یہ اپنے نابینا حریف کے پاس للکار کے چھوڑ دیے جاتے اور بے دیکھے بھالے ادھر اُدھر ہاتھ مارنے لگتے تو انکی مضحکانہ بے نتیجہ حرکات اور خالی جانے والے حربوں پر ناظرین کو بڑا لطف آتا - چنانچہ سب سے زیادہ دلچسپی انھیں پٹھوں کی لڑائی میں ہوتی - اس لیے کہ اُس میں ظرافت اور مذاق کا بہت کچھ سامان موجود ہوتا - چھٹی قسم کے پٹھے " ہوپلوماشی" کہلاتے - جو پورے اسلحہ اور خود و زرہ سے آراستہ ہو کے میدان میں آتے اور بڑی سختی سے دیر تک مقابلہ کرتے رہتے -

ان تمام پٹھوں کے لیے ضرور تھا کہ اگر سارے جسم پر زرہ نہ ہو تو داہنے بازو میں زرہ ضرور ہو - اور بجز " رے تیاریئی" پٹھوں کے جو جال لے کے میدان میں

آتے تھے سب کے سروں پر خود، اور ٹھون پر ڈھالیں ضرور ہوتیں۔ سدھانے سے اُنکی طبیعت اور فطرت ہی کچھ عجیب قسم کی ہو جاتی تھی۔ ایک ہی گھر میں ساتھ رہتے سہتے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ کھاتے پیتے۔ مگر میدان میں لاکے جب کسی سے جوڑ بدی جاتی تو پھر اُس کی جان کے دشمن اور اُسکے لہو کے پیاسے ہو جاتے۔ اور حریف جو کل تک ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا اس کے حق میں اس قدر بے رحم بن جاتے کہ مغلوب یا زخمی ہونے کے بعد وہ لاکھ روتا پیٹتا۔ چیختا چلاتا۔ اُنھیں اُسکے حال پر ترس نہ آتا۔ اور ناظرین کے لیے تو زخمی و نیمجان پٹھوں کا چیخنا اور کراہنا۔ خاک و خون میں لتھڑ کے تڑپنا۔ اور جان دیتے وقت ہاتھ پاؤں کھینچنا بڑی دلچسپی اور فرحت و انبساط کی چیزیں تھیں۔ جب کوئی پٹھا سخت زخمی ہو کے گرتا اور اُس میں مقابلے کی طاقت نہ باقی رہتی تو اُس کا حریف اُسکے پاس کھڑا ہو کے ناظرین کی طرف دیکھتا جس سے یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ "کیا حکم ہے؟ مار ڈالوں یا زندہ چھوڑ دوں؟" اس موقع پر ناظرین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ زخمی پٹھا اگر اچھی طرح اُنکی پسند کے موافق مقابلہ کر کے زخمی ہوا ہوتا تو وہ اپنے انگوٹھے نیچے کی طرف جھکا دیتے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ "زندہ رکھا جائے"۔ اور اگر وہ بے خوب لڑے زخمی ہو گیا ہوتا تو سب صاحب اپنے انگوٹھے اوپر کی طرف اُٹھا دیتے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ "قتل کر ڈالو"۔ اور اُسی وقت فاتح، اور جیتنے والا پٹھا اپنی تلوار کی نوک اُسکے سینے میں پیوست کر کے کام تمام کر دیتا۔ اور انعام میں کھجور کی ٹہنیاں پاتا۔ پھر اسکے بعد زندہ بچ آنے والے پٹھوں کو کاٹھ کی تلواریں انعام میں عطا کیجاتیں۔

یہ تھیں اُس وقت کی یورپین تہذیب کی دلچسپیاں۔ اور ایسی تھیں شوقینی اور تفنن کی بے رحمیاں۔ جن کو مسیحیت نے رواج پانے کے بعد مٹا دیا۔ اور سچ یہ ہے کہ دُنیا پر بہت ہی احسان کیا۔

•

بعض مرتبہ ان خونی پٹھوں کے ہاتھ سے رومیوں کو سخت مصیبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ ولادت حضرت مسیحؑ سے چھہتر برس پیشتر یعنی ۷۳ قبل محمد میں چوہتر پٹھے بگڑ کھڑے ہوے۔ تھریس کا ایک شخص اسپارتاکوس نام اُن کا سرغنا بن گیا۔ شہر کاپوا میں اُنھوں نے اپنے مالک کو مار ڈالا۔ اور پہاڑوں میں بھاگ گئے۔

وہان بہت سے ستم زدہ کسان اور مغرور غلام اُنکے گروہ سے جا ملے اور ملک مین ایسا ہنگامہ مچ گیا کہ روم والون کو گھرون مین چین سے سونا حرام ہوگیا۔ اور شہر روم کے باہر تو ہر شخص کو اپنی جان خطرے مین نظر آتی تھی۔ مسلسل تین برس ان سرکش پٹھون سے لڑائیان ہوتی رہین۔ جن کا فتنہ کسی طرح فرو ہونے کو نہ آتا تھا۔ آخر قراسوس نام رومی سپہ سالار کے مقابلے مین اسپارٹا قوس بڑی بہادری سے لڑکے مارا گیا۔ اور جو پٹھے زندہ بچے وہ بھاگ کے اودھر اُدھر چلے گئے۔

ایسا ہی ایک ہنگامہ سنہ ۲۹۰ قبل محمدؐ (سنہ ۳۱۲ ع) مین پیش آیا۔ جبکہ سرویوس قیصر تمام مملکت کے باغیون کو مغلوب و مقہور کرکے اور اپنی حکمرانی کے متعلق پورا اطمینان حاصل کرکے خوشی خوشی رومۃ الکبریٰ مین داخل ہوا۔ اُس کے جشن طرب کے موقع پر چھ سات سو خونی پٹھے اکھاڑے مین لڑانے کے لیے فراہم کیے گئے تھے۔ ان پٹھون مین سے تقریباً اسّی نے نہ گوارا کیا کہ امراے روم کی دلچسپی کے لیے اپنی جانین مفت دین۔ بلا تامل اپنے محافظون کو قتل کر ڈالا۔ حراست سے بگڑ کے نکل کھڑے ہوے۔ اور رومۃ الکبریٰ کی سڑکون مین ہنگامہ مچا دیا۔ بہت سے لوگ اُنکے ہاتھ سے تہ تیغ ہوے۔ اور اہل شہر کے حواس جاتے رہے۔ آخر قیصر کی باضابطہ فوج نے آکے ہنگامہ موقوف کیا۔ اور اُن سرکش پٹھون کو چُن چُن کے مار ڈالا۔ تاہم بقول مسٹر گبن کے اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اُنکے لیے جس قسم کی موت تجویز کی گئی اس سے زیادہ معزز موت اُنھون نے اپنی قوت بازو سے حاصل کر لی۔

مدینۂ منوّرہ

جسے مدینۃ النبی یا دار الہجرت بھی کہتے ہین۔ اس شہر کے ذریعے سے ہم دنیا کو ایک عجیب و غریب ترقی و تنزل کا نمونہ دکھانا چاہتے ہین۔ شاید ایشیا کے شہرون مین کسی شہر کو اتنی بڑی شہرت اور ناموری نہ نصیب ہوئی ہوگی جتنی بڑی اس مقدس شہر کو حاصل ہوئی۔ بناے ترقی صرف وہ چند وفادار اور بے نفس ہمدرد تھے۔ جنھون نے مکے کے خانہ بربادون کو اپنے پہلو مین سچے خلوص سے جگہ دی تھی۔ اور جو

آخر کو "انصار" کے مبارک لفظ سے یاد کیے گئے۔ مبارک دین اسلام جس وقت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے ہاتھ کے بنائے ہوئے خانۂ کعبہ کے (جو آخر مین قریش کا ایک دیوہرہ قرار پا گیا تھا) پڑوس مین ظاہر ہوا - اہل مکہ نے کسی قسم کی دشمنی نہ تھی جو اُس پاک ہادی یعنی بانی دین اسلام کے ساتھ نہ کی ہو۔ جناب رسالتمآب صلعم کو آخر دشمن جان ہموطنون کے خوف سے مکہ چھوڑنا پڑا - راستباز اور حق پسند اہل مدینہ نے آپ کو اپنے ہان بُلایا - اور اس طرح جناب رسالت مع اپنے چند باوفا دوستون کے رونق افروز مدینہ ہوے - مدینہ کی ترقی کی اور اسکے ساتھ اسلام کی ترقی کی یہی پہلی تاریخ ہے - اور اسی وجہ سے مسلمانون کا حساب سین اُسی وقت سے شروع کیا گیا جبکہ ہمارے ہادی برحق مکے سے ہجرت فرما کے مدینے مین آئے۔

وہ خلافتِ راشدہ جس کے اُولوالعزم مجاہدون کی روکنے والی دنیا مین کوئی قوت نہ تھی - جس نے تخت کسریٰ اور تاج قیصر دونون کو اسلام کی روزافزون ترقی کی نذر کر دیا تھا اس کا دارالسلطنت یہی شہر مدینہ رہا - مدینہ اگرچہ آبادی - عمارت - اور تمام ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے ایشیا کے بہت شہرون سے دبا ہوا ہے - مگر یہ دبدبہ یہ سطوت مدینے ہی کا حصہ تھا کہ جو حکومت ابتدائً صرف گرد کی پہاڑیون مین محدود تھی - بلکہ اس سے بھی کم کر کے یون کہا جائے کہ مدینے کے چند محلّون پر ختم تھی - بیس پچیس ہی برس کے عرصے مین اس کی ایک حد سندھ اور افغانستان تک اور دوسری افریقہ کے انتہائی سواحل تک پھیل گئی - بغداد و دمشق بھی ایسے ہی شہر تھے - بلکہ اس سے بھی زیادہ حصۂ دنیا اُنکے قبضے مین تھا - مگر یہ فخر مدینے ہی کو حاصل ہے کہ اتنی مدت مین ہر ہر شہر اور ہر ہر قلعے پر خون کے سیلاب بہا کے خود اپنی کوشش سے اتنی بڑی خلافت قائم کر لی - ابتدائی خلافت راشدہ کے پانچون جانشینون کے زمانے مین مدینہ دنیائے اسلام کا مرکز اور مرجع رہا - امیر معاویہ نے پہلا کام یہ کیا بلکہ نقصان پہونچایا کہ مدینہ چھوڑ کر دمشق کو دارالخلافہ قرار دیا -

مسلمانون مین شاید کوئی نہ ہوگا جو اس شہر کی زیارت کا آرزومند نہ ہو - اور

اس متبرک مقام کے حالات شوق وعقیدت سے نہ سنے۔ گریہ عجیب بات ہے کہ ہر سال مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گروہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاتا ہے۔ لیکن اُن مین سے اسوقت تک ایک بھی ایسا نظر نہین آیا جو اس شہر کے تمام مقامات کو غور سے دیکھتا اور وہان کے دلچسپ حالات قلمبند کرکے اہل اسلام کے شوق کو ہیجان مین لاتا۔ اگر ہم اس شہر کی آبادی وضع اور لوگون کی اخلاقی حالت کے متعلق کوئی بات بھی دریافت کرنا چاہین تو ہمین ہندوستان کے کُل تصانیف اُس سے ساکت نظر آئینگی۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ یورپ کے چند محدود جانے والون مین سے قریب قریب ہر شخص نے ایک سفرنامہ نہایت ذوق وشوق کے لہجے اور پُرجوش الفاظ مین تیار کرلیا۔ اور اسوقت اُردو مین کئی سفرنامے موجود ہین جن سے عموماً یورپ اور خصوصاً انگلستان کے حالات بالتفصیل معلوم ہوجاتے ہین۔ مگر لاکھون مسافران عرب اور زائران تربت رسولؐ یا کربلاے معلےٰ مین سے ایک بھی ایسا نظر نہ آیا جو ایک مختصری سہی سفرنامہ تیار کردیتا۔ افسوس ہماری دنیا اور ہمارے مذہبی واقعات کس قدر تاریکی مین پڑتے جاتے ہین۔

مدینۂ منورہ کے حالات ہم ایک انگریزی کتاب سے ترجمہ کرکے پیش کرتے ہین تاکہ مسلمانون کو معلوم ہو کہ مدینۂ منورہ جہان انگریز علانیہ جانے بھی نہین پاتے اُسی شہر کے مقدس حالات ہماری نظر سے تو چھپے ہوے ہین مگر یورپ کے ملک مین کس وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہین۔ کہان ہین ہمارے وہ پابندان دین اور قدیم اسکول کی تعلیم پائے ہوے علما جو انگریزی پڑھنے کو منع کرتے تھے؟ کیا دینداری اسی کا نام ہے کہ جہان تک ہوسکے اپنے باعث فخر امور کو عیوب کی طرح چھپاتے رہیے؟ جب ہم مکے اور مدینے کے حالات نہ جانتے ہون گے تو ہمین وہان کی کیا محبت ہوگی؟ اور ہمارے دل مین کیا جوش پیدا ہوگا؟ اور کون چیز ہمین اسلام کے اصلی مرکز کی طرف کھینچے گی؟ خیر اب ان باتون کو طول دینا تو فضول ہے۔ ہم مدینے کے حالات اُس کتاب سے نقل کرتے ہین۔ ایک انگریز کی واقفیت اور اپنی لاعلمی پر وہ لوگ نادم ہون۔ جو اسلام کا دعوےٰ رکھتے ہین۔

مدینہ ارض عرب کا ایک مقدس شہر ہے۔ جہان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکارو ﷺ

پر تمام ہوگئی ہے۔ اور پوری تاریخ صرف اسلامی حکومت کے حالات میں ہے۔ آنحضرت صلعم کی ولادت سے کتاب شروع کی گئی ہے اور وہان پر ختم کردی گئی ہے جہان مسلمانون کو پچھلی شکست ہوئی اور زمین اسپین اُن سے خالی کرائی گئی۔ میرے ذہن مین ایک عرصے سے یہ خیال تھا کہ اگر اس تاریخ کا اردو مین ترجمہ ہو جائے تو نہایت مناسب ہو۔ مگر کوئی تدبیر نہین بن پڑتی تھی۔ بالفعل ہمارے لائق اور مہربان دوست منشی اُمراؤ علی صاحب مصنف البرٹ بل صرف اسلامی جوش اور قومی ہمدردی سے اس اُلوالعزمی کے کام کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور اُن کا ارادہ ہے کہ بہت جلد کوشش کرکے اس بے مثل تاریخ کو ملک کے سامنے پیش کیے جانے کے قابل بنادین۔ دلگداز پریس چھاپنے پر بھی آمادہ ہے۔ سردست ہمین اس بات کا اندازہ کرنا ہے کہ ہمارے دوست اور قدردان اور ملک کے دولتمند رؤساے قوم کس حد تک اس خدمت کو قبول کرین گے۔ اُردو مین یہ چار جلدون پر تقسیم کردی جائے گی۔ اور ہر جلد کی قیمت دو روپیہ ہوگی۔ جو جو جلد مرتب ہوتی جائے گی شایع ہوتی جائے گی۔ مسلمانون کو اس کتاب کی طرف پوری توجہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے عمدہ کوئی ایسی کتاب نہین ہے جو خاص اہل عرب کے کارنامے۔ اُنکے اخلاقی حالات۔ اُنکی فتحمندیان اور نیز علمی ترقیان دکھاتی ہو۔

صرف اس تاریخ کی وقعت ظاہر کرنے کے لیے دو لڑائیون کا حال ہم اپنے طور پر اس کتاب سے نقل کرکے لکھتے ہین۔ ایک تو وہ پہلی لڑائی جس نے اسپین کی قسمت کا فیصلہ مسلمانون کے حق مین کیا تھا۔ دوسری وہ پچھلی لڑائی جس نے عربون کو مایوسی کے ساتھ تخت و تاج اسپین سے جدا کرنا کیا زمین اسپین سے رخصت کیا تھا۔ دونون لڑائیان اپنے موقع پر نہایت لطف کی اور نہایت ہی موثر ہین۔

سنہ ۹۱ ہجری خلافت ولید بن عبدالملک مین والی افریقہ موسیٰ بن نصیر نے دارالخلافت دمشق سے منظوری حاصل کرالینے کے بعد کچھ فوج طارق بن زیاد کے سپرد کی۔ اور حکم دیا کہ اُس آبنائے سے اُتر جائے جو درمیان مین حائل ہے۔ اور بلاد اسپین مین جہاد شروع کرے۔ طارق نے سمندر سے اُترتے ہی اُس پہاڑی پر قبضہ کرلیا۔ جو آج تک اُسی کی جانب منسوب ہے۔ اور جبل الطارق کے نام سے

یاد کی جاتی ہے۔

اُن دنون گوتھک نسل کا شاہ وان رآدرق اسپین مین حکمران تھا جسکے افسر تدمیر کو جبل الطارق پر طارق نے شکست دی تھی۔

تدمیر نے اس شکست کے بعد جو خط شاہ رآدرق کو لکھا تھا۔ دراصل وہ ایک مرثیہ تھا جو سلطنت اسپین کے اسباب زوال دیکھکے لکھا تھا۔ یہ خط دیکھتے ہی شاہ رآدرق کے ہوش اُڑگئے۔ اس نے لڑائی کا سامان شروع کیا۔ لوگون مین قومی جوش پیدا کرکے اتنی فوج جمع کرلی کہ خزانۂ شاہی کے اسلحہ اُس کے لیے کافی نہ ہوے۔ تھوڑے ہی عرصے مین کچھ زیادہ نوے ہزار فوج خاص گوتھک جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی۔ اسلحہ کی کمی سے یہ انتظام کیا گیا کہ اگلی اور پچھلی صف والے زرہ۔ بکتر۔ اور چار آئینہ وغیرہ سے آراستہ تھے۔ اور اُنکے ہاتھون مین حسب رواج ملک تیر کمان اور منجنیق بھی تھے۔ ڈھال تلوار۔ اور نیزے سب کے پاس تھے۔ اور جن کے پاس تلوارین نہ تھین اُنکے ہاتھون مین چھوٹے چھوٹے ہنسوے اور تبر اور لاٹھیان تھین۔

یہ فوج بڑے تزک و اہتمام سے مسلمانون کے مقابلے کو روانہ ہوئی۔ تمام اعیان سلطنت اور رؤساے ملک شاہی جھنڈے کے نیچے تھے۔ اور بادشاہ کے غیرت دلانے سے ایسا جوش سب کے دلون مین پیدا ہوگیا تھا کہ گویا ان مین سے ہر شخص عربون کے خون کا پیاسا تھا۔ جاتے جاتے یہ فوج سدونیا کے میدان مین پہونچی۔ طارق کو جب بیشمار فوج کا حال معلوم ہوا اُسکے استقلال مین ذرا بھی فرق نہ آیا۔ طارق کی ہمت فقط اس خیال سے مضبوط رہی کہ عرب شمار مین جتنے کم ہین باعتبار بہادری اور استقلال کے اُس سے بدرجہا زیادہ بڑھے ہوے ہین۔ مگر طارق نے اب یہ انتظام کیا کہ مسلمانون کے گروہ جو ادھر اُدھر کے اضلاع پر تاخت و تاراج کر رہے تھے اور ہر طرف قبضہ کرتے چلے جاتے تھے اُن سب کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرلیا۔ ان تمام کوششون سے عربی نشان کے نیچے بیس ہزار سے کچھ زیادہ فوج جمع ہوسکی۔ کیونکہ اس لڑائی مین ایک ایک مسلمان کے مقابل چار چار اہل اسپین تھے۔ ان بیس ہزار عربون کو لے کے طارق شاہ رآدرق کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔

میدان غا دلیت میں دونوں فوجوں نے ایک دوسرے کو دیکھا - اہل اسپین بڑی حسرت سے دیکھ رہے تھے کہ افسوس یہی لوگ ہمیں اپنا غلام بنانے اور ہماری زمینوں پر قبضہ کرنے کے لیے آئے ہیں - مسلمان اپنی کمی اور اس دشمن کے دریائے مواج کو دیکھ دیکھ تقدیر کا دامن پکڑ لیتے تھے کہ دیکھیے یہ کس کے حق میں فیصلہ کرتی ہے - مگر پھر اپنی بہادری اور اپنے استقلال کا خیال کرکے تازہ دم ہو جاتے تھے -

جس روز دونوں فوجوں کا سامنا ہوا ہے - اتوار کا دن تھا - اور ماہ مبارک رمضان کے ختم ہونے کو صرف دو روز باقی رہ گئے تھے - دونوں دشمنوں کے ہجوم سے زمین کانپنے لگی - قرنا اور طبل اور صدہا قسم کے جنگی باجوں کی آوازیں ہوا میں گونج رہی تھیں - اور گویا جاں فروش فوجیں اپنی ناموری کی موت پر آپ ہی مبارک باد کے شادیانے بجا رہی تھیں -

رات تو ایک بیقراری کے انتظار میں گذری - آخر صبح ہوئی - دونوں فوجیں شاید رات کے اندھیرے ہی میں آراستہ ہو گئی تھیں کہ تڑکے ہی دونوں طرف سے حملہ ہوا اور عرب و اہل اسپین دونوں اشعار رجز پڑھتے ہوے ایک دوسرے پر جا پڑے - ایک ہی وضع اور ایک ہی رنگ سے شام تک تلوار چلا کی - نہ کوئی دل ہارتا تھا اور نہ کوئی تھکنے کا نام لیتا تھا - کچھ آسمان ہی کو دونوں کی جانبازیوں پر ترس آگیا کہ اُسکے پہلو بدلتے ہی رات نے دونوں فوجوں کو جدا کر دیا - مگر اللہ رے ذوق و شوق کہ دونوں طرف کے سپاہیوں نے ساری رات میدان جنگ ہی میں گذار دی کہ اب فیصلہ ہی کرکے فرودگاہ کو جائیں گے - بڑے انتظار کے بعد جنگ آزماؤں نے صبح کی - ادھر مسلمانوں نے سحری کھانے سے فراغت پائی اُدھر آسمان پر سفیدۂ صبح ظاہر ہوا - اور دونوں فوجوں کے سپاہی تیز رو تیروں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دوڑے - آج بازار جنگ کل سے زیادہ گرم تھا - مگر ظلمات نے مجبوراً دونوں کو جدا کیا -

تیسری صبح کو طارق سپہ سالار فوج عرب تڑکے اُٹھا - دیکھا تو تھکے ہوے اہل عرب آج اُس سرگرمی سے اپنی صفیں نہیں درست کرتے ہیں جیسا کہ پہلے دو روز تک ظاہر ہوا تھا - یہ دیکھ کے طارق کے دل میں خیال گذرا کہ شاید مسلمانوں کی ہمتوں

مین کچھ فرق آگیا ہے اور اُنکے دل ٹوٹ گئے ہین۔ گھوڑے پر سوار ہوکے وہ اپنی صفون کے آگے آیا۔ ادھر اُدھر صفون کے برابر گھوڑا دوڑاتا چلا گیا۔ اور پھر عین وسط مین ٹھہرکے اپنے سوارون کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "اے اہل اسلام! اے فاتحان ارض مغرب! اگر بھاگ کے جانا چاہو تو کہان جاؤگے؟ یون بے سوچے سمجھے بھاگنے کا کیا انجام ہوگا؟ تمھارے سامنے یہ دشمن ہین! تمھارے پیچھے دیکھو سمندر ہے! اس غیر سرزمین پر تمھارا کوئی پناہ دینے والا نہین ہے! ہان اگر تمھین مدد مل سکتی ہے تو دو چیزون سے۔ یا تو خود تمھاری جرأت اور بہادری تمھاری مدد کر سکتی ہے اور یا وہ سب کا مددگار اللہ جل شانہٗ تمھارا مددگار ہو سکتا ہے۔ بڑھو! اے بہادرو! اے مسلمانو! بڑھو! دیکھو جو کام تمھارا سردار کرے وہی تم بھی کرو" یہ کہکے طارق نے گھوڑے کو ایڑ بتائی۔ اور ایک جانستان تیر کی طرح اہل اسپین کی فوج پر جا پڑا۔ جو آگے آیا اُسے مار کے گرا دیا۔ جو داہنے بائین راستے مین پڑا اُسے کاٹ کے ڈال دیا۔ یونہین مارتا اور کاٹتا خاص گوتھک جھنڈے کے نیچے پہونچ گیا۔ وہان شاہ رادرق تزک و احتشام سے کھڑا ہوا تھا۔ اُسکی وضع و لباس اور اُس کے گھوڑے کے سازوسامان سے طارق نے پہچان لیا کہ شاہِ اسپین یہی ہے۔ اتنا جانتے ہی طارق نے بڑھ کے ایک نیزہ مارا۔ اور ایک ہی ضرب مین شاہ رادرق کو گھوڑے سے مار کے گرا دیا۔ مسلمان سپہ سالار نے اسی پر اکتفا نہین کیا۔ بلکہ نہایت پھرتی سے مار کے رادرق کا سر کاٹ کے اپنے نیزے پر رکھ لیا۔ اور زور سے تکبیر کہکے حملہ کر دیا۔

اسوقت اہل اسپین مخبوط الحواس ہو رہے تھے۔ اُن کو بن ہی نہ آتا تھا کہ کیا کرین۔ اُدھر مسلمانون نے طارق کی یہ جرأت دیکھ کے زور سے حملہ کیا۔ اور اسپین والون مین سے جو سامنے آیا اُسے نذرِ اجل کیا۔ اہل اسپین بڑی بے سروسامانی سے بھاگے۔ اور مسلمانون نے میدان جنگ سے بہت دُور دُور تک تعاقب کرکے قتل کیا۔ آج تک کوئی اندازہ نہین کر سکا کہ اُس لڑائی مین کتنے آدمی قتل کیے گئے۔ صرف خدا ہی کو معلوم ہے کہ اُن کا شمار کس قدر ہے؟ صدہا سال تک اُس میدان مین مُردون کی ہڈیان پڑی رہین۔ اور عرصے تک گِدون کا ہجوم رہا۔

میدان غادلیت کی فتح ۵- شوال سنہ ۹ ہجری کو ہوئی - جس کے بعد سے مسلمانون کا قدم سرزمین اسپین مین جم گیا - اور بڑھتے بڑھتے وہ ملک فرانس کی بھی آدھی سرزمین طے کر گئے - اور آٹھ سو برس تک وہان اُن کا جھنڈا بڑی شان و شوکت سے اُڑتا رہا -

پہلی لڑائی تو تمام ہوئی - اب ہم اُس پچھلی لڑائی کا ذکر کرتے ہین - جب قسمت نے اس سرزمین کی حکومت کا مسلمانون کے خلاف فیصلہ کیا ہے -

مسلمانون نے جس وقت اسپین کو لیا تھا اُسوقت تمام اسپین کا دارالخلافہ قرطبہ قرار پایا تھا - مگر جس وقت یہ ملک اُنکے قبضے سے نکلا ہے - اُسوقت باہمی مخالفتون اور عداوتون کی وجہ سے دو حکومتین الگ الگ قائم تھین اور اُنکے قبضے مین بھی بہت تھوڑی زمین تھی - کیونکہ ایک دوسرے کی لڑائی اور عداوت مین عرب کی قوت اس درجہ ٹوٹتی گئی کہ شاہ کیسٹل ایک عیسائی حکمران کی قوت ترقی کرتی گئی - اور روز بروز اکثر بلاد عربوں کی حکومت سے نکل نکل کے مسیحیون کے قبضے مین ہوتے گئے - آخر شاہ کیسٹل نے دونون کو لڑا کے ایک ہی قوت باقی رکھی جس کا دارالسلطنت غرناطہ تھا - غرناطہ کے تخت پر پچھلا حکمران محمد ابو عبد اللہ الزقیر تھا - ابو عبد اللہ ایسا پست ہمت اور دل ہار دینے والا شخص تھا کہ تقدیر کو اس کام کیلیے اُس سے زیادہ مناسب کوئی حکمران نہین مل سکتا تھا کہ اسلامی دولت کو زوال پہونچایا جائے -

اور تمام واقعات جو اسلامی قوت کے گھٹانے کے لیے شاہ کیسٹل سے ظہور مین آئے - اُنکے بیان کی ہمین اسوقت کچھ ضرورت نہین - غرض ۸۹۷ھ ہجری کے ابتدائی مہینون ہی مین اہل غرناطہ اور تمام رعایاے شاہ ابو عبداللہ الزقیر پر لڑائی کی ہیبت طاری ہوگئی - ذان فرننڈو شاہ کیسٹل چالیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوارون سے اضلاع غرناطہ مین داخل ہوا - اور بڑھتے بڑھتے خاص دارالخلافت غرناطہ کا محاصرہ کر لیا -

محمد عبد اللہ الزقیر نے گھبرا کے اپنے شہر کے تمام عمائد و بہادرون - قاضیون اور فقہا کو جمع کر کے اس بارۂ خاص مین اُن سے مشورہ کیا - مشہور و معروف قصر حمراء

مین یہ لوگ جمع ہوے تھے - وزیر ابو القاسم عبد الملک نے اُٹھ کے پہلے اس بات کی رپورٹ
کی کہ ہمارے پاس غلہ وغیرہ کس قدر ہے - تاکہ معلوم ہو کہ محصورہ کے ہم کب تک
لڑ سکتے ہین - اُس نے بتایا کہ جو کچھ غلہ اور سامان امرا اور تاجرون کے پاس ہے
اسکے علاوہ شاہی کسریٹ مین اس قدر ہے - پھر ایک رجسٹر پیش کیا - جس سے معلوم ہوا
کہ فوج شاہی کے علاوہ ہمارے شہر مین اتنے لوگ ہین جو اسلحہ سے کام لے سکتے ہین
یہ رپورٹ پیش کر کے وزیر ابو القاسم کہنے لگا "مین مانتا ہون کہ ان لوگون کا شمار بہت
زیادہ ہے - مگر یہ لوگ ہمارے کس کام آسکتے ہین ؟ ان کی اسلحہ بندی سے سلطنت
کو کچھ فائدہ نہین پہونچ سکتا ہے - ان لوگون کا یہ حال یہ ہے کہ صلح اور امن کے
زمانے مین تو بڑے بہادر نظر آتے ہین اور اونچی بنے پھرتے ہین - مگر لڑائی کے وقت
اِدھر اُدھر دبکنے لگتے ہین - جب ان لوگون کا یہ حال ہے تو سوا اسکے کہ ہمارا
کھانا اور ہمارا سامانِ رسد غارت کرین - اور کس کام آئین گے - یہ خوراک اگر ہمارے
تجربہ کار سپاہیون کو دی جائے تو اُن کے دل قوی ہون گے اور وہ اطمینان سے
مقابلہ کر سکین گے ؛

یہ تقریر سنتے ہی بہادر سردار فوج موسیٰ بن ابی الغسانی طیش مین آ کے اُٹھ کھڑا
ہوا - اور کہنے لگا "نہین نہین ہم کو ان لوگون کی جانب سے کسی قسم کی بے اعتمادی
نہین ہے - اگر ہم انھین عقلمندی اور ہوشیاری سے لڑائین گے تو یہ لوگ بڑے کام
آئین گے - ہمارے وہ بہادر سوار جنھین فوج اندلس (اسپین) کے باغ کا پھول کہنا
چاہیے - ہمارے وہ پیادے جو سوارون سے بھی اچھا کام دیتے ہین - ہماری وہ
جنگ آزمودہ فوجین جو لڑائی کی مصیبتین برداشت کر لینے کی عادی ہو رہی ہین کچھ
انھین پر ہماری لڑائی کا دار و مدار نہین ہے بلکہ اُن سب کے علاوہ ہم اپنی وفادار
رعایا مین سے جن کے بیس ہزار ایسے نوجوان میدان جنگ مین کھڑے کر دے سکتے
ہین جن کے دلون مین جوانی کی آگ بھڑک رہی ہے - وہ لوگ اس لڑائی مین تجربہ
اُٹھا کے بڑے بڑے عمدہ سپاہیون سے بھی اچھا کام دے سکین گے - تم خود دیکھ لینا
کہ آزمودہ کار اور بہادر سپاہیون کی طرح اُنھون نے نہایت بہادری سے اپنے سینے
دشمن کے سامنے کر دیے ؛

یہ سن کے محمد ابو عبداللہ الزغیر شاہ غرناطہ اپنے تمام اعیان دولت کی طرف خطاب کر کے کہنے لگا "اے عمائد غرناطہ! تمھیں سب سلطنت کے سپر ہو۔ خدا نے چاہا تو تم تمھاری ہی مدد سے اُن تمام باتوں کا انتقام لیں گے جو ہمارے اسلام کو برداشت کرنا پڑی ہیں۔ ہمارے قرابت داروں اور دوستوں کی جانوں کا بدلہ۔ ہماری عورتوں کی تباہی کا معاوضہ اب تمھارے ہی ہاتھ ہے۔ میں اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا صرف تمھاری بہادری پر منحصر ہے۔ اب شہر کی حفاظت اور ہماری آزادی کا بچانا تمھارا ہی کام ہے۔"

تمام شیوخ غرناطہ اس شاہی اسپیچ (تقریر) کو سن کے روانہ ہوے کہ لڑائی کا سامان کریں۔ رسد اور ہر قسم کی ضرورتوں کا اہتمام وزیر ابو القاسم نے اپنے ذمے لیا۔ اور حکم دے دیا کہ جتنے لوگوں کے نام رجسٹر میں لکھے ہیں سب اسلحۂ جنگ سے آراستہ ہو کے حاضر ہوں۔ سردار موسیٰ بن ابیل الغسانی سپہ سالار فوج قرار دیا گیا۔ شہر کی حفاظت اور نگہداشت اُس نے اپنے ذمے لی۔ موسیٰ غسانی کے ماتحت نعیم بن رضوان اور اُسکے ماتحت محمد بن زیاد اور عبد الکریم الصغرئے افسران فوج مقرر کیے گئے۔ شہر پناہ کی حفاظت انھیں لوگوں کے سپرد تھی۔ مختلف اطراف میں حسب ضرورت یہ لوگ مامور کر دیے گئے تھے۔ القصبہ اور سرخ برجوں کی گڑھیاں انھیں قاضیوں کے قبضے میں رکھی گئیں جو پیشتر سے اُن پر حکمران تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسوقت اسپین بھر میں صرف ایک شخص تھا جس کی ہمت۔ شجاعت۔ غیرت تمام باتوں پر صرف اُسی زمانے میں نہیں بلکہ اسپین کو اپنی پوری آٹھ سو برس کی اسلامی سلطنت میں ناز ہو سکتا ہے وہ یہی موسیٰ غسانی تھا۔ اُس نے شہر کے پھاٹک پہلے ہفتے میں بند رکھے۔ اور لڑائی یوں جاری رہی کہ شاہ کیسٹیل کے جو گروہ لڑنے کو آتے تھے۔ اُن کے مقابلے کے لیے روزانہ تین ہزار سوار شہر سے باہر نکلتے تھے۔ ان سواروں کے بھیجنے میں دوسری غرض موسیٰ کی یہ تھی کہ قرب جوار کے کوہستانی اضلاع سے جو رسد شہر غرناطہ میں آیا کرتی تھی وہ حفاظت سے نکال لائی جائے۔ موسیٰ نے ایک بار اس خاص مہم پر سردار ظہیر بن عطاء کو روانہ کیا۔ محمد ظہیر پندرہ سو سواروں کو لے کے پہاڑیوں کی جانب روانہ ہوا۔

شاہ کیسٹل کی طرف سے متواتر فوجین آتی تھین اور محمد ظہیر بڑی جرأت و شجاعت
سے پسپا کر دیا کرتا۔ اس مین کوئی شک نہین کہ ان لڑائیون مین بہت سے بہادر
مسلمان نذر اجل ہو گئے۔ مگر شاہ کیسٹل کا نقصان اس سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ قصبہ
پڈال کے قریب محمد ظہیر نے ایک سخت مقابلہ کیا۔ مگر باوجود ان سب باتون کے اصل
مین شاہ کیسٹل کے لوگون نے غرناطہ والون کو بہت نقصان پہونچا دیا تھا۔ کیونکہ تمام
کوہستانی مقامات جہان سے غرناطہ مین رسد آیا کرتی تھی۔ عیسائیون نے تاخت و
تاراج کر کے تباہ کر دیے۔ اور اسی وجہ سے بارہا ان مقامات مین دونون طرف
کی فوجون کا مقابلہ ہوا۔ مگر نتیجہ ان لڑائیون کا یہی ہوا کہ اُن تمام مقامات مین خون کا
سیلاب آ گیا۔ اور زمین کشتون یا دم توڑنے والے زخمیون کی لاشون سے پٹ گئی۔

بہادر سپہ سالار غرناطہ موسیٰ غسانی خود ایسا جانباز تھا اور نیز اُسکے ہمراہی سوار
ایسے بہادر تھے کہ اُس نے شاہ کیسٹل کے ہمراہیون کو ستانے یا دم لینے کی مہلت بہت
کم دی۔ ان سوارون کی معرکہ آرائیون اور سخت حملون سے عیسائیون کے دل مین
رعب بیٹھ گیا۔ خود موسیٰ ایسا شجاع تھا کہ بارہا اُس نے اپنے گھوڑے کو اڑاتا ہوئی
اور مارتا اور قتل کرتا ہوا دہشت زدہ ہمراہیان شاہ کیسٹل کے لشکرگاہ تک گھُسا چلا
گیا۔ اور بہتون کو اپنے نیزے سے مار کے گرا دیا۔ حتیٰ کہ بعض عیسائی خاص اپنے
خیمے کے سایے مین اُس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ مسلمانون کے اور سردارون نے بھی
ایسی ہی بہادریان دکھائین۔ غرض ان لڑائیون سے غرناطہ کے سوارون نے ثابت
کر دیا کہ اپنے قدیم فاتح بزرگون سے شجاعت مین وہ کسی درجہ بھی کم نہین ہین۔

مسلمانون نے اپنے حملون سے اس قدر عاجز کر دیا کہ مجبوراً اہل کیسٹل نے اپنی
حفاظت کے لیے اپنے لشکرگاہ کے گرد ایک دیوار سی کھینچ لی۔ اور چونکہ دیوار کی مضبوطی
پر اعتبار نہ تھا اس لیے اُسکے نیچے نیچے چارون طرف کھائی بھی کھُدوائی۔ جس سے
یہ کہنا چاہیے کہ محاصرہ کرنے کے عوض شاہ کیسٹل کی فوج خود محاصرے مین آ گئی۔
مگر عیسائی بھی بڑی جرأت سے مقابلہ کر رہے تھے۔ لڑ جھگڑ کے پھر اُنھون نے غرناطہ
کا محاصرہ قائم کر لیا۔

موسیٰ بن ابی الحسن نے اہل کیسٹل کی یہ کارروائی دیکھ کے بادشاہ ابو عبداللہ الزغل سے

التجا کی کہ محاصرہ کرنے والون سے مقابلے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے جب منظور کر لیا تو ایک روز معمود کو ترڑکے نماز کے وقت اپنے تمام سوارون اور پیادون کی ایک بہت بڑی جماعت لے کے وہ شہر سے نکلا۔ یہ فوج اس تزک و احتشام سے روانہ ہوئی کہ کوس کی آواز گونج رہی تھی اور طبل جنگ بجایا جاتا تھا۔ اسی سامان سے یہ لوگ شاہ کیسٹل کے لشکرگاہ پر جا پہونچے۔ مگر بخلاف سابق عیسائیون نے اس موقع پر سستی نہین کی بلکہ فوراً لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ بہت سخت لڑائی ہوئی۔ غرناطہ کے سوارون نے تو بیمثل شجاعت دکھائی مگر پیادے بالکل نہ لڑ سکے۔ اہل کیسٹل کے پہلے ہی حملے کی تاب نہ لا سکے۔ اور بڑی بدحواسی اور بے ترتیبی سے بھاگے۔ آخر سب مسلمانون کو بھاگ کے شہر مین پناہ لینی پڑی۔ عیسائیون نے خاص غرناطہ کی دیوارون کے قریب تک اُن کا تعاقب کیا۔

سپہ سالار موسیٰ جب ناکام واپس آیا تو اُس کی یہ کیفیت تھی کہ مارے غصے کے جان سے بیزار تھا۔ بڑی ناامیدی سے ایک زخم خوردہ شیر کی طرح غرناطہ مین آیا۔ اور پیادون کے بودے پن سے اس قدر متنفر ہو گیا تھا کہ قسم کھائی کہ "پیدل فوج لیکر پھر کبھی ایسا حملہ نہ کرون گا۔" اُدھر عیسائیون کو موقع مل گیا کہ بڑھکے اُن مقامات پر قبضہ کر لیا جہان غرناطہ والون کی طلیعے کی فوج رہا کرتی تھی۔ اور اُسی جگہ اپنی مورچے بندیان کرلین۔ موسیٰ بن ابیل نے حکم دے دیا کہ پھاٹک نہایت مضبوطی سے بند کر لیے جائین۔ پیدل فوج پر تو اعتماد نہین رہا۔ پھر کس فوج کو لے کے مقابلے کو نکلے۔

اب اہل کیسٹل روز بروز اپنی تدبیرون مین کامیاب ہونے لگے۔ شہر کے ناتجربہ کار نوجوانون کی نسبت وزیر ابوالقاسم نے جو رائے دی تھی وہی سچ ہوئی۔ آخر انھین نے دغا دی اور اب منتشر ہونے لگے۔ وزیر نے یہ تمام حالات شاہ ابو عبداللہ سے بیان کیے اُس نے پریشان ہو کے پھر تمام ارکین دولت۔ شیوخ اور عمائد شہر کو قصر حمراء مین جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور کہا "اب عیسائی لوگ جب تک شہر پر قبضہ نہ کر لین گے محاصرے سے نہ باز آئین گے۔ ایسے نازک وقت مین کیا تدبیر کی جائے؟"

خود شاہ ابو عبداللہ کا حوصلہ اس قدر پست ہو گیا تھا کہ اسکے سوا اس کی زبان سے

اور کوئی حیلہ نہ نکل سکا۔ تمام شیوخ کی یہی رائے قرار پائی کہ اب شاہ کسٹیل سے صلح کر لی جائے۔ اس موقع پر بہادر سپہ سالار موسیٰ بن ابیل سے نہ رہا گیا۔ جوش میں آ کے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "مجھے ابھی امید باقی ہے۔ ہم کو یوں ہمت نہ ہارنا چاہیے بلکہ مناسب یہی ہے کہ ہم آخر تک مقابلہ کریں۔" مگر اس عام مجمع میں یہ ایک رائے تھی جس کی تائید میں کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا کیا سرسبز ہو سکتی تھی؟ یہی قرار پایا کہ خود وزیر اعظم شاہ کسٹیل کے پاس جا کے مدارج صلح طے کرے۔

وزیر ابو القاسم غرناطہ کا ایک سن رسیدہ اور نیک نام شخص تھا۔ ایلچیوں کی وضع بنا کے غرناطہ سے نکلا۔ اور شاہ کسٹیل کے دربار میں حاضر ہوا۔ وہاں اُس کی نہایت تعظیم و تکریم ہوئی۔ معمولی مراسم مزاج پرسی کے بعد صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ مختلف تجویزوں اور دیر تک کے مباحثے کے بعد شاہ کسٹیل اس پر راضی ہوا کہ دو مہینے تک نہ دریائی راستے سے اور نہ خشکی کی راہ سے کوئی کمک شاہ غرناطہ تک پہونچ سکے بعد دو مہینے کے مدینۂ غرناطہ کی دو گڑھیاں مع شہر کے بُرجوں اور قلعوں کے شاہ کسٹیل کے سپرد کر دی جائیں۔ اسکے علاوہ شاہ ابو عبداللہ عہد کرے کہ ہمیشہ شاہ کسٹیل کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا۔ نیز اس کی رعایا کو اور خود اُسے شاہ کسٹیل کو اپنا حاکم تسلیم کرنا ہوگا۔ تمام عیسائی قیدی بلا کسی معاوضے کے چھوڑ دیے جائیں۔ اور اس وقت شہر غرناطہ کے اعلیٰ اور معزز خاندانوں کے تین سو نوجوان شاہ کسٹیل کے سپرد کر دیے جائیں۔ تاکہ مذکورہ تمام امور کی تعمیل کے لیے وہ بطور ضمانت کے رہیں۔ جس تاریخ عہد نامہ ہو اُسکے بارہ دن کے اندر تمام امور کی تعمیل ہو جائے گی۔"

ان شرائط کے علاوہ عہد نامے میں یہ امور بڑھا دیے گئے: "غرناطہ کے مسلمان باشندے بلا کسی مزاحمت کے اپنے گھروں میں رہیں گے اور اپنی جائدادوں پر امن و امان سے قبضہ رکھیں گے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح پہلے رہتے تھے۔ اُنکے اسلحہ اور گھوڑے کوئی نہ چھینے گا۔ اُنکے مال و اسباب میں سے کوئی چیز نہ لی جائے گی۔ اپنے مذہب پر نہایت آزادی سے قائم رہیں گے۔ خواہ علانیہ خواہ پوشیدہ کسی طرح سے اُن کی مزاحمت کی کوشش نہ کی جائے گی۔ اپنی مساجد پر بے روک ٹوک وہ قابض رہیں گے۔ اپنے دینی رسوم اپنی مذہبی اور قومی زبان عربی کے بارے میں شاہ کسٹیل کی جانب سے

وہ کوئی مخالفت نہ پائین گے - اُنھین کی شریعت کے مطابق اُن پر حکومت کی جائے گی
انھین کے ہم مذہب قاضی اُن پر حکمران رہین گے - قاضیون کو شاہ کیسٹل مقرر کریگا -
اور وہ مسلمانون پر حکمرانی کرین گے - اور سلطنت کے مشیر رہین گے - مالگذاری پر کوئی
اضافہ نہ ہوگا - جس قدر سنت اور شرع محمدیؐ سے ثابت ہے - یعنی جس قدر اور جس
طرح ہمیشہ اپنے بادشاہون کو مالگذاری ادا کرتے رہے ہین اب بھی ادا کرین گے ہمیشہ
تین برس کے بعد ایک مہینے کی مالگذاری اُن پر واجب الادا نہ ہوگی" یہ عہدنامہ
تھا جو بذریعہ وزیر ابوالقاسم کے شاہ غرناطہ محمد ابو عبداللہ الزغیرا اور شاہ کیسٹل کے
فی ما بین قرار پایا - یہ عہدنامہ بائیسوین محرم ۸۹۷ھ ہجری کو لکھا گیا تھا -

وزیر ابوالقاسم جب اس عہدنامہ کو لکھوا کے مدینۂ غرناطہ مین واپس آیا اور
شاہ ابوعبداللہ کے دربار واقعہ قصر الحمراء مین مجمع عام کے سامنے سنایا - تو جتنے لوگ
بیٹھے ہوے تھے سب کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے - ایک آٹھ سو
برس کی باجاہ و جلال سلطنت کے لیے یہ ایک ایسی ذلت کا سامنا تھا کہ بادشاہ -
تمام شیوخ - اور کل قاضیون اور عمائد کے سر جھک گئے - اور کسی کو اتنی تاب نہ رہی
کہ کوئی لفظ زبان سے نکال سکے - وہ قصر الحمراء جو خدا جانے کیسے کیسے رعب داب
کے نمونے ظاہر کر چکا تھا اُس پر ہر طرف ایک حسرت کا سکوت طاری ہوگیا - کچھ
دیر کے بعد غرناطہ کا باغیرت بہادر موسیٰ بن ابی الغسانی اُٹھ کھڑا ہوا اور تمام شیوخ
غرناطہ کی طرف خطاب کر کے کہنے لگا :-

"ہاے ! اے اہل غرناطہ ! بچون اور نازنین عورتون کا ایسا بیفائدہ
کا رونا موقوف کرو - آؤ ہم سب جوان مرد بنجائین - اپنے دلون کو تسلی دین - یون
نہین کہ جس طرح عورتین آنسو بہا کے اپنے دل کی بھڑاس نکال ڈالا کرتی ہین - بلکہ
اس طرح کہ اپنا خون بہاتے رہین - اُسوقت تک جب تک کہ ہمارے بدن سے
خون کا پچھلا قطرہ ٹپکے - ہمارے دلون مین جو ناامیدی کی جھلک پیدا ہوگئی ہے -
ہمارا خون جو ٹھنڈا پڑ گیا ہے آؤ اسی پر افسوس کرنے کے جوش مین ہم بڑھین - اور
دشمنون کے نیزون پر اپنے بہادرون کے سینون کی قربانیان چڑھا دین - آؤ ہم سب
کٹ کے مرجائین - جیسا کہ ہمین شایان ہے - مین تمھارے ساتھ چلنے کو موجود ہون - آ

بھائیو! ایسے پُرجوش دل سے جو بے ہمتی اور واپس آنے کا نام نہیں جانتا۔ میدانِ جنگ کی معزز اور ناموری کی موت سے ہم کیوں منہ پھیریں۔ ہمارے لیے یہی مناسب ہے کہ اُس دوسرے عالم میں اُن لوگوں میں شمار کیے جائیں جو اپنے ملک کی حفاظت میں جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ نہ اُن لوگوں میں جو سستی اور افسردگی سے کھڑے دیکھا کیے اور اُنکے وطن پر غیر ملک کے لوگوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور آخر نہایت حسرت کے ساتھ اُنھیں اپنے ملک کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑی۔

"اگر حقیقت میں ایسا ہے کہ ہمارے دل ناامید ہو گئے ہیں اور ہمارے دل میں وہ جوش بالکل نہیں رہا ہے جو ہمیں اپنے گھروں کے بچانے کی آخری کوشش کے لیے قدم بڑھانے پر مجبور کر دے تو اب یہ کرنا چاہیے کہ ہر شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ جو مردانگی و جرأت دکھانا چاہتا ہے اُسے دادِ شجاعت دینے دو۔ اور جو ذلیل اور ذلیل غلامی کے عزت گیر جوئے کے آگے اپنی گردن جھکا دینا گوارا کرتا ہے اُسے وہ غلامی ہی کی زندگی اختیار کرنے دو۔ میں دیکھتا ہوں کہ سر سے سب کا جوش پھیکا پڑ گیا ہے۔ سب کے سب افسردہ ہو گئے ہیں اور سلطنت کے بچانے کی اب کوئی تدبیر باقی نہیں رہی۔ مگر ہاں ابھی ایک مقام ہے جہاں شریف اور بہادر آدمی کو پناہ مل سکتی ہے۔ وہ موت کے دامن میں پناہ لے سکتا ہے۔ میں بہ نسبت اُن آنے والی غمناک حالتوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کے لیے زندہ رہنے کے ابھی اسی وقت اس آزادی ہی کی حالت میں مر جانا پسند کرتا ہوں۔

"کیا تمھیں یقین ہے کہ اہل کیسٹل نے جو اقرار کیے ہیں اُن پر ہمیشہ قائم رہیں گے؟ اُن کا بادشاہ جو فتح حاصل کر چکا ہے کیا وہ اتنا ہی فیاض فتحمند ثابت ہوگا جیسا کہ پہلے ایک سب سے بدتر دشمن تھا؟ کیا اُس کا مزاج بدل جائے گا؟ یقین مانو یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔ دیکھو اپنے آپ کو دھوکا نہ دو۔ یہ عیسائی ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہماری قربانیاں کر کے یہ اپنی آرزوئیں پوری کریں گے۔ یہ بدشگونیاں یہ بداسلوبیاں جو ہمیں نظر آ رہی ہیں ان کا انجام صرف موت ہے۔ ہماری بُری قسمت جن امور کی تخیل کر رہی ہے وہ نہایت ہی خوفناک ہیں۔ ہمارے گھروں کا لٹنا۔ ہماری مسجدوں کی توہین۔ بیبیوں اور بیٹیوں کی بےحرمتی اور مصیبت ہر قسم کی خرابیاں۔ غیر منصفانہ

احکام - انتقام لینے کے برتاؤ - ظالمانہ معاوضہ - غرض یہ ظالم کفار کوئی بات اُٹھا نہ رکھیں گے - یہ تمام باتین اس قدر قریب ہین کہ ہم خود ان کو اپنی آنکھون سے دیکھین گے - نہین وہی لوگ دیکھین گے جو اسوقت اُس عزت کی موت سے ڈرتے ہین جسکو مین تجویز کرتا ہون - لیکن مین اپنی نسبت خدا کی قسم کھا کے کہتا ہون کہ ہرگز نہ دیکھون گا"

اتنا کہہ کے اس بہادر سپہ سالار نے اتنی امید سے کہ شاید کوئی ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے چارون طرف دیکھا - مگر افسوس عشرت پسندی نے اس قدر حوصلے پست کر دیے تھے اور ایسا بزدل بنا دیا تھا کہ سب نے سر جھکا لیا - اور اس مجمع مین ایک بھی نہ نکلا جو غیرتمند موسٰی کی اُمیدون کو تھوڑا بہت قوی کر دیتا - مگر موسٰی نے اپنے دل کو اب بھی مایوس نہ ہونے دیا - پھر اُسی پُرجوش لہجے مین گفتگو شروع کی - کہنے لگا :-

اس مین ذرا بھی شک نہ کرو کہ موت ہر شخص کو آنے والی ہے - خصوصاً ہر وہ شخص جو اس قصر مین بیٹھا ہے - کیونکہ اُس سے تو موت بالکل قریب ہے - اور جب یہی ہے تو ہماری زندگی کا جس قدر حصہ باقی رہ گیا ہے اُسکو اپنے دشمنون سے انتقام لینے اور اپنے ملک اور دین کی حمایت ہی مین کیون نہ صرف کر دین؟ میرے بھائیو! آؤ ہم اپنی آزادی کی حفاظت مین اپنی جان دے دین - ہماری مادری زمین سے جو خاک ہمارے جسمون کے بنانے کے لیے نکلی تھی - پھر اُسی مین مل جائے - اگر ہم مین سے کسی کو گوشۂ قبر بھی نہ نصیب ہو تو کچھ پرواہ نہین - جنت اُس کو اپنی گود مین لے لیگی - شرفا و شیوخ غرناطہ اگر اس بہادری سے اپنے ملک کی حفاظت مین جانین دیدین گے تو اگر انکی اس بہادری کو کوئی شخص نامناسب کہے گا تو وہ خدا کا گنہگار ہوگا"

موسٰی اتنا کہہ کے خاموش ہوگیا - مگر افسوس وہ تمام لوگ جو گرد بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی خاموش ہی رہے - آخر موسٰی کا دل ٹوٹ گیا - اور تمام شیوخ - علما - امرا - اور ارکین دولت جو بیٹھے ہوے تھے اُنکے پست ہمتی اور بے عزتی گوارا کر لینے کو دیکھ کے اُس نے اُنکی طرف سے پیٹھ پھیر لی - اور بڑی ناامیدی - بڑی شکستہ دلی - بڑی

بڑی حسرت و مایوسی کے ساتھ قصر حمراء سے نکل کے چلا گیا۔ اور محل شاہی کو اُسی بےعزتی کے سکوت میں چھوڑ گیا۔

بہادر موسیٰ بن ابیل الغسانی کی نسبت مورخین کی زبانی اتنا حال اور معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے وہ سیدھا اپنے گھر گیا۔ اسلحہ سے آراستہ ہوا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر غرناطہ کے باب البیرا سے نکلا چلا گیا۔ اسکے بعد نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ اور کہاں گیا۔ خدا جانے زمین کھا گئی یا آسمان کھا گیا کہ پھر اس کی صورت نہ نظر آئی۔

موسیٰ کے جانے کے بعد دیر تک دربار میں سناٹا رہا۔ آخر وزیر نے کہا "اب خوف ہے کہ موسیٰ نے جو جوش پیدا کر دیا ہے اُسکی وجہ سے بلوہ نہ ہو جائے۔ لہذا مناسب ہے کہ شاہ کیسٹل کو اطلاع کی جائے کہ وہ فوراً شہر غرناطہ پر قبضہ کر لے۔ تاکہ جو کچھ خرابی ہو اُسی کے زمانے میں ہو" شاہ کیسٹل نے فوراً منظور کر لیا۔

بدنصیب شاہ محمد ابو عبداللہ الزغیر نے حکم دیا کہ دوسرے روز صبح تڑکے اُسکے تمام اعزا و اقربا اور متعلقین پو پھٹتے ہی شہر چھوڑ کے چلے جائیں۔ اور الفشار اس کا راستہ لیں۔ اور ایک وزیر ابن نمیرد اس خدمت پر مامور ہوا کہ شہر پر عیسائیوں کا قبضہ کرائے۔

صبح کی بدنصیب گھڑی آ پہونچی۔ محمد ابو عبداللہ الزغیر سوار ہوا۔ اور فوراً طبل و کوس اور تمام باجوں کی آواز کان میں آئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ شاہ کیسٹل غرناطہ کی طرف بڑھا چلا آتا ہے۔ شاہ ابو عبداللہ اپنے پچاس سواروں کے ساتھ استقبال کو نکلا۔ جب دونوں بادشاہوں کا سامنا ہوا شاہ ابو عبداللہ نے گھوڑے سے اُترنے کا قصد کیا مگر شاہ کیسٹل نے باز رکھا۔ آخر ابو عبداللہ نے بڑھ کے شاہ کیسٹل کے داہنے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور نہایت غمگینی کے لہجے میں یہ الفاظ زبان سے نکالے:-

"اے قوی اور طاقتور بادشاہ! ہم اب تیری رعایا ہیں۔ یہ شہر اور تمام مُلک ہم تیرے سپرد کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا ہی کی یہ مرضی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تو رعایا کے ساتھ شریفانہ اور فیاضانہ برتاؤ رکھے گا۔"

یہ کلمات سن کے شاہ کیسٹل پر ایسا اثر پڑا کہ جو بلاد حسب اقرار شاہ ابو عبداللہ کے قبضے میں رہتے اُن پر کئی اور شہر اضافہ کر دیے اور تسلی دلا کے کہا کہ "آپ جائیے

تب ملا صاحب بیمار پڑ گئے - ہوش و حواس مین فرق آگیا اور حالت ایسی نازک ہوئی کہ لوگ گھبرا کے اُس لڑکے کو بغرض عیادت لے آئے - ملا صاحب نے معشوق کی صورت دیکھتے ہی چند شعر حسب حال پڑھے اور ایک آہ کے ساتھ جان دیدی - جس کا بڑا اثر پڑا - اور اُن کا عشق عشقِ صادق قرار پاکے اسلامی صحبتون مین غیر معیوب خیال کیا جانے لگا -

ان ملا صاحب نے اپنی ساری شاعری اسی نصرانی معشوق کے فراق کی شکایت مین صرف کر دی ہے - خصوصاً اُن کا مخمس تو بہت ہی مقبول ہوا جس مین اُنھون نے مسیحیون کے تمام عقائد و خیالات اور اُنکے مقتداؤن اور معبدون کا ذکر کیا ہے - پہلے کہتے ہین کہ میرا گناہ صرف اتنا ہے کہ مسلمان ہون - لیکن میرے افعال نے میرے اسلام کو ایسا ناقص کر دیا ہے کہ اُسکی شکایت ہی کیا؟ پھر کہنا شروع کیا ہے کہ کاش مین صلیب ہوتا کہ اُسے وہ چومتا - اُس کا زنار ہوتا کہ اُس کی کمر مین لپٹا رہتا - اُس کا کرتا ہوتا کہ سینے سے لگا رہتا - اُس کا پاجامہ ہوتا کہ اُسکی ٹانگون کو اپنے آغوش مین لیے رہتا - اُس کا کنیسہ ہوتا - اُس کی انجیل ہوتا -

پھر اسکے بعد اُسے باپ بیٹے، روح القدس، حضرت مریم، حواریون، ستر داعیون، مسیحی ولیون اور راہبون اور خدا جانے کن کن چیزون کا واسطہ دلایا ہے کہ مجھ پر ترس کھا -

اب اس زمانے مین اکثر عربی شعرا کا کوے جانان کوئی دیر اور گرجا تھا اور اُن کا معشوق کوئی نصرانی لڑکا - ابن المعتز عباسی جو عہد مولدین عرب کا بڑا مقبول عام شاعر تھا اپنی ایک دلچسپ نظم مین کہتا ہے :-

"دیر عبدون پر اور طیورے کے اُس نشیمن پر جس مین خوب سایہ دار اور گھنے درخت ہین گھنگھور گھٹا برسی - اور اکثر یہ ہوا ہے کہ صبح تڑکے ہنوز چڑیان اپنے نشیمنون سے نہین اُڑنے پائی تھین کہ راہبانِ دیر نے اپنی عبادت کی صداؤن سے مجھے جام صبوحی پینے کے لیے جگا دیا (کون سے راہب؟) جو سیاہ قبائین پہنے ہین - صبح کے وقت زور و شور سے مزامیر لگاتے ہین - کمرون مین زنار باندھے ہین - اور سرون پر اپنے بالون سے اُنھون نے تاج سے بنا لیے ہین - اُن مین سے اکثر خوبرو ہین جن کی آنکھون مین سحر کا سُرمہ

لگا ہے اور پلکین آنکھون کی براق سفیدی و سیاہی پر اپنی چلمنین ڈالے ہین دُن مین سے ایک کو مین نے ایسے شوق کی نظر سے دیکھا کہ اُسی کر کے اشارے اشارے مین ملاقات کا وعدہ لیا اور (وعدے کے مطابق) وہ رات کے کُرتے مین بدن چُرائے اور کسی نمّام کے خوف سے جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہوا آیا - مین نے شوق استقبال مین عاجزی کے ساتھ اپنے رخسارے بچھا دیے - اور اس طرح دامون کو زمین پر کھینچتا ہوا چلا کہ اُسکے نقش قدم مٹتے جاتے تھے - ہلال آسمان پر چمک رہا تھا اور ڈر معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہمین رسوا نہ کر دے - اور بعینہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی کا ناخن کٹ کے الگ ہو گیا ہے - پھر اس کے بعد جو ہوا سو ہوا - مین اُس کا ذکر نہ کرون گا - بس تو نہ بدگمانی کر اور نہ پوچھ "

تاہم قدامت کا اتنا اثر ضرور باقی تھا کہ عورت معشوقائین بالکل نہین چھوٹنے پائی تھین اور اس عہد کے شعراے عرب کی یہ حالت ہے کہ اُن کا معشوق کوئی معیّن و مخصوص شخص نہین ہوتا - جسے کبھی وہ عورت بتاتے ہین اور کبھی مرد - جب عورت ہوتی ہے تو عموماً اُنکے چچا کی بیٹی ہوتی ہے لیکن جب وہ مرد ہوتا ہے تو اکثر وہ اُسے کسی دیر مین جاکے ڈھونڈتے ہین -

اسی زمانے سے فارسی شاعری شروع ہوئی - اور اُسے چونکہ عربون کے "ہوم" وطن سے تعلق نہ تھا اسلیے وہ پُرانی رفیق چچا کی بیٹی گھر ہی مین چھوٹ گئی جسنے اپنے صحرائی خیمون کو نہ چھوڑا اور انھین بھی اُس سے کچھ سروکار نہین رہا - اس لیے اب اس فارسی شاعری کا معشوق وہی خوبصورت لڑکا رہ گیا - جو پہلے پہل دیر مین ملا تھا اور چونکہ مسلمان شعرا کو شعر و سخن کی معرفت کافرون کے معبدون مین جانے کی عادت پڑ گئی تھی اس لیے وہ ایران مین دیر نصاریٰ کے عوض آتش پرستون کے کنشت کی طرف نکل گئے یہ ہمین نہین معلوم کہ ان دنون کنشتون کی کیا حالت تھی - خدا جانے دیرون کی طرح وہان بھی عاشقانہ دلچسپیون کا سامان تھا یا نہین - لیکن کفرستان مین جانے کی عادت شعرا کو اکثر کنشت مین لے گئی - خصوصاً اس چیز نے آتش پرستون کے معبد سے زیادہ مانوس کر دیا کہ شراب جو شام و بغداد مین نصاریٰ کے ہاتھون سے ملتی تھی یہان صرف زرتشتی عقائد والون سے ملتی - چنانچہ پیر مغان کی خدمت مین حاضر ہونے کے بعد کبھی کبھی

انہوں نے یہ بھی قبول کیا کہ ہمارا معشوق کنشت میں ہے ٭

اب شعرائے عجم اپنے کفر کی آزادیوں میں آؤر آگے بڑھے۔ ایرانیوں کو چین والوں سے پرانی رقابت تھی۔ وہ چین کی نقاشی وصورت گری کے قائل تھے۔ خصوصاً مانی کے واقعات سے ان میں چین کی مصوری کا بڑا شہرہ ہو گیا تھا۔ اس شہرت نے انہیں چین کے بت خانوں کا شوق دلایا۔ آؤر بغیر اس بات کے معلوم کئے کہ چینیوں بت خانوں میں در اصل کیا ہوتا ہے۔ انہیں اُن خیالی تصویروں کا شوق اُن کے خیال کے مطابق بت خانہ ہائے چین میں تھیں۔ اس نئے خیال کا تھا کہ فارسی شعرا میں بت خانوں کا چرچا ہونے لگا ٭

اسی اثنا میں مسلمانان عجم ہندوستان میں آئے۔ آؤر اُردو زبان پیدا ہوئی۔ آؤر اُس کی شاعری نے فارسی شاعری کے آغوش میں پرورش پائی۔ اسی فارسی شاعری کی معرفت وہ کنیسہ ہائے شام کا کافر ماجرا معشوق اُردو شعرا کو مل گیا جسے مسلمان لائے تو باہر سے تھے۔ مگر اس کا مسکن یہاں نہ گرجا رہا نہ کنشت بلکہ ہندوستان کے بت خانے ہو گئے۔ شعرائے فارسی کی تقلید میں وہ معشوق کی جستجو کرتے وقت کبھی کبھی دیر وکنشت کو بھی جھانک کے دیکھ لیا کرتے ہیں مگر اب اُن کا اصلی رجحان بُت خانوں کی طرف ہے۔ بُت پرستی کے تمام شعائر اُنہوں نے اختیار کر لئے ہیں آؤر بُت ہی کو اپنا اصلی معشوق بتاتے ہیں

ایرانیوں ہی کی تقلید میں اُردو کا معشوق بُت ہونے کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا ہے۔ عورت کے حُسن سے انہیں سروکار نہیں۔ آؤر بڑی حیرت کی یہ بات ہے۔ کہ جن بُت خانوں میں اپنے بت دِلرُبا کو بتاتے ہیں ان میں دیوتاؤں کی بھی مورتیں ہیں۔ آؤر دیویوں کی بھی۔ مگر دیوتاؤں کی مورتیں عموماً عظمت وجبروت آؤر قوت وطاقت کا نمونہ ہوتی ہیں۔ اُن کے بہت سے ہاتھ آؤر کئی سر ہوتے ہیں۔ وہ ایسے رعب وداب کے مظہر ہوتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کے بجائے عشق ومحبّت کے ان سے خوف آؤر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں دیویوں کی مورتیں البتہ حسن وجمال کی مکمل تصویریں ہوتی ہیں۔ اس لئے ان بت کدوں میں اگر معشوقیت کی شان ہے تو دیویوں میں۔ لیکن ہمارے شعرا کو ان سے سروکار نہیں۔ وہ بے دیکھے بھالے اور بے سوچے سمجھے اپنے اُستاد شعرائے فارسی کی اندھی تقلید میں ان بت خانوں کے مرد معشوقوں

ہی پر عاشق ہیں +

یہ ہے تاریخ ... شعرائے اسلام کے معشوق کی۔ جوان کے دلوں میں ہے۔ اَور جسے وہ پہچانتے نہیں مگر عاشق ہیں۔ یقین ہے۔ کہ اس تاریخ کے ... سے یہ معمہ بخوبی حل ہوگیا ہوگا۔ کہ ان کا معشوق کیوں ایک خوبصورت ... ہے، عورت نہیں؟ کیوں اس کے شوق میں وہ زیادہ تر بُت خانوں ... ر اَور کبھی کبھی دیر و کنشت میں جاتے ہیں؟ ہم انہیں اِس جُرم خلاف وضع فطری میں مبتلا دیکھ کے افسوس کرتے اَور پچھتاتے ہیں کہ کاش اگر سلسلۂ نسب کے دُور پڑ جانے سے پُرانی بنت عم چھوٹ گئی تھی۔ تو کوئی اس کی ہندوستانی بہن ہی معشوقہ بن جاتی۔ یا اگر ہندوستان کے اثر سے ہمارے شعرا میں مردانگی کی قوت بالکل فنا ہوگئی تھی۔ تو وہ ہندی شعرا کی طرح عورت بن جاتے۔ اَور عورت بن لینے کے بعد کسی مرد کو اپنا معشوق بناتے مگر آہ! نہ یہ ہُوا اَور نہ وہ ہُوا۔ اَور محض مجرمین کی کثرت کی وجہ سے ہماری فیاض گورنمنٹ کو ہمارے ان ملزمان جرم وضع خلاف فطری کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۷۷ کے اثر سے مستثنیٰ کرنا پڑا +

ناظرین کرام

مولانا شرر کا یہ آخری مضمون دلگداز سے نہیں بلکہ آگرے کے رسالہ نقاد سے لیا گیا ہے +